U7007 10-12-07.

Title - ROOH ANEES YAANI FIRDAUSI HIND MEER ANEES KE BEHETREEN MARSIYON AUR RUBAIYON KA MAJMUA.

Creator - Meer Babar Ali Anees; Murattiba Sayyed Masood Hasan Rizvi Adeeb.

Publisher - Indian Press (Allahabad).

Date - N.A.

Pages - 256

Subjects - Urdu Marasi - Majmue; Anees, Meer - Sawaneh - o - Tanqeed.

روحِ انیس

یعنی

فردوسیٔ ہند میر انیس کے بہترین مرثیوں، سلاموں اور رباعیوں کا مجموعہ

جو

متعدد قلمی نسخوں کے باہمی مقابلے کے بعد مقدمے، فرہنگ اور حاشیوں
کے ساتھ مرتب کیا گیا

مرتبہ

سید مسعود حسن رضوی ادیب ایم اے
(صدر شعبۂ فارسی و اردو۔ لکھنؤ یونیورسٹی)

مطبوعہ
انڈین پریس لمیٹڈ۔ الہ آباد

باہتمام کالی۔ کے بینرجی پرنٹر و پبلشر
انڈین پریس لمیٹڈ الٰہ آباد

دیباچہ

فردوسیٔ ہند میر انیس مغفور کے مرثیوں کے نو دس مختلف مجموعے اب تک شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں مولانا سیّد علی حیدر صاحب طباطبائی کی مرتّب کی ہوئی جلدیں جو نظامی پریس بدایوں میں چھپی ہیں وہ ظاہری شان کے اعتبار سے دوسرے مطبعوں کی چھپی ہوئی جلدوں سے بدرجہا بہتر ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ اُنکی طباعت میں صحت کا بہت کم خیال رکھا گیا ہے۔ کثرتِ اشاعت کے اعتبار سے مطبع نولکشور لکھنؤ کا اڈیشن جو چار جلدوں پر مشتمل ہے سب سے بڑھا ہوا ہے لیکن بدنصیبی سے یہ اڈیشن جہاں ظاہری صورت میں نہایت حقیر ہے وہاں غلطیوں کی کثرت میں بھی بے نظیر ہے

انیس کے سے باکمال شاعر کا کلام جس بے احتیاطی سے شائع کیا گیا اُس کو دیکھ کر ہر اہلِ ذوق کی طرح میرا بھی دل دُکھتا تھا۔ مُدّت سے قصد تھا کہ انیس کے کلام کا ایک ایسا صحیح اور شاندار اڈیشن نکالوں جس کا وہ کلام مستحق ہے۔ کئی سال ہوئے اس کام کی ابتدا بھی کر دی تھی۔ مگر مستند اور معتبر مرثیوں کی تلاش اور اُن کے باہمی مقابلے میں اتنی دشواریاں پیش آئیں کہ مجبوراً اس سلسلے کو بند کر دینا پڑا۔ لیکن دل میں یہ ارادہ باقی رہا۔

کوئی تین سال ہوئے کہ حُسنِ اتفاق سے ''انڈین پریس الہ آباد'' نے کلامِ انیس کا ایک انتخاب شائع کرنے کا ارادہ کیا۔ انتخاب کرنے والے کی تلاش ہونے لگی۔ آخر مہتمم مطبع نے مکرمی جناب پنڈت منوہر لال صاحب زتشی کے مشورے سے یہ کام میرے سپرد کیا۔ انڈین پریس

حُسنِ طباعت اور حسنِ معاملت کے لئے غیر معمولی شہرت رکھتا ہے۔ مجھ کو بھی یہ موقع غنیمت معلوم ہوا اور اُمید ہوئی کہ اس مطبع کی توجہ سے کلام انیس کا ایک اچھا ایڈیشن نکل سکیگا۔ اس اُمید پر میں نے کام شروع کر دیا۔

میر انیس کے تمام کلام کو پڑھ کر جو مرثیے، سلام اور رباعیاں بہترین معلوم ہوئیں اُن میں سے سات مرثیے۔ پندرہ سلام اور پینتیس رباعیاں ایک جلد کے لئے منتخب کیں۔ ایک ایک مرثیے کے جتنے جتنے قدیم اور معتبر قلمی نسخے فراہم ہو سکے ان کا باہمی مقابلہ کر کے ہر مرثیے کی تصحیح کی۔ تصحیح میں جو دقتیں اُٹھانا پڑتی ہیں اور جتنا وقت صرف ہوتا ہے اسکا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جنھوں نے خود کبھی اس کام میں ہاتھ ڈالا ہو۔ مختصر یہ کہ مہینوں کی تلاش اور تجسس جانفشانی اور دیدہ ریزی کے بعد بھی وہ نتیجہ نہ نکلا جو میرا مقصود اصلی تھا۔

ایسے مرثیے دستیاب نہ ہو سکے اور نہ غالباً کسی کو دستیاب ہو سکتے ہیں جن کے متعلق یہ یقین کیا جا سکے کہ ان کا حرف حرف صحیح ہے۔ اور یہ کہ وہ ان مرثیوں کی آخری صورتیں ہیں جن کے بعد مصنف نے پھر کوئی ترمیم نہیں کی۔ ایسی حالت میں یہی ممکن تھا کہ اگر کسی مصرعے کے لفظوں میں یا کسی بند کے مصرعوں میں یا بندوں کی ترتیب اور تعداد میں مختلف نسخوں میں اختلاف ہو تو میر انیس کی طرف سے جو حسن ظن ہے اسکی بنا پر جو صورت سب سے بہتر معلوم ہو وہی اختیار کر لی جائے۔

مجھے احساس ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ جس صورت کو میرا ذوق بہترین قرار دے وہ حقیقت میں بھی ایسی ہی ہو۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جو صورت حقیقت میں بہترین ہو وہی میر انیس نے اختیار کی ہو۔ مگر تصحیح کا جو طریقہ اختیار کیا گیا اسکے سوا چارہ ہی کیا تھا۔

گو کہ تصحیح کے معاملے میں اکثر اپنے ذوق کے فیصلے پر عمل کرنا پڑا۔ پھر بھی انتہائی احتیاط ملحوظ رکھی گئی کوئی ترمیم اپنی طرف سے نہیں کی گئی ہمیشہ وہی صورت اختیار کی گئی جو کسی نہ کسی نسخے میں موجود تھی۔ بلکہ زیادہ تر اُن صورتوں کو ترجیح دی گئی ہے جو متعدد نسخوں میں پائی گئیں۔ بعض اختلافات جو غلط نہیں کہے جا سکتے یا جن میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کی کوئی وجہ نہیں ان کو حاشیے پر لکھ دیا ہے۔

ابتدا میں ارادہ تو یہ تھا کہ بہترین صورت کو متن میں اور باقی صورتوں کو حاشیے پر جگہ دی جائے۔ مگر یہ اصول قائم نہ رہ سکا۔ وجہ یہ ہوئی کہ بعض مرثیوں کی آخری ترتیب کے بعد بلکہ بعض حالتوں میں کاپیاں لکھ جانے کے بعد کوئی نسخہ ہاتھ آیا جس میں بعض صورتیں ان سے بہتر تھیں جو متن کتاب میں اختیار کی گئی تھیں مجبوراً ان کو حاشیے ہی پر درج کرنا پڑا۔

مرثیوں کے مختلف نسخے مختلف وقتوں میں مختلف لوگوں سے مستعار لے کر یا اُن کے گھروں پر جا جا کر اپنے نسخوں کا اُن سے مقابلہ کیا۔ اس طرح بعض مرثیوں کا آٹھ آٹھ دس دس مرتبہ مقابلہ کرنا پڑا۔ اگر یہ سب نسخے کسی ایک کتبخانے میں یا مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہوتے یا کسی طرح ہر شخص کی دسترس کے اندر ہوتے تو میں اُنکے اختلافات درج کرتے وقت اُن کا حوالہ بھی دیتا جاتا۔ مگر خود مجھ کو اُن کے حاصل کرنے میں اتنی دقّت اور اتنی زحمت اُٹھانا پڑی کہ میرا ہی دل جانتا ہے اور اب اگر دوبارہ اُن سب کو فراہم کرنا چاہوں تو ایک مُدّت کی دوا دوش کے بعد بھی یقیناً کامیابی نہ ہوگی۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں حوالے دینے کا کوئی فائدہ نہیں۔

مرثیوں کے انتخاب میں صرف شہرت اور مقبولیت کو معیار قرار نہیں دیا ہے۔ بلکہ تمام مرثیوں کا بغور مطالعہ کر کے اپنی ذاتی رائے سے انتخاب کیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دو مرثیے اس جلد میں ایسے بھی آگئے ہیں جن کو شہرت نے میر انیس کے بہترین مرثیوں میں شامل نہیں کیا تھا۔ اُن کے مطلعے حسب ذیل ہیں۔

(۱) جب رن میں سربلند علی کا عَلَم ہوا

(۲) کیا غازیان فوج خدا نام کر گئے

جو مرثیے وغیرہ اس جلد میں شائع کئے جا رہے ہیں۔ یہ انیس کا بہترین کلام ضرور ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ان مرثیوں کے نکل جانے سے انیس کا خزانہ خالی ہو گیا۔ اگر شاعری کے قدر شناسوں نے ہمت افزائی کی تو اسی پائے کے مرثیوں کی کم سے کم ایک جلد اور پیش کی جائے گی۔

اِن مرثیوں سے پورا لطف اُٹھانے کے لئے کربلا کے خونیں واقعے کے تمام تفصیلات۔ اشخاص مرثیہ کی سیرت اور باہمی تعلقات۔ شاعر کے مذہبی معتقدات۔ انیسؔ کے زمانے کی سوسائٹی کے خیالات و جذبات۔ اور مرثیے کے لوازم و خصوصیات سے بخوبی واقف ہونا نہایت ضروری ہے اور اس واقفیت کے لیئے خاص توجہ اور کافی مُدت درکار ہے۔ بہرحال اُمید ہے کہ مقدمۂ کتاب کا بغور مطالعہ کرنے سے اُس ذہنی کیفیت کے پیدا ہونے میں کچھ نہ کچھ مدد ضرور ملیگی جسکے بغیر مرثیے کی شاعری سے لطف اندوز ہونا ممکن نہیں۔

مقدمۂ کتاب میں پہلے امام حسینؑ کی شہادت کا مختصر حال لکھا گیا ہے کہ یہی غمناک اور عظیم الشان واقعہ مرثیے کا موضوع ہے۔ اسکے بعد مرثیے کی تعریف اور اُسکے اجزائے ترکیبی بتائے گئے ہیں اور اُن لوگوں کے ضروری حالات نہایت اختصار کے ساتھ لکھے گئے ہیں جن کا ذکر مرثیوں میں اکثر آتا ہے۔ اس کے بعد میر انیسؔ کے کچھ حالات زندگی لکھ کر اُن کی شاعری پر مختصر تبصرہ کیا گیا ہے۔

مشکل الفاظ کی فرہنگ اور مشکل مقامات پر حاشیے لکھ کر یہ دونوں چیزیں کتاب کے آخر میں شامل کر دی گئی ہیں۔ حاشیوں میں کہیں کہیں کلام کی کسی خاص خوبی یا کسی صنعت کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے۔ اُمید ہے کہ ان چیزوں سے انیسؔ کا کلام سمجھنے میں کافی مدد ملیگی۔

سیّد مسعود حسن رضوی ادیبؔ ایم۔ اے۔

فہرست مضامین

رباعیاں

فہرست تصاویر ۔ میر انیس کی شبیہ[۱] ۔ تحریر[۲] ۔ مکان[۳] ۔ مدفن[۴] ۔ اور ایک مجلس[۵] ۔

مقدمه

امام حسین ع کی شہادت کا مختصر بیان

جو

۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ کو کربلا میں واقع ہوئی

عرب میں قریش کا قبیلہ نسبی شرافت کے اعتبار سے نہایت ممتاز تھا۔ کعبہ جو اسلام سے مدتوں پہلے بھی عرب کا سب سے بڑا عبادت خانہ اور مذہبیت اور تقدس کا سب سے بڑا مرکز تھا اسکی مجاوری کا فخر بھی اسی قبیلے کو حاصل تھا۔ اپنی مخصوص فضیلتوں کی بدولت یہ قبیلہ ایک مدت تک عزت کی قلمرو پر فرمانروائی کرتا رہا۔ آخر زمانے کی نظر لگ گئی اور حسد نے پھوٹ کا بیج بو دیا جب حضرت ہاشم کعبہ کے مجاور ہوئے اور انکی خدمتوں نے اُن کو تمام عرب کا مخدوم بنا دیا تو انکا عروج و وقار ان کے بھتیجے اُمیہ کی آنکھوں میں کھٹکنے لگا۔ اہل حسد کی اس زمانے میں بھی کمی نہ تھی۔ اُمیہ نے اُنھیں کی مدد سے کوشش کی کہ عزت و سرداری کا تاج حضرت ہاشم کے سر سے اُتارے۔ مگر ناکامیوں نے مخالفت کے شعلوں کو ٹھنڈا کر دیا۔ تاہم دلوں میں یہ آگ سُلگتی رہی۔

ہاشم کے بعد ان کے بیٹے عبد المطلب اور پوتے ابو طالب خانہ کعبہ کے مجاور ہوئے۔ ہاشم کے عادات و اطوار اُن کو ورثے میں ملے تھے۔ اُنھوں نے بھی اس خدمت سے عظمت حاصل کی۔ اُمیہ اور اُسکے بیٹے حرب نے ان دونوں کو بھی عزت کی مسند سے اُتارنا چاہا مگر کامیابی نہ ہوئی۔ البتہ حسد اور عداوت کی جڑیں اور مضبوط ہو گئیں۔

جب ہاشم کے پروتے حضرت محمد صلعم نے اپنی پیغمبری کا اعلان کر کے بت پرستی کی مخالفت

صلی اللہ علیہ وسلم

اور وحدانیت کی تلقین شروع کی تو بنی اُمیہ کو بڑا اندیشہ ہوا کہ اگر کہیں لوگوں نے حضرت محمدؐ کو خدا کا رسول اور ان کے دین کو مذہب حق تسلیم کر لیا تو بنی ہاشم کے مذہبی اقتدار کے سامنے بنی اُمیہ کا چراغ ہی گُل ہو جائیگا۔ چنانچہ اُمیہ کے پوتے ابوسفیان نے محمدی تعلیم کے خلاف عَلَمِ بغاوت بلند کیا۔ عرب کے راسخ العقیدہ بت پرست اس عَلَم کے نیچے جمع ہو گئے۔ اور حضرت محمدؐ کو ستانے اور تبلیغ اسلام میں روڑے اٹکانے لگے۔ یہاں تک کہ آپ مجبور ہو کر اپنے وطن مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ میں جا بسے۔

دشمنوں نے مدینہ میں بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ آخر کار تنگ آکر جنگ کے لئے تیار ہونا پڑا۔ کئی لڑائیاں ہوئیں جن میں شکست ہمیشہ ابوسفیان ہی کو ہوئی۔ حضرت محمدؐ کے پیروؤں کی تعداد اور انکی طاقت برابر بڑھ رہی تھی۔ آخر مکہ میں ایک ایسی فیصلہ کُن جنگ ہوئی جس نے بنی اُمیہ کی طاقت بالکل توڑ دی۔ اب اپنی کمزوری کو چھپانے کے لئے اُنھوں نے بھی قبول اسلام کی نقاب ڈال لی۔

اس شکست کے بعد ایک مدت تک بنی اُمیہ سر نہ اُٹھا سکے۔ حضرت محمدؐ کے دوسرے جانشین خلیفہ عمرؓ نے اپنی حکومت کے زمانے میں ابوسفیان کے بڑے بیٹے یزید کو اور یزید کی وفات کے بعد اسکے بھائی معاویہ کو امیر شام مقرر کیا۔ امیر معاویہ کی تدبیروں سے بنی اُمیہ کا زوال عروج سے بدلنے لگا۔ اور رفتہ رفتہ دولت اور حکومت پھر ان کے قبضے میں آ گئی۔ رسول عربیؐ کے تیسرے جانشین خلیفہ عثمانؓ خود بنی اُمیہ میں سے تھے ان کے عہد حکومت میں بنی اُمیہ کو خوب عروج ہوا۔

جب حضرت علیؑ رسولؐ کے چوتھے خلیفہ ہوئے تو ہوا کا رُخ بدل گیا۔ آپ شاہانہ اقتدار کے باوجود فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ضرورت کے وقت یہودیوں کے باغوں میں پانی دے کر اپنی روزی پیدا کرتے تھے۔ مگر قومی خزانے میں ہاتھ نہ لگاتے تھے۔ اب یہ کہاں ممکن تھا کہ کوئی فرد یا کوئی جماعت بیت المال سے بے استحقاق متمتع ہو سکے۔ چنانچہ سرداران

عرب کو جو وظیفے بیکار مل رہے تھے وہ سب آپ نے بند کر دیئے۔

حضرت علیؑ حضرت ہاشم کے پرپوتے اور پیغمبر عرب یعنی حضرت محمدؐ کے چچازاد بھائی تھے۔ اولادِ ہاشم کی حکومت یوں ہی بنی اُمیّہ کے لئے قابلِ برداشت نہ تھی اس پر حضرت علیؑ کی سخت گیری۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مخالفت کی چنگاریاں دہکتے دہکتے جنگ کی آگ بھڑک اٹھی اور بنی اُمیّہ نے حاکم شام امیر معاویہ کی سرکردگی میں حضرت علیؑ سے بہت سی لڑائیاں لڑیں۔ حضرت علیؑ اسلام کے سب سے بڑے سپاہی اور فنونِ جنگ کے سب سے بڑے ماہر تھے۔ میدان ہمیشہ انھیں کے ہاتھ رہا۔ جب تیر و شمشیر سے مقصد حاصل نہ ہوا تو عیاری اور مکّاری کے حربے استعمال ہونے لگے۔ آخرکار حضرت علیؑ مسجد کوفہ میں نماز صبح کے وقت اپنے معبود کے سجدے میں شہید کر دیئے گئے۔

حضرت علیؑ کی شہادت سے بنی امیّہ کا راستہ کسی قدر صاف ہو گیا لیکن بنی ہاشم تقدس، روحانیت، علم اور اخلاق میں بنی اُمیّہ سے کہیں افضل تھے اور رسولؐ کی قرابت کا شرف صرف اُنھیں کو حاصل تھا۔ اِس لئے روحانی سیادت کا بنی ہاشم سے بنی اُمیّہ میں منتقل ہو جانا اب بھی مشکل تھا۔ چنانچہ حضرت علیؑ کے بعد ان کے بڑے بیٹے حضرت حسنؑ خلیفہ رسولؐ تسلیم کر لیے گئے۔

امیر معاویہ کا آبائی اور ذاتی تجربہ بتا چکا تھا کہ بنی ہاشم کے مقابلے میں تلوار اٹھانا بے سود ہے۔ اس لئے اُنھوں نے امام حسنؑ کے پاس صلح کا پیغام بھیجا۔ یہ پیغام کچھ ایسا تھا کہ اگر آپ منظور نہ کرتے تو جب جاہ کی تہمت اور خونریزی کے الزام سے بچنا مشکل تھا۔ شرائط صلح بھی بُرے نہ تھے۔ بہرحال مصلحتِ وقت سمجھ کر امام حسنؑ نے صلح کر لی۔ امیر معاویہ نے اس صلح کے ذریعے سے امام حسنؑ کو حکومت ظاہری سے بے دخل کر کے شرائطِ صلح کی صریح خلاف ورزی شروع کر دی۔ آخر امام حسنؑ بھی زہر سے شہید کر دیئے گئے۔

اب امیر معاویہ نے صلح نامے کے خلاف اپنے بد اطوار بیٹے یزید کو اپنا ولی عہد اور مسلمانوں کا دینی پیشوا قرار دے کرا سکنے کے لئے بیعت لینا شروع کر دیا۔ امام حسنؑ کے چھوٹے بھائی حسینؑ سے بھی بیعت کی خواہش کی گئی۔ مگر تقدّس اور معصومیت کا سر فسق و فجور کے

سامنے کیونکر جھکتا۔

امام حسینؑ معاملہ فہمی، پیش بینی، اور ایثار نفس میں فرد فرید تھے۔ وہ ماضی و حال کے آئینے میں مستقبل کی صورت دیکھ رہے تھے۔ ان کو یقین ہو گیا کہ اب تحفظ اسلام کا صرف ایک ہی ذریعہ رہ گیا ہے یعنی اپنی جان اور جان سے زیادہ عزیز ہستیوں کی قربانی۔ وہ اس قربانی کے لئے تیار ہو گئے۔ اور وقت کے منتظر رہنے لگے۔ امام حسنؑ کی زندگی ہی میں کہا کرتے تھے کہ میں عنقریب حق کی حمایت میں قتل کیا جاؤنگا مگر باطل کا ساتھ نہ دونگا۔ اس قول میں قربانی پر آمادگی کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔

امیر معاویہ کے انتقال کے بعد ان کا بیٹا یزید تخت پر بیٹھا۔ وہ اپنی زندگی ہی میں بہت سے لوگوں سے یزید کی بیعت لے چکے تھے۔ اسی پر تے پر اسکو دنیاوی حکومت کے ساتھ روحانی سیادت کا بھی دعویٰ تھا۔ مگر بے دینی میں اُسکی جسارت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ مذہبی پیشوائی کے دعوے کے باوجود اپنی بدکاریوں پر نمائشی دینداری کا پردہ بھی نہ ڈالا۔ احکام اسلام کی صریح خلاف ورزی کرنے لگا۔ اور شراب و کباب۔ غنا و زنا میں علانیہ مشغول رہنے لگا۔

اہل کوفہ نے معاویہ کی زندگی ہی میں امام حسینؑ کو اپنی ہدایت کے لئے بلانا شروع کر دیا تھا۔ یزید کے زمانے میں تو اُن کے خطوں کے انبار لگ گئے۔ یزید جانتا تھا کہ لوگوں کے دل امام حسینؑ کی طرف کھنچ رہے ہیں۔ اس نے اپنے جلوس کے پہلے ہی سال حاکم مدینہ کے نام فرمان بھیجا کہ جس طرح ممکن ہو امام حسینؑ سے بیعت لی جائے۔ شاہی حکم کی تعمیل کی کوشش کی گئی۔ نتیجہ وہی ہوا جو اس طرح کی کوششوں کا اس سے پیشتر ہو چکا تھا۔ اب اپنی جان و آبرو کو خطرے میں دیکھ کر امام حسینؑ مدینہ سے مکہ چلے گئے۔ کوفہ والوں کے خطوں کا سلسلہ یہاں بھی جاری رہا۔ ان کے اصرار سے مجبور ہو کر آخر آپ نے کوفہ کے سفر کا تہیہ کر لیا۔ مگر گذشتہ تلخ تجربوں کی وجہ سے کوفیوں پر اعتماد کرنا مشکل تھا۔ اس لئے آپ نے پہلے اپنے چچا زاد بھائی مسلم کو بھیجا کہ ان کے دل ٹٹولیں اور حقیقت حال سے اطلاع دیں۔

ابھی کوئی اطلاع نہ ملی تھی کہ مکہ میں اپنے قتل کا سامان دیکھ کر امام حسین کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ حج کا زمانہ قریب تھا۔ تمام عالم اسلامی مکہ کی طرف کھنچا چلا آرہا تھا امام حسینؑ بھی حج کرنے کے لئے ہر سال مدینہ سے مکہ پاپیادہ آیا کرتے تھے۔ اِس لئے جو لوگ راستے میں ملتے تھے وہ حیرت سے پوچھتے تھے کہ حج کے زمانے میں آپ مکہ سے کہاں اور کیوں تشریف لئے جاتے ہیں۔ آپ جواب میں بالعموم فرمادیا کرتے تھے کہ میں خدا کی راہ میں قتل ہونے جارہا ہوں وہی قربانی پر آمادگی اس جواب سے بھی ظاہر ہورہی ہے۔

حضرت مسلم کوفہ پہنچ گئے۔ کوفیوں نے اُنکی بڑی عزت کی۔ لوگ جوق جوق آنے لگے۔ اور اُن کے ہاتھ پر امام حسین سے بیعت کرنے لگے۔ یزید کو جب یہ خبر پہنچی تو اُس نے ایک قسی القلب دشمن آلِ رسول یعنی عبداللہ ابن زیاد کو (شام) کا گورنر مقرر کرکے کوفہ بھیجا۔ اُس نے وہاں پہنچتے ہی حضرت مسلم کو انتہائی بے رحمی کے ساتھ قتل کروادیا اور اُن کے میزبان ہانی کو سولی پر چڑھادیا۔ کوفیوں کی وفاداری میں اتنی استواری کہاں تھی کہ ان سختیوں کی تاب لاسکتے۔ آخر امام حسین سے پھر گئے۔ اہل کوفہ پر اپنی ہیبت بٹھانے کے بعد ابن زیاد نے شہر کے ناکے بند کروادیئے اور ہزار سواروں کا ایک دستہ حُر کی ماتحتی میں امام حسین کی تلاش میں بھیجا۔

راستے میں امام حسین کو حضرت مسلم کی شہادت کی خبر ملی۔ مگر آپ نے اپنا سفر جاری رکھا۔ کئی منزلیں طے کرنے کے بعد حُر کا رسالہ سدِّ راہ ہوا۔ کچھ گفتگو کے بعد یہ طے ہوا کہ امام حسین کسی غیر معروف راستے سے سفر کریں۔ گرمی قیامت کا نمونہ دکھارہی تھی۔ حُر کا رسالہ پیاس سے جاں بلب تھا اور اُس بیابان میں کوسوں پانی کا پتہ نہ تھا۔ امام حسین کے ساتھ اُنکے اہل و عیال اعزا اور احباب کی ایک جماعت تھی جس میں چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے۔ مگر انسانی ہمدردی سے بے چین ہوکر آپ نے اپنے ساتھ کا پانی دشمن کی فوج کو پلادیا۔

اب حسینی قافلہ حُر کی تجویز کے مطابق ایک غیر معروف راستے سے روانہ ہوا حُر کا رسالہ بھی ساتھ ہولیا تین چار دن کے بعد محرم کی دوسری تاریخ کو یہ قافلہ کربلا کے میدان میں پہنچ گیا

اور دریائے فرات کے قریب ٹھہر گیا۔ دوسرے دن ابن زیاد کا بھیجا ہوا ایک لشکر عمر ابن سعد کی سرکردگی میں کربلا پہنچا۔ اس کے بعد یزیدی فوجوں کی آمد کا سلسلہ بندھ گیا۔ تمام راستے بند کر دیے گئے۔ اور امام حسینؑ کو ان فوجوں میں گھیر کر یزید کی بیعت پر اصرار کیا جانے لگا۔ ساتویں محرم کو ابن زیاد کے حکم سے دریائے فرات پر کئی ہزار سپاہیوں کا پہرہ بٹھا دیا گیا اور امام حسینؑ پر پانی بھی بند کر دیا گیا۔

وہ سرچشمۂ ہمدردی جس نے ابھی چند روز ہوئے اپنے دشمنوں کی پوری فوج کو سیراب کیا تھا اب اسکے ننھے ننھے بچے ایک ایک قطرہ پانی کو ترس رہے ہیں۔ مگر طاقت کی تمام نمائشیں اور ایذا رسانی کی تمام صورتیں امام حسین کو مجبور نہ کر سکیں کہ ایک فاسق و فاجر بادشاہ کو اپنا دینی پیشوا تسلیم کر لیں۔ آٹھویں محرم کو عمر ابن سعد نے امام حسینؑ سے ایک مرتبہ پھر کہا کہ اب بھی وقت ہے۔ یزید کی بیعت کر لیجیے اور ان تمام مصیبتوں سے نجات پا جائیے۔

امام حسینؑ کے استقلال میں اب بھی فرق نہ آیا۔ آپ نے بیعت سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ مجھ کو واپس جانے دو کہ میں مکہ یا مدینہ میں گوشہ نشین ہو جاؤں۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو اجازت دو کہ میں یزید کی سلطنت سے نکل کر ہندوستان یا کسی اور ملک میں جا رہوں۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو مجھ کو یزید کے پاس لے چلو کہ میں خود اُس سے گفتگو کر لوں۔ عمر سعد نے یہ تینوں باتیں ابن زیاد کو لکھ بھیجیں۔ مگر اُس نے کوئی بات منظور نہ کی اور شمر کو ایک بڑی فوج کے ساتھ بھیجا کہ امام حسین سے یزید کی بیعت لے یا اُن کا سر لائے۔

ابن زیاد کا یہ حکم امام حسین کو نویں محرم کی شام کو سُنایا گیا۔ امام نے اس پر غور کرنے کے لئے ایک شب کی مہلت لی۔ نماز مغرب کے بعد آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ میں طے کر چکا ہوں کہ یزید کی بیعت کر کے اسلام کی تباہی میں شریک نہ ہونگا۔ اب میرا ساتھ دینے میں تمہاری جانوں کا خطرہ ہے۔ اس لئے میں بخوشی اجازت دیتا ہوں کہ رات کے پردے میں جہاں چاہو چلے جاؤ۔

مروّت اور رفاقت کی حد ختم ہو گئی۔ اب جاں نثاری اور سرفروشی کی منزل تھی۔ چند رفیق رخصت ہو گئے۔ اب صرف وہ لوگ باقی رہ گئے جو حسینؑ کی عظیم الشان قربانی میں شریک ہونے کے اہل تھے۔ ان سرفروش مجاہدوں کی تعداد بہتّر سے ایک سو دس تک بتائی جاتی ہے جس میں چند ضعیف بڈھے کچھ نوعمر لڑکے اور چند معصوم بچے بھی شامل تھے۔ انکے علاوہ کچھ عورتیں بھی امامؑ کے ساتھ تھیں۔ اس منتخب جماعت میں ایک فرد بھی ایسی نہ تھی جس نے اپنے کارناموں سے حسینی قربانی کی عظمت اور اثر میں اضافہ نہ کیا ہو۔

جب مہلت کی شب گزر گئی اور امام حسینؑ اپنے ارادے پر قائم رہے تو یزیدی لشکر جس کی تعداد کم سے کم بیس ہزار بتائی جاتی ہے میدان کربلا میں صف آرا ہو گیا کہ ایک صبر و استقلال کے پہاڑ کو ظلم و جبر کی آندھیوں سے متزلزل کر دے۔ طبل جنگ بجنے لگے۔ امام حسینؑ کا سر لینے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ اتنے بڑے لشکر کا سامنا ہے۔ بھوک پیاس کی شدت سے کسی کے دم میں دم نہیں۔ بچے پیاس پیاس کہہ کر تڑپ رہے ہیں۔ اپنی اور عزیز ترین ہستیوں کی موت۔ گھر کی تباہی۔ ناموس کی اسیری کے منظر آنکھوں کے سامنے ہیں۔ مگر امام حسینؑ کی فرض شناسی، اصول پروری، ایثار اور جرأت کا کیا کہنا کہ آپ کی جبین استقلال پر اب بھی شکن نہیں۔

جب یزید کا قہرمانی لشکر اپنی صفیں جما چکا تو امام حسینؑ آگے بڑھے اور اپنی خاندانی خوش بیانی کے ساتھ ایک تقریر شروع کی۔ خدا کی حمد اور رسولؐ کی نعت کے بعد اپنی نسبی شرافت اور اسلام کی نازک حالت بیان کی اور کوفیوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ تمہیں نے مجھ کو سیکڑوں خط بھیج کر اپنی ہدایت کے لئے بلایا اور تمہیں اب میرے قتل پر آمادہ کھڑے ہو۔ کیا مہمان نوازی کا یہی طریقہ ہے۔ اور ہدایت کرنے والوں کے ساتھ یہی سلوک مناسب ہے۔ کوفیوں میں اتنی اخلاقی جرأت کہاں تھی کہ جان و مال کے خوف پر غالب آ سکتی۔ پھر بھی شرم سے سر جھک گئے۔ یزید کے اتنے بڑے لشکر میں صرف ایک شخص ایسا نکلا جس نے حق پر مرنا ناحق پر جینے سے بہتر سمجھا۔ وہ کون؟ حُر۔ وہی حُر جس کو چند روز پہلے امام حسینؑ نے پیاس کی شدت میں

سیراب کر کے گویا دوسری زندگی بخشی تھی۔ وہ اپنے چند ساتھیوں کو لیکر امام حسین کی طرف آگیا۔

امام حسینؑ کی تقریر ختم ہوئی۔ جواب میں یزیدی لشکر سے تیر برسنے لگے۔ امام حسینؑ نے خود جنگ کا تہیہ کیا۔ مگر جاں نثار انصار آپ کو تلواروں کی آنچ میں کیونکر دیکھ سکتے تھے۔ عرب کے قدیم دستور کے موافق ایک ایک شخص بڑھنے اور اپنے پیشوا کے نام پر جان نثار کرنے لگا۔ انصار کے بعد اعزا رخصت ہونے لگے۔ نو دس برس کے دو بھانجے عون و محمد۔ تیرہ چودہ برس کا بھتیجا قاسم۔ اٹھارہ برس کا بیٹا علی اکبر۔ بتیس برس کا بھائی عباس اور چند اور قریبی عزیز ایک ایک کر کے گئے اور شجاعت کے مافوق العادت کرشمے دکھا دکھا کر شہید ہو گئے۔ اب امام حسینؑ بالکل تنہا رہ گئے۔ ایک بیٹا سید سجاد زندہ تو تھا۔ مگر بیماری اور نقاہت سے زندہ درگور تھا۔ اس مصیبت میں باپ کی نصرت کیونکر کرتا۔

امام حسینؑ پر مصائب کا جو ہجوم تھا اب اس میں عزیز ترین دوستوں اور قریب ترین عزیزوں کے داغوں کا اور اضافہ ہو گیا تھا۔ پھر اپنی طرف کے شہیدوں کی لاشیں اٹھاتے اٹھاتے اور خیمہ گاہ تک لاتے لاتے نہ معلوم کیا حال ہوا ہو گا۔ دشمنوں کے لشکر میں گھس کر کسی کی لاش اٹھا لانا آسان کام نہ تھا۔ حضرت جتنی لاشیں میدان جنگ سے لائے ہونگے اتنی لڑائیاں لڑنا پڑی ہونگی۔ مختصر یہ کہ اس وقت امام حسین کی جو حالت ہو گی اسکا بیان کیسا تصور بھی دشوار ہے۔ مگر نہ معلوم آپ کے پاش پاش قلب میں کتنا استقلال اور چور چور بدن میں کتنی قوت تھی کہ اس بیکسی اور بے بسی کے عالم میں جب یزیدی فوج سے مبارز طلبی کی آواز بلند ہوئی تو آپ باقاعدہ جنگ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اور ان بیبیوں سے رخصت ہونے کے لئے خیمے میں تشریف لے گئے جن کے گود کے پالے گھر کے اجالے آنکھوں کے تارے زندگی کے سہارے امام پر نثار ہو چکے تھے۔ کس کے قلم میں طاقت ہے کہ اس دردناک منظر کی تصویر کھینچ سکے۔

سب سے رخصت ہو کر امام حسین میدان جنگ میں آئے اور اس عالم ضعف و یاس میں بہادری کے وہ جوہر دکھائے جن کی نظیر سے تاریخ عالم کے ورق خالی ہیں۔ یکایک خیمے سے

رونے کی آوازیں بلند ہوئیں۔ امام حسین واپس آئے اور دیکھا کہ آپ کا ششماہہ بچہ علی اصغر پیاس کی شدت سے دم توڑ رہا ہے۔ حضرت کو اپنی بے گناہی اور یزیدیوں کی شقاوت کے اظہار کا ایک بہت اچھا موقع مل گیا۔ آپ نے بچے کو اپنے ہاتھوں پر لیا اور ایک بلند مقام پر کھڑے ہوکر اسکی دردناک حالت دشمنوں کو دکھائی اور فرمایا کہ یہ معصوم پیاس سے جاں بلب ہے۔ اسکی ماں کا دودھ بھی خشک ہوگیا ہے۔ اگر ایک قطرہ پانی اسکے حلق میں ٹپکا دو تو اسکی جان بچ جائے۔

یہ ایسا پُراثر سماں تھا کہ وہ پتھر دل جو عون و محمد کی کمسنی، اکبرؑ کی نوجوانی، امام حسینؑ کی ضعیفی سے مطلق متاثر نہ ہوئے تھے وہ بھی آخر پسیج گئے۔ بعض لوگوں نے پانی دینے کا ارادہ کیا مگر عمر ابن سعد نے اپنے لشکر کے ایک مشاق تیر انداز حرملہ کو حکم دیا کہ حسین کی بات کاٹ دے۔ حرملہ نے ایک سہ پہلو تیر تاک کر مارا جو بچے کی گردن اور باپ کا بازو توڑ کر نکل گیا اور بچہ باپ کے ہاتھوں پر تڑپ تڑپ کر ختم ہوگیا۔

اپنے دل کے ٹکڑے کو زمین کی گود میں سُلا کے امام حسین پھر میدان میں آئے اور ایسی جنگ کی کہ ہر طرف سے "الامان" "الامان" کی صدائیں آنے لگیں۔ آپ نے تلوار روک لی۔ تلوار کا رُکنا تھا کہ دشمنوں نے گھیر لیا۔ تیروں، تلواروں اور نیزوں کا مینہ برسنے لگا۔ آخر سیکڑوں زخم کھا کر آپ گھوڑے سے گرے اور شمر نے اپنے خنجر سے حضرت کا سر کاٹ لیا۔ فتح کے باجے بجنے لگے۔ شہیدوں کی لاشیں گھوڑوں سے پامال کی گئیں۔ مال و اسباب لوٹا گیا۔ عورتوں کے سروں سے چادریں تک اُتار لی گئیں۔ خیموں میں آگ لگا دی گئی۔ سید سجاد کو طوق و زنجیر پہنائی گئی۔ اور عرب کے شریف ترین خاندان کی غیرت مند بیبیاں رسیوں میں باندھ کر قیدی بنا دی گئیں۔

یزیدیوں نے اپنی طرف کے مُردوں کو دفن کیا اور امام حسین اور اُنکے رفیقوں کی لاشوں کو بے گور و کفن چھوڑ کر کوچ کر دیا۔ شہیدوں کے سروں کو نیزوں پر چڑھا کر آگے آگے رکھا۔ اہل حرم کو بے مقنع و چادر اونٹوں کی ننگی پیٹھ پر بٹھایا اور ہمارا امام حسین کے بیمار اور ضعیف بیٹے سید سجاد کے ہاتھ میں دے کر اُن کو پُرخار راستوں سے سر و پا برہنہ پیدل چلنے پر مجبور کیا۔

راستے بھر طرح طرح کی ذلتیں اور اذیتیں دیتے رہے۔ شقاوت کی انتہا یہ تھی کہ اگر سید سجاد تھک کر بیٹھ جاتے تھے، یا پاؤں کے کانٹے نکالنے کے لئے ٹھہر جاتے تھے تو ان کو کوڑے مارتے تھے۔ اگر بیبیاں عزیزوں کے سروں کو دیکھکر روتی تھیں تو نیزوں کی نوکیں چبھوتے تھے۔

جب یزید کے دارالسلطنت دمشق میں پہنچے تو سب سے زیادہ آباد راستوں سے نہایت ذلت و خواری کے ساتھ ان قیدیوں کو یزید کے دربار تک لے گئے۔ یزید نے بھی ان کی ذلت میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا اور سب کو ایک تنگ و تاریک مکان میں قید کر دیا۔

قبیلۂ بنی اسد کربلا کے نواح میں آباد تھا۔ اس قبیلے کے لوگوں نے چند روز کے بعد امام حسین اور اُنکے رفیقوں کی لاشوں کو دفن کر دیا۔

امام حسینؑ کے اہل حرم سال بھر قید رہے۔ یزید کی بیوی ہندہ آل رسولؐ سے محبّت رکھتی تھی۔ اسکو جب ان واقعات کی خبر ہوئی تو اسکی سفارش پر یزید نے ان بے وارثوں کو رہا کر کے مدینہ پہنچا دیا۔

حق کی حمایت اور اصول کی حفاظت کے لئے اکثر قربانیاں کی گئی ہیں۔ مگر جو قربانی امام حسینؑ نے کی اسکی نظیر دنیا کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔ امام حسینؑ کی شہادت نے دلوں کو بدل دیا اور خیالوں میں انقلاب پیدا کر دیا۔ اس واقعہ سے پہلے کس کی مجال تھی کہ یزید کے دربار میں امام حسینؑ کا نام عزت کے ساتھ لے سکے لیکن اس واقعہ کے بعد اس کے مُنہ پر امام حسینؑ کی تعریفیں ہوتی تھیں اور وہ خاموشی سے سُنتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ اکثر قتل حسین کا الزام اپنے ملازموں پر رکھ کر خود بھی افسوس و ندامت کا اظہار کیا کرتا تھا۔ یزید کے بعد اسکا بیٹا سلطنت کا وارث ہوا۔ مگر وہ اپنے باپ کے افعال سے اتنا شرمندہ تھا کہ چند ہی روز میں سلطنت سے دستبردار ہو کر خانہ نشین ہو گیا اور تین مہینے کے بعد خاک کے پردے میں ہمیشہ کے لئے روپوش ہو گیا۔

اسی شہادت کا اثر تھا کہ لوگوں کے دل یزید سے پھر گئے۔ یہاں تک کہ اسکی زبردست سلطنت تھوڑے ہی زمانہ میں صفحہ ہستی سے مٹ کر تاریخ کے دامن کا داغ بن کر رہ گئی۔ اور

قاتلان حسین کا نام ایسا مٹا کہ آج ایک شخص بھی اُنکی اولادمیں باقی نہیں۔ یا یوں کہیے کہ اس واقعہ سے وہ ایسے ذلیل ہوے کہ ساری دنیا میں ایک آدمی بھی اپنا انتساب اُنکی طرف پسند نہیں کرتا۔ دوسری طرف وہی حسینؑ جنکے ساتھ کربلا کی جنگ میں گنتی کے چند آدمی تھے آج انکے نام پر جان نثار کرنے والے کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ اور جنکی اولاد میں صرف ایک سید سجاد باقی رہ گئے تھے آج لاکھوں سادات ان کی نسل سے ہونے پر فخر کرتے ہیں۔

جو لوگ ناواقفیت سے واقعۂ کربلا کو دو حریفوں کی معمولی جنگ سمجھتے ہیں یا "قتل" اور "فتح" کو مترادف الفاظ خیال کرتے ہیں وہ شاید قاتل یزید کو فاتح اور مقتول حسین کو مفتوح سمجھیں لیکن جو لوگ امام حسینؑ کی شہادت کو حق کی حمایت میں ایک عظیم الشان قربانی سمجھتے ہیں وہ اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہو سکتے۔ اسکے علاوہ اگر یزید اور امام حسین کے مقاصد پر نظر کریں اور کامیابی کو حصول مقصد سے علیحدہ کوئی چیز نہ سمجھیں تو امام حسینؑ کو فاتح اور یزید کو مفتوح ماننا پڑیگا۔

یزید کا مقصد کیا تھا؟ یہی کہ روحانیت کے تنہا علم بردار اور بنی ہاشم کی روحانی عظمت کے سب سے بڑے نمایندے کو قتل کرکے دُنیاوی حکومت کے ساتھ روحانیت اور مذہبیت کی قلمرو پر بھی فرمانروائی کرے۔ اور امام حسینؑ کا مقصد کیا تھا؟ یہی کہ اصول اسلام کو یزید کے ہاتھوں تباہ ہونے دیا اور یزید کی بداعمالیوں کو طشت از بام کرکے دنیا کو یزیدیت سے بیزار کردیں۔ کیا واقعات کربلا کے نتائج پر نظر کرنے کے بعد کوئی کہہ سکتا ہے کہ یزید کو فتح اور امام حسینؑ کو شکست ہوئی۔

کربلا کی جنگ ایک عجیب جنگ تھی جس میں نمائشی فتح حقیقی شکست، اور ظاہری شکست باطنی فتح تھی۔

سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے شہدائے کربلا کے متعلق سچ کہا ہے۔ ؎

کَانَ قَاصِدُھَا بِالضُّرِّ نَافِعُھَا ﴿ وَاِنَّ قَاتَلَھَا بِالسَّیْفِ مُحْیِیْھَا

یعنی اُنکے ضرر کا قصد کرنے والا اُنکو نفع پہونچانے والا تھا ﴿ اور اُنکو تلوار سے قتل کرنے والا اُن کا جلانے والا تھا

یہ ہے واقعۂ کربلا کا سادہ سا خاکہ جس سے اُسکی اہمیت کا کسی قدر اندازہ ہو جائیگا۔

لیکن اس واقعہ کی حقیقی عظمت اسکے تفصیلات میں مضمر ہے۔ اور تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ تاریخی تفصیلات کے علاوہ اس واقعے کے ساتھ تخیلی تفصیلات کا بھی ایک بڑا ذخیرہ شامل ہوگیا ہے جو مرثیہ گو شعرا کی قوت اختراع کا نتیجہ ہے۔ اگرچہ اس واقعے کی حقیقی عظمت اتنی زیادہ ہے کہ بڑے سے بڑے شاعروں کی عرش پرواز تخئیل بھی اسکی بلندی اور گہرائی میں کچھ اضافہ نہیں کرسکی۔ پھر بھی اُنکی خیال آرائیوں سے اسکا پھیلاؤ ضرور زیادہ ہوگیا ہے۔

مرثیہ گویوں کی تخصیص نہیں۔ دنیا کے بڑے سے بڑے شاعروں اور افسانہ نویسوں نے جن کی تخئیل کی بلند پروازیوں پر ایک مانہ ایمان لاچکا ہے کامل انسان کی خیالی تصویر کھینچنے کی کوشش کی ہے۔ مگر اُن کے خیالی مخلوقات میں بھی کوئی ایسا نہیں ہے جو فضائل اخلاق میں امام حسینؑ کا مقابلہ کرسکے۔ جن لوگوں نے اس بشریت سے بالاتر انسان کی سیرت کا غور سے مطالعہ کیا ہے اُن کے نزدیک لفظ "حسین" ایک مرقع ہے جسمیں بہترین و شریف ترین خصائل انسانی کی بینظیر اور غیر فانی تصویریں نظر آتی ہیں۔

امام حسینؑ کے اس عظیم الشان کارنامے پر خواجہ معین الدین اجمیریؒ نے مذہبی زبان میں کتنا مختصر اور جامع تبصرہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ ؎

شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ	دین است حسینؑ دیں پناہ است حسینؑ
سر داد و نداد دست در دست یزید	حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ

مرثیہ اور اجزائے مرثیہ

مرثیہ بالعموم اُس نظم کو کہتے ہیں جس میں کسی مرنے والے کی خوبیاں بیان کر کے اسکی موت پر افسوس کیا جائے اور بالخصوص مرثیے کا اطلاق اُس نظم پر ہوتا ہے جس میں امام حسینؑ کی شہادت یا اُس سے متعلق کوئی واقعہ غم انگیز پیرائے میں بیان کیا جائے یعنی مرثیے کا ایک مفہوم عام ہے اور دوسرا خاص۔ لفظ مرثیہ جب بغیر کسی تخصیص کے استعمال ہوتا ہے تو اُس سے اکثر یہی خاص مفہوم مراد ہوتا ہے۔ مرثیہ گو اور مرثیہ خوان کی ترکیبوں میں بھی یہی خاص مفہوم مقصود ہوتا ہے۔

ابتدا میں مرثیہ بہت مختصر ہوتا تھا اور اسکی کوئی خاص شکل معین نہ تھی۔ کچھ مدت کے بعد اُس نے مربع کی شکل اختیار کر لی یعنی اُس میں چار چار مصرعوں کا ایک ایک بند ہونے لگا۔ انیس کے زمانے سے کچھ پہلے چار چار مصرعوں کے بندوں کی جگہ چھ چھ مصرعوں کے بند ہونے لگے تھے یعنی مرثیہ مسدس کی صورت اختیار کر چکا تھا اُس کے اجزائے ترکیبی بھی معین ہو چکے تھے جو حسب ذیل ہیں:

(۱) ا۔ چہرہ۔ صبح کا منظر۔ رات کا سماں۔ دنیا کی بے ثباتی۔ باپ بیٹے کے تعلقات۔ سفر کی دشواریاں۔ اپنی شاعری کی تعریف۔ حمد۔ نعت۔ منقبت۔ مناجات وغیرہ تمہید کے طور پر۔

(۲) ب۔ سراپا۔ مرثیے کے ہیرو کے قد و قامت۔ خال و خط وغیرہ کا بیان۔

(۳) ج۔ رخصت۔ ہیرو کا امام حسینؑ سے جنگ کی اجازت لینا اور میدان جنگ میں جانے کے لئے اپنے عزیزوں اور دوستوں سے رخصت ہونا۔

(۴) د۔ آمد۔ ہیرو کا گھوڑے پر سوار ہو کر شان و شوکت کے ساتھ رزمگاہ میں آنا۔ آمد کے سلسلے میں ہیرو کے گھوڑے کی تعریف بھی لکھی جاتی ہے۔

(۵) ہ۔ رجز۔ ہیرو کی زبان سے اپنے نسب کی تعریف۔ اپنے اسلاف کے کارناموں کا بیان اور فن جنگ میں اپنی مہارت کا اظہار۔

(۶) و۔ جنگ۔ ہیرو کا کسی نامی پہلوان سے یا دشمن کی فوج سے بڑی بہادری کے ساتھ لڑنا۔ جنگ کے ضمن میں ہیرو کے گھوڑے اور تلوار کی بھی تعریف کی جاتی ہے۔

(۷) ز۔ شہادت۔ ہیرو کا دشمنوں کے ہاتھ سے زخمی ہو کر شہید ہونا۔

(۸) ح۔ بین۔ ہیرو کی لاش پر اُسکے عزیزوں بالخصوص عزیز عورتوں کا رونا۔

انیس کے مرثیوں میں بالعموم یہ اجزا پائے جاتے ہیں لیکن یہ لازمی نہیں ہے کہ ہر مرثیے میں یہ کل اجزا ہوں اور بالکل اسی ترتیب سے ہوں بعض مرثیوں میں شہادت امام حسین کے بعد کے واقعات لکھے گئے ہیں مثلاً اہلبیت کا کربلا سے دمشق تک سفر کرنا، اُنکا زندانِ شام میں مقید رہنا، یزید کی بیوی ہندہ کا اُن سے قید خانے میں ملنا، اُن کا قید سے چھوٹ کر مدینے واپس جانا۔ ظاہر ہے کہ ایسے مرثیوں میں اجزائے مذکور کا ہونا ممکن ہی نہیں۔

انیس کے مرثیوں کو اور اس قبیل کے تمام مرثیوں کو مرثیہ صرف اس بنا پر کہتے ہیں کہ اُنکی بنیاد مرثیے ہی پر قائم ہوئی تھی اور اب بھی اُن میں کربلا کے مجاہدوں کی شہادت کا بیان غمناک انداز میں کرنا ضروری ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ جس نظم کی ترکیب ان اجزا سے ہوئی ہو اسکو مرثیہ کہنا کچھ بہت مناسب تھا۔ انیس کا مرثیہ حقیقت میں ایک خاص طرح کی رزمیہ نظم ہے جسکی ترکیب میں مرثیت کا عنصر لازمی طور پر موجود ہوتا ہے اس نظم کا میدان مرثیے سے کہیں زیادہ وسیع ہے بلکہ معنوی حیثیت سے شعر کی جتنی قسمیں کی جا سکتی ہیں اُن سب پر حاوی ہے۔

بعض لوگ جو اس حقیقت پر نظر نہیں رکھتے ان نظموں کے نام سے دھوکا کھا کر طرح طرح کے بیجا اعتراض کرنے لگتے ہیں۔ خواجہ حالی لکھتے ہیں:-

> "مرثیے میں رزم و بزم اور فخر و خود ستائی اور سراپا وغیرہ کو داخل کرنا، لمبی لمبی تمہیدیں اور توطئے باندھنے۔ گھوڑے اور تلوار وغیرہ کی تعریف میں نازک خیالیاں اور بلند پروازیاں کرنی اور شاعرانہ ہنر دکھانے مرثیے کے موضوع کے بالکل خلاف ہیں"[1]

بیشک مرثیے میں ان چیزوں کی گنجائش نہیں ہوتی لیکن رزمیہ نظم میں یہ سب کچھ ہو سکتا ہے اور ہونا چاہیے۔ اور یہ بھی کہا جا چکا ہے کہ انیس کے مرثیے اصل میں رزمیہ نظمیں ہیں۔ خواجہ حالی خود بھی اس حقیقت سے بیخبر نہ تھے۔ شہدائے کربلا کے مرثیوں کی تدریجی ترقی اور اُسکے اسباب کا ذکر کرنے کے بعد خود تحریر فرماتے ہیں

> "یہ ترقی براہ راست مرثیے کی ترقی نہ تھی بلکہ اُردو شاعری میں ایک قسم کا ایجاد تھا"[2]

تعجب ہے کہ مرثیے کا یہ خاص مفہوم سمجھ لینے کے بعد خواجہ صاحب نے انیس کے مرثیوں کو معمولی مرثیے کے معیار پر جانچنا کیونکر جائز سمجھا۔ اس سلسلے میں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ انیس کے مرثیوں کے جو مقامات مرثیے کے عام مفہوم کے اعتبار سے بھی مرثیہ کہے جا سکتے ہیں وہاں نہ رزم ہے نہ بزم، نہ فخر ہے نہ خود ستائی، نہ گھوڑے کی تعریف ہے نہ تلوار کی توصیف۔ یہ چیزیں وہیں ہیں جہاں کے لئے زیبا ہیں۔

---

[1] شعر و شاعری مصنفہ حالی مطبوعہ نول کشور المطابع لکھنؤ صفحہ ۱۶۳ [2] شعر و شاعری صفحہ ۱۵۵

اشخاصِ مرثیہ

جن لوگوں کے نام مرثیوں میں اکثر آتے ہیں اُن کے نہایت مختصر حالات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں :-

حسینی جماعت

حضرت محمدؐ - خدا کے آخری رسولؐ - اسلام کے بانی - آپ کا ذکر جن لفظوں میں اکثر کیا جاتا ہے وہ یہ ہیں :-

رسول - نبی پیغمبر - پیمبر - رسولِ خدا - رسالت مآب - رسالت پناہ - خاتم الانبیا - خاتم النبیین - ختمِ رسل - ختمی مرتبت - شافعِ محشر - مصطفےٰ - احمد - احمدِ مختار - شاہِ لولاک -

حمزہ - پیغمبر اسلام کے چچا - شجاعت اور رعب داب میں مشہور زمانہ -

جعفر - فن جنگ کے ماہر - بہادر سپاہی - رسول کی فوج کے علمدار - ایک جنگ میں آپکے دونوں ہاتھ کٹ گئے تھے - اُن کے عوض میں خدا نے جواہر کے پر عطا کئے جن سے آپ اُڑتے ہیں - اور اسی وجہ سے 'جعفرِ طیار' کہلاتے ہیں - (طیار کے معنی ہیں بڑا اُڑنے والا)

علی - رسولؐ کے چچازاد بھائی - داماد اور جانشین - ائمۂ اثنا عشر میں پہلے امام - رسول کی فوج کے علمدار - فنِ جنگ کے زبردست ماہر - نہایت شجاع - بہت سخی - آپ کا ذکر اکثر ذیل کے لفظوں میں کیا جاتا ہے :-

امیر المومنین - جنابِ امیر - اسد اللہ - شیرِ خدا - شیرِ الٰہی - ابو تراب - شاہِ مرداں - شاہِ لافتیٰ - شاہِ ذوالفقار - شہنشاہِ نجف - ید اللہ - نفسِ رسول - زوجِ بتول - ساقیِ کوثر -

مرتضیٰ - حیدر - حیدرِ کرار - مشکل کشا - فاتح خیبر -

فاطمہؑ - پیغمبر عرب کی صاحبزادی حضرت علیؑ کی زوجہ - امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی والدہ - زنانِ عالم کی سردار - آپ کو زہرا - سیّدہ - بتول - خاتونِ جنت - خاتونِ قیامت - سیّدۂ عالم - بنتِ رسول - خیرُالنسا - وغیرہ بھی کہتے ہیں -

حسنؑ - حضرت علیؑ کے بڑے صاحبزادے - ائمۂ اثنا عشری میں دوسرے امام - آپ کو شبّر - مجتبیٰ - اور حسن مجتبیٰ کے ناموں سے بھی یاد کرتے ہیں - چونکہ امام حسن زہر سے شہید کئے گئے تھے اس لئے آپ کو سیّد مسموم - امام مسموم وغیرہ بھی کہتے ہیں -

حسین - پیغمبر عربؐ کے نواسے - حضرت علیؑ کے بیٹے - ائمۂ اثنا عشری میں تیسرے امام - آپ ہی کی شہادت مرثیے کا اصل موضوع ہے - آپ کا ذکر بیشمار ناموں سے کیا جاتا ہے - ان میں سے بعض ذیل میں درج کئے جاتے ہیں :-

شاہ - شہ - شاہ کربلا - سلطان مشرقین - شہنشاہ مدینہ - شاہ دین - شاہ زمن - شاہ حجاز - سردار دوعالم - سرور کونین - شہید کربلا - مظلوم کربلا - غریب نینوا - سبط رسول - فرزند نبی - ابن علی - ابن فاطمہ - شبیر - سرور - حضرت - سید الشہدا - سید ذی جاہ - خامس آل عبا - [illegible]

عباس - امام حسین کے مختلف البطن چھوٹے بھائی - حسینی لشکر کے علمدار - فنون جنگ کے زبردست ماہر - نہایت دلیر - غصہ ور - بڑے قد آور اور بارعب جوان - وفا شعاری کا مجسمہ - بتیس سال کی عمر - کربلا میں امام حسین کے بچوں کو پیاس سے بیقرار دیکھ کر آپ نے ایک مشک اٹھالی اور پانی لینے کے لئے فرات کی طرف چلے - لڑتے لڑتے دریا تک پہنچ گئے - گھاٹ پر جن سپاہیوں کا پہرا تھا ان کو ہٹا کر گھوڑا دریا میں ڈال دیا اور مشک بھرلی - خود بھی دو دن کے پیاسے تھے چلّو میں پانی لے کر پینا چاہا لیکن یہ خیال کر کے کہ امام حسین اور انکے بچوں کو سیراب کرنے سے پہلے اپنی پیاس بجھا لینا وفاداری سے بعید ہے' پانی پھینک دیا - دریا سے پیاسے نکل آئے - راستے میں دشمنوں نے گھیر لیا - آپ بڑی دلیری سے لڑتے رہے - یہاں تک

آپ کے دونوں بازو کٹ گئے اور ایک گرز کی سخت ضرب سے آپ شہید ہو گئے۔

مسلم ابن عقیل ۔ امام حسینؑ کے چچازاد بھائی۔ انکو امام حسین نے اپنی روانگی سے پہلے صورت حال دریافت کرنے کے لئے کوفہ بھیجا تھا۔ وہاں ابن زیاد کے حکم سے بڑی بے رحمی سے شہید کئے گئے اور ان کے دو بیٹے قید کر دیے گئے۔ کچھ دن بعد زنداں بان نے ان کا نسب معلوم کر کے ان پر رحم کھا کر چھوڑ دیا۔ آخر حارث نے دونوں کو شہید کر دیا۔

عابد ۔ امام حسین کے صاحبزادے جو کہ کربلا میں بیمار ہو گئے تھے اور مرض کی شدت کی وجہ سے جنگ میں شریک نہ ہو سکے۔ آپ کا اصل نام 'علی' تھا اور سجاد، عابد، زین العابدین ان کے لقب تھے۔ مرثیوں میں انکو بیمارِ کربلا۔ اور سید سجاد کے نام سے بھی یاد کیا ہے۔

اکبر یا علی اکبر ۔ امام حسین کے نوجوان فرزند۔ اٹھارہ سال کا سن۔ آپ کی مادرِ گرامی کا نام اُم لیلےٰ تھا لیکن مرثیوں میں اکثر آپ کو حضرت شہر بانو کا بیٹا قرار دیا ہے۔ حضرت علی اکبر کو اُن کی پھوپھی حضرت زینب نے پالا تھا اور اُن کو اپنی اولاد سے زیادہ عزیز رکھتی تھیں۔ وہ صورت میں جنابِ رسول خدا سے بہت مشابہ تھے۔ اسی لئے انکو شبیہ رسولؐ ہمشکل نبیؐ ہمصورت پیغمبرؐ وغیرہ بھی کہتے ہیں۔ کربلا کی جنگ میں آپ نے خوب داد شجاعت دی۔ آخر حصین ابن نمیر کی برچھی سینے کے پار ہو گئی اور آپ شہید ہو گئے۔

اصغر یا علی اصغر ۔ امام حسین کے چھوٹے صاحبزادے جنکا سن صرف چھ مہینے کا تھا۔ کربلا میں ایک دشمن کے تیر سے شہید ہوئے۔

قاسم ۔ امام حسن کے بڑے صاحبزادے۔ امام حسین کے بھتیجے۔ تیرہ برس کا سن۔ ایک روایت ہے کہ امام حسن کی وصیت پوری کرنے کی غرض سے حضرت قاسم کا عقد امام حسین کی صاحبزادی فاطمہ کبریٰ کے ساتھ کربلا میں شہادت سے ایک دن پہلے کر دیا گیا تھا۔ حال کے محقق اس روایت کو مستند نہیں سمجھتے۔ کربلا کی جنگ میں حضرت قاسم کا خاص کارنامہ یہ تھا کہ آپ نے شام کے ایک نامی پہلوان ازرق اور اُسکے چار بیٹوں کو قتل کیا۔ آخر شہید ہو گئے

اور لاش گھوڑوں سے اس طرح پامال کی گئی کہ جسم مبارک ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

عبد اللہ۔ امام حسن کے چھوٹے صاحبزادے جو بعہت کم سنی کی حالت میں کربلا میں شہید ہوئے۔

عون و محمد۔ حضرت زینب کے صاحبزادے۔ حضرت جعفر طیار کے پوتے حضرت علی کے نواسے۔ نو دس برس کے سن مگر نہایت شجاع۔ بعض لوگوں نے اُنکے نام عون و جعفر بتائے ہیں۔ مرثیوں میں ان دونوں بھائیوں کی جنگ ساتھ لکھی جاتی ہے۔ اور یہ بات اکثر بیان کی جاتی ہے کہ چونکہ اُن کے دادا جعفر طیار اور نانا حضرت علی دونوں لشکر رسولؐ کے علمدار تھے اس لئے کربلا کی جنگ میں وہ خود کو حسینی فوج کی علمداری کا وراثتاً مستحق سمجھتے تھے۔ اور علم نہ ملنے سے رنجیدہ تھے۔ مگر اپنی مادر گرامی کے سمجھانے سے راضی ہو گئے۔

زینب۔ امام حسینؑ کی بہن۔ اپنے بھائی سے انتہا کی محبت رکھتی تھیں۔ اور اپنے بھیتجے علی اکبر کو اپنے بیٹوں سے زیادہ چاہتی تھیں۔ خاندانی فصاحت اور آبائی شجاعت ورثے میں پائی تھی۔ جب امام حسینؑ کی شہادت کے بعد دشمن ان کے خاندان کو قید کر کے کربلا سے کوفے، اور کوفے سے دمشق لے گئے تو آپ نے راستے میں اور یزید کے دربار میں بڑی دلیری سے تقریریں کیں اور اپنی مصیبتیں ایسے پُر اثر اشعار میں بیان کیں کہ پتھر کا دل پانی ہو جائے۔ مرثیوں میں آپ کا ذکر اکثر ان لفظوں سے کیا جاتا ہے۔ بنت علی۔ بنت فاطمہ۔ خواہر امام۔ شاہ کی ہمشیر۔

کلثوم یا اُم کلثوم۔ امام حسینؑ کی چھوٹی بہن۔

کبریٰ یا فاطمہ کبریٰ۔ امام حسینؑ کی بڑی صاحبزادی جن کا عقد بقول بعض کربلا میں قاسم ابن حسنؑ کے ساتھ امام حسینؑ کی شہادت سے ایک دن پہلے ہوا۔

صغریٰ یا فاطمہ صغریٰ۔ امام حسین کی صاحبزادی۔ جو بقول بعض بیماری کی وجہ سے وطن میں رہ گئی تھیں۔

سکینہ۔ امام حسین کی چھوٹی صاحبزادی تین چار برس کا سن۔ بقول بعض زندان شام میں

انتقال کیا۔ آپ کی والدۂ محترمہ کا نام رباب تھا۔

اُمِّ سلمہ پیغمبرِ اسلام کی زوجہ جو واقعہ کربلا کے وقت زندہ اور مدینہ میں مقیم تھیں۔

اُمُّ البنین۔ حضرت عباس کی والدہ جن کی نگرانی میں امام حسین کی بیٹی فاطمہ صغرٰی مدینہ میں مقیم تھیں۔

لیلی یا اُمِّ لیلی۔ امام حسین کی زوجہ حضرت علی اکبر کی والدہ۔

بانو یا شہر بانو۔ یزدجرد سوم بادشاہ ایران کی صاحبزادی۔ امام حسین کی زوجہ۔ علی اصغر کی والدہ۔ مرثیوں میں اکثر انھیں کو حضرت علی اکبر کی والدہ بھی قرار دیا ہے۔

حبیب ابن مظاہر۔ امام حسین کے ساتھ کے کھیلے ہوئے بچپن کے دوست۔ مرثیوں میں ان کو بالعموم بہت بوڑھا دکھایا ہے۔

حُر۔ لشکر یزید کے ایک دستے کا سردار جو روز عاشورہ اپنے بھائی بیٹے اور غلام کے ساتھ امام حسین کی طرف آگیا۔ اور سب سے پہلے لشکر یزید سے مقابل ہو کر شہید ہوا۔

یزیدی گروہ

یزید ابن معاویہ۔ عرب کا فاسق و فاجر بادشاہ جو اسلام کا مدعی ہو کر احکام اسلام کی صریح مخالفت کرتا تھا۔ اسی کے ایما سے امام حسین کی شہادت واقع ہوئی۔

عبید اللہ ابن زیاد۔ یزید کی طرف سے کوفے کا گورنر تھا۔ اسی کے حکم سے امام حسین طلب کئے گئے۔

عمر ابن سعد۔ اس یزیدی لشکر کا سپہ سالار جو کربلا میں امام حسین کے قتل کے لئے جمع ہوا تھا۔

شمر ذی الجوشن۔ یزیدی فوج کا ایک سردار۔ نہایت ظالم۔ بے رحم۔ حریص۔ دین فراموش۔ اسی نے امام حسین کو اپنے ہاتھ سے شہید کیا۔

حصین ابن نمیر۔ یزیدی فوج کا ایک سردار۔ اس کی برچھی نے امام حسین کے

نوجوان بیٹے علی اکبر کا کام تمام کیا۔

حرملہ بن کاہل اسدی ۔ یزیدی لشکر کا ایک مشاق تیر انداز۔ امام حسین کا ششماہہ بچہ علی اصغر اسی کے تیر سے ہلاک ہوا۔

خولی ۔ یزیدی لشکر کا ایک سپاہی۔ امام حسین کی شہادت کے بعد جب یزیدی لشکر آپ کی عورتوں کو قید کر کے یزید کے دربار کو لے چلا تو امام حسین کا سر مبارک اسی کے نیزے پر بلند تھا۔

ازرق ۔ ملک شام کا ایک نامی پہلوان جو حضرت قاسم سے لڑا اور مارا گیا۔ اسکے چاروں بیٹے بھی جنگ آزما جوان تھے۔ وہ سب ازرق سے پہلے حضرت قاسم ہی کے ہاتھ سے قتل ہو چکے تھے۔

ہند یا ہندہ ۔ یزید کی بیوی۔ اس کو رسولؐ کے خاندان سے بڑی عقیدت تھی جب اسے معلوم ہوا کہ امام حسین شہید ہو گئے اور اُن کے اہل حرم زندان شام میں مقید ہیں۔ تو اُس نے یزید سے سفارش کر کے اُن کو رہا کروا دیا۔

حارث ۔ کوفہ کا باشندہ حضرت مسلم کے دونوں بیٹوں کا قاتل۔

شیریں ۔ امام حسین کی آزاد کی ہوئی کنیز۔ امام حسین کی شہادت کے بعد جب حسینی قافلہ کوفہ کو جا رہا تھا تو شیریں کا مکان راستے میں پڑا تھا۔ اہل حرم کی اُس سے ملاقات مرثیوں میں نہایت پُر اثر انداز میں دکھائی گئی ہے۔

جمّال ۔ یزیدی لشکر کا ایک بے حمیت بندۂ حرص۔ جس نے بعد شہادت امام حسین کا پٹکا اور انگوٹھی لینے کے لئے آپ کا ہاتھ اور اُنگلی کاٹ ڈالی۔

نوٹ :۔ عبد اللہ ابن زیاد۔ عمر ابن سعد اور حصین ابن نمیر کو زیادہ تر صرف ابن زیاد۔ ابن سعد اور ابن نمیر کہتے ہیں۔

میر انیسؒ کے حالاتِ زندگی

میر ببر علی انیس فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ پیدائش کا صحیح سن تو معلوم نہیں البتہ بعض قرینوں سے پتا چلتا ہے کہ انکی ولادت سنہ ۱۲۱۶ھ اور سنہ ۱۲۲۰ھ کے درمیان واقع ہوئی۔

اُن کے بزرگوں میں شاعری کئی پشتوں سے چلی آتی تھی۔ اُن کے پردادا میر غلام حسین ضاحک فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے طبیعت فطرتاً ہزل اور ظرافت کی طرف مائل تھی۔ ہر وقت ہنسنے ہنسانے سے کام تھا۔ اسی مناسبت سے ضاحک تخلص اختیار کیا تھا۔ سلطنت دہلی کی تباہی کے بعد میر ضاحک دہلی کو چھوڑ کر فیض آباد چلے گئے۔

میر انیس کے دادا میر غلام حسن حسن بڑے کامل شاعر تھے۔ انکی مثنوی 'سحر البیان' ایک ایسا کارنامہ ہے جس پر اُردو شاعری کو ہمیشہ فخر رہیگا۔ میر حسن دہلی میں پیدا ہوئے اور جوانی میں اپنے والد کے ساتھ فیض آباد گئے۔ جب نواب آصف الدولہ نے فیض آباد کی جگہ لکھنؤ کو اپنا دار الحکومت قرار دیا تو میر حسن بھی لکھنؤ چلے آئے اور آخر عمر تک یہیں رہے۔ انکا انتقال محرم سنہ ۱۲۰۱ھ میں ہوا۔

میر انیس کے والد میر مستحسن خلیق بھی باکمال شاعر تھے۔ ان کا مولد و مسکن فیض آباد تھا مگر آخر عمر میں لکھنؤ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ذوق سخن اور ملکۂ شاعری ورثے میں ملا تھا۔ سولہ برس کی عمر سے شعر کہنے لگے۔ میر حسن نے ان کے کلام کی اصلاح شیخ مصحفی سے متعلق کر دی تھی۔ مصحفی غزل کے اُستاد تھے۔ شاگرد کو بھی اسی راہ پر لگایا۔ چنانچہ میر خلیق نے غزلوں کا ایک پورا دیوان کہہ ڈالا۔ مگر صرف غزل گوئی سے اُن کا ذوق شعر پورا نہ ہوا تو مرثیہ گوئی کی طرف توجہ کی اور آخر عمر تک اسی شغل میں مصروف رہے۔ خلیق غزل گوئی کے میدان میں کچھ زیادہ نہ چمکے۔ مگر مرثیہ گوئی نے ان کا نام خوب روشن کیا۔

میر خلیق کے ہمعصروں میں تین مشہور مرثیہ گو اور بھی تھے یعنی میر ضمیر۔ میاں دلگیر اور مرزا فصیح۔ مگر میر خلیق کا پایہ مرثیہ گوئی میں کسی سے نیچا نہ تھا اور مرثیہ خوانی میں سب سے اونچا تھا۔ یہ جب مرثیہ پڑھتے تھے تو چشم و ابرو کے اشاروں سے اعضا کی مناسب حرکتوں سے۔ اور آواز کے اُتار چڑھاؤ سے مضامین کی تصویر کھینچ دیتے تھے۔ میر خلیق نے ۱۲۶۰ھ میں انتقال کیا۔

میر خلیق کے تین بیٹے تھے۔ میر ببر علی انیس۔ میر مہر علی اُنس اور میر نواب مونس۔ یہ تینوں شاعر تھے اور مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی کا ذوق جو باپ دادا سے ورثتاً پہنچا تھا اسکو تینوں نے اپنی اپنی استعداد کے موافق اور بھی ترقی دی۔ میر انیس جس طرح سن میں سب سے بڑے تھے اُسی طرح ان دونوں فنوں میں بھی اپنے بھائیوں سے کہیں بڑھ کر تھے۔ اُنھوں نے مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی دونوں کو ترقی کے انتہائی نقطے تک پہنچا دیا کہ اب اسکے آگے بڑھنا غیر ممکن معلوم ہوتا ہے۔

دنیا کے اکثر باکمالوں کی طرح میر انیس کے بچپن کے حالات معلوم نہیں۔ اُن کی تعلیم و تربیت کے بارے میں بھی صرف اتنا معلوم ہے کہ اُنھوں نے میر نجف علی فیض آبادی اور مولوی حیدر علی لکھنوی سے بھی تعلیم پائی تھی۔ یہ دونوں زبردست فاضل تھے۔ میر نجف علی کی تصنیف سے ایک مختصر سا رسالہ 'مخارج الحروف' کے بیان میں میرے کتب خانے میں موجود ہے۔ اور مولوی حیدعلی صاحب کی ایک تصنیف 'منتہی الکلام' نہایت مشہور ہے۔ میر انیس کی والدہ بھی ایک تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔ فارسی زبان اور مسائل مذہب سے کافی واقفیت رکھتی تھیں۔ یقیناً میر انیس نے ابتدائی تعلیم انھیں معظمہ سے حاصل کی ہوگی۔

شاعری میں بھی میر انیس کے کسی اُستاد کا پتا نہیں چلتا۔ مگر قیاس کہتا ہے کہ اس فن کے وہ شعبے جو اکتساب سے تعلق رکھتے ہیں اُنھوں نے اپنے والد میر خلیق سے سیکھے ہونگے۔ میر انیس نے اپنے کلام میں جابجا میر خلیق کے فیض تعلیم اور اُن کے اتباع کا ذکر کیا ہے۔

میر انیس کی تعلیم و تربیت کی طرح ان کی علمی قابلیت کا حال بھی کسی نے تفصیل سے نہیں لکھا۔ مگر مختلف لوگوں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عربی اور فارسی زبان بخوبی جانتے تھے۔

اور جن علموں کا اُس زمانے میں چرچا تھا اُن سے بھی کافی واقفیت رکھتے تھے۔ میر انیس کے کلام کا غور سے مطالعہ کرنے سے ان کی علمی قابلیت کے بارے میں مندرجۂ ذیل نتائج نکلتے ہیں۔ (الف) وہ عربی زبان بخوبی جانتے تھے۔ اپنے کلام میں عربی لفظ، فقرے، محاورے اور ترکیبیں بے تکلف اور برمحل استعمال کرتے ہیں۔ عربی صرف و نحو کے مسائل کی طرف جا بجا اشارے کرتے ہیں۔ عربی اقوال و امثال وغیرہ کا ترجمہ بھی ان کے کلام میں ملتا ہے۔ (ب) قرآن و حدیث کا کافی علم رکھتے تھے۔ آیات و احادیث، اُن کے ترجمے، اُن کی طرف اشارے، تفسیر و حدیث کی کتابوں کے نام، راویوں کے حوالے۔ یہ سب چیزیں اُن کے کلام میں موجود ہیں۔ (ج) اپنے زمانے کے دوسرے علوم رسمی سے بھی واقف تھے۔ اُن کے کلام میں عروض، منطق، فلسفہ، طب، رمل وغیرہ کی اصطلاحیں بکثرت موجود ہیں بعض علوم کے مسائل کا بھی جا بجا ذکر ہے۔ (د) فارسی زبان و ادب پر بڑا عبور رکھتے تھے۔ ان کے مرثیوں کا ایک ایک مصرع انکی فارسی دانی کی شہادت دیتا ہے۔ فارسی لفظوں کا بامحل صرف۔ فارسی کی دلاویز ترکیبیں۔ فارسی مثلوں اور قولوں وغیرہ کی طرف اشارے۔ فارسی شعروں کے ترجمے اور جا بجا اُن کو تضمین کرنا۔ یہ سب چیزیں بتاتی ہیں کہ انیس کو فارسی زبان میں بڑی مہارت تھی۔ اُن کی فارسی نظم اور نثر کے بعض نمونے بھی اب تک موجود ہیں۔

دراصل
یہ

میر انیس کی کتابی معلومات بھی کافی تھی۔ مگر سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ ایک من علم سے کام لینے کے لئے دس من عقل بھی رکھتے تھے۔ کتابیں پڑھ پڑھ کر "چار پائے بر او کتابے چند" کا مصداق بن جانا اور چیز ہے اور اپنے علم کو اپنی ذات کا جزو بنا لینا، یا اُس پر کماحقہ قدرت رکھنا اور چیز ہے۔

اِس سلسلے میں ایک بات اور قابلِ ذکر ہے۔ عربیت کا غلبہ اور علمیت کا اظہار جتنا انیس کے ابتدائی مرثیوں میں ہے اُتنا آخری مرثیوں میں نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جوں جوں مشقِ سخن بڑھتی گئی وہ وہ یہ قدرت بھی بڑھتی گئی کہ باریک اور نازک خیالوں کو غریب لفظوں اور علمی اصطلاحوں سے بچ کر سادہ اور عام فہم زبان میں ادا کر دیں۔

میرانیس کا خاندانی مذہب شیعہ تھا۔ اُنکی والدہ ایک تعلیم یافتہ اور پابند مذہب خاتون تھیں اور شرعی مسائل سے بخوبی واقف تھیں۔ میرانیس کے والد بھی ایک مذہبی آدمی تھے۔ جس بچے کی تعلیم و تربیت ایسی ماں کی آغوشِ شفقت اور ایسے باپ کے ظلِ عاطفت میں ہوئی ہو اُس کو فطرتاً پابند مذہب ہونا ہی چاہیے۔ میرانیس کا کلام بخوبی سمجھنے کے لئے اُن کے مذہب کو بھی سمجھ لینا ضروری ہے۔ اِس لئے اُن کے بعض مذہبی عقیدوں کا بیان کسی قدر تفصیل سے کیا جاتا ہے۔

خدا کی خدائی اور محمدؐ کی پیغمبری کے تو سب مسلمان قائل ہیں لیکن پیغمبر کی وفات کے بعد اُن کی جانشینی کے مسئلے میں کچھ اختلاف پیدا ہو گیا جس نے مسلمانوں کو دو بڑے گروہوں میں تقسیم کر دیا جو شیعہ اور سُنّی کے ناموں سے مشہور ہیں۔ شیعوں کے خیال میں رسولؐ کے پہلے خلیفہ یا جانشین اُن کے چچازاد بھائی اور داماد حضرت علیؑ تھے۔ اُن کے بعد خلافت اُنھیں کی اولاد میں نسل بہ نسل منتقل ہوتی رہی۔ رسولؐ کے یہ جانشین جن کی تعداد شیعوں کے نزدیک بارہ ہے "امام" کہلاتے ہیں۔ اُن کا اعتقاد ہے کہ حضرت محمدؐ، اُنکی بیٹی جناب فاطمہ اور بارہ امام یہ چودہ آدمی معصوم ہیں یعنی اُن سے غلطی اور گناہ ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ بہترین اخلاق کا بہترین نمونہ ہیں۔ اُن کی محبت اور اطاعت خدا کی خوشنودی کا باعث اور ابدی نجات کا ذریعہ ہے۔ اور ان سے عداوت اور انحراف خدا کی ناراضی کا سبب اور دوامی عقوبت کا باعث ہے۔ خوش عقیدہ شیعوں کے نزدیک تمام کائنات پر اُنکی حکومت تھی۔ معجزہ یعنی خرقِ عادت ہر وقت اُن کے امکان میں تھا۔ زمان و مکان کا فاصلہ اُنکے لئے کوئی معنی نہ رکھتا تھا۔ اُن کی دعا سے مریض تندرست اور مردے زندہ ہو سکتے تھے۔ قدرت کے تمام قانون اور فطرت کی تمام قوتیں اُن کے ارادے کی تابع تھیں۔ مگر ان اختیارات پر وہ خدا کی مرضی کے خلاف ایک سانس بھی نہ لیتے تھے۔ اصولاً سب اماموں کا مرتبہ برابر ہے۔ سب یکساں احترام اور اطاعت کے قابل ہیں۔ لیکن عملاً شیعوں کے دل میں پہلے امام حضرت علیؑ کی جس قدر عظمت ہے اور تیسرے امام حضرت حسینؑ ابن علی کی جتنی محبت ہے اتنی کسی اور کی نہیں ہے۔ انھیں امام حسین کو بادشاہِ وقت یزید کی

فوج نے انتہائی شقاوت اور بے رحمی سے تین دن کی بھوک اور پیاس میں تمام عزیزوں اور رفیقوں سمیت کربلا کے میدان میں شہید کر دیا۔

یوں تو کون انسانی دل ہے جو کربلا کے خونیں واقعے سے متاثر نہ ہو اور حق کی حمایت میں دنیا کی اس سب سے بڑی قربانی کا حال سن کر انسانیت کی درگاہ میں دو آنسو نہ چڑھا دے لیکن شیعہ تاریخ عالم کے اس بے حد عظیم اور بے انتہا غمناک واقعے کی یادگار قائم کرنا۔ مجالس عزا منعقد کر کے شہدائے کربلا کے کارناموں کا ذکر اور اُن کی اشاعت کرنا جزو مذہب خیال کرتے ہیں اپنی مصیبتوں سے مضطرب ہونا اور اپنے عزیزوں کی موت پر رونا دھونا اچھا نہیں سمجھتے لیکن اپنے مظلوم امام (حسین) کی مصیبتوں پر ماتم کرنا دینی اور انسانی فرض سمجھتے ہیں۔ ان فرائض کو یوں تو وہ انفرادی حیثیت سے سال بھر برابر وقتاً فوقتاً ادا کرتے رہتے ہیں لیکن محرم کا مہینہ بالخصوص اُسکا پہلا عشرہ اس کام کے لئے وقف کر دیتے ہیں۔ ان دس دنوں میں وہ تمام کاموں کو ملتوی کر کے اجتماعی حیثیت سے واقعۂ کربلا کی یاد تازہ کرتے اور مجالس عزا قائم کر کے امام حسین کی مصیبتوں پر روتے اور ماتم کرتے ہیں۔ غریب سے غریب شیعہ بھی اپنا یہ مقدس فرض ادا کرنے کے لئے اپنی سخت سے سخت ضرورتوں کو روک کر کچھ نہ کچھ پس انداز کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ شیعوں کا عقیدہ ہے کہ ان کی خلقت کی ایک غرض یہ بھی ہے کہ وہ کربلا کے شہیدوں کی صف ماتم بچھائیں اور اس غم کو قیامت تک قائم رکھیں۔ مرثیوں کی تصنیف کی اصل غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ انھیں مقدس مجالس عزا میں پڑھے جائیں۔ اس لئے مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی کو ایک مذہبی عظمت بھی حاصل ہے۔

میر انیس کا کلام بتاتا ہے کہ وہ بھی یہ سب عقیدے رکھتے تھے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان کے مرثیوں میں جو زور، شان، اخلاقی بلندی، عظمت، شیفتگی، تقدس اور اثر ہے وہ انھیں عقائد کی بدولت ہے۔ کوئی دوسرا شاعر جو اس طرح کے عقیدے نہ رکھتا ہو وہ شاعری کے انتہائی کمال کے باوجود ایسے مرثیے کہنے پر قادر نہیں ہو سکتا۔

انسان کی سیرت جن چیزوں سے بنتی ہے ان میں اسکی تعلیم و تربیت اور اسکے مذہبی خیالات کا اثر سب سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔ انیس نے جس فضا میں تربیت پائی تھی اسکا نتیجہ یہی ہونا چاہیے تھا کہ وہ ایک نہایت متین، خوددار اور مہذب آدمی ہوں۔ ان کے کمال نے ان طبعی خصوصیات سے مل کر اُن کو نازک مزاج بھی بنا دیا تھا۔ اُنکی نازک مزاجی اُس وقت اور بڑھ جاتی تھی جب وہ مجلس عزا میں ممبر پر بیٹھے ہوئے اپنا کلام اہل مجلس کو سنا رہے ہوں۔ اُس وقت اُن پر ایک محویت کا عالم طاری ہوتا تھا اور وہ اپنے کمال کے نشے میں سرشار ہو کر اُس بلندی پر پہنچ جاتے تھے جہاں سے بے کمالی کا درجہ خواہ وہ ریاست و امارت کا لباس ہی کیوں نہ پہنے ہو بہت پست معلوم ہونے لگتا ہے۔

خودداری اور عزت نفس میر انیس کی سیرت کے بہت نمایاں خصوصیات تھے لیکن یہ باتیں حدِ اعتدال سے گزر کر خودبینی اور بدمزاجی تک نہیں پہنچ گئی تھیں۔ بلکہ ان کی طبیعت کا فطری میلان انکسار کی طرف تھا اور وہ خاکساری کو انسان کی ایک اعلیٰ صفت سمجھتے تھے۔ اُنھوں نے انکسار کی تعریف اور غرور کی مذمت نہایت مؤثر پیرائے میں کی ہے وہ قانع اور متوکل آدمی تھے کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاتے تھے اور خدا کے علاوہ کسی پر بھروسا نہ کرتے تھے۔ خدا نے انھیں جو جو نعمتیں عطا کی تھیں ان پر اُسکا شکر بجا لاتے تھے۔ حق کہنے میں ذی اختیار اور صاحبِ دولت لوگوں سے زرا بھی مرعوب نہ ہوتے تھے۔ قناعت اور استغنا کے متعلق اُنھوں نے ایسے ایسے پرزور شعر کہے ہیں کہ جن کی نظیر اُردو شاعری میں ملنا مشکل ہے۔ انیس کے زمانے کے امرا نہایت خوشامد پسند تھے اور انیس کا گزارا اُنھیں کی داد و دہش پر تھا۔ مگر وہ بھری مجلسوں میں اُنکے منہ پر اپنی قناعت اپنی خودداری وغیرہ کا ذکر نتائج کی طرف سے آنکھیں بند کر کے اس شان سے کر دیتے تھے کہ اُنکا بیان خود اُن کے دعوؤں کی دلیل ہو جاتا تھا۔

مختصر یہ کہ میر انیس کی سیرت میں وہ تمام باتیں جمع تھیں جنھوں نے اُن کو ایک کامیاب رزمی شاعر بنا دیا۔ جب تک کسی شاعر کے دل میں ولولہ اور جوش نہ ہو۔ وہ فاقے کرنے کو کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے سے بہتر نہ سمجھتا ہو۔ ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح نہ دیتا ہو اُس وقت

تک وہ رزم گوئی میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا۔

میر انیس اپنی وضع اور اپنے اوقات کے بہت پابند تھے۔ ورزش کا شوق تھا شہسواری، شمشیر زنی، بنوٹ وغیرہ میں نہایت مشاق تھے۔ ان کا قد میانہ مائل بدرازی تھا۔ ورزش کی وجہ سے جسم ٹھوس اور اعضا چست و متناسب تھے۔ چھریرا بدن۔ چوڑا سینہ صراحی دار گردن۔ خوبصورت کتابی چہرہ۔ بڑی بڑی آنکھیں اور گیہواں رنگ تھا۔ مونچھیں ذرا بڑی رکھتے تھے اور داڑھی اتنی باریک کترواتے تھے کہ دور سے منڈی ہوئی سی معلوم ہوتی تھی۔

میر صاحب نہایت وضع دار آدمی تھے۔ حباب کی شکل کی چوگوشیا ٹوپی۔ نیچا گھیر دار کرتہ۔ ڈھیلی مہری کا سفید پاجامہ۔ گھیتلا جوتا بالعموم پہنتے تھے۔ اُن کے زمانے کے معزز اور تعلیم یافتہ شرفا کا یہی لباس تھا۔ ہاتھ میں چھڑی اور رومال بھی ضرور رہتا تھا۔ وہ اپنی وضع کے اس قدر پابند تھے کہ بڑے سے بڑے نفع کے عوض میں بھی اسکو تبدیل کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ جب میر انیس حیدرآباد گئے اور انکی مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی کی شہرت ہوئی تو وہاں کے بہت بڑے رئیس سر آسماں جاہ بہادر نے بھی ان کو اپنے یہاں ایک مجلس میں پڑھوا کر سننا چاہا مگر شرط یہ لگادی کہ وہ اپنی معمولی ٹوپی کی جگہ حیدرآباد کی منصب داری پگڑی سر پر رکھ کر مرثیہ پڑھیں۔ اس ایک مجلس کے پڑھنے کے لئے پانچ ہزار یا بقول بعض دس ہزار روپیہ دینا تجویز کیا تھا لیکن انیس نے اتنی بڑی رقم کے لئے بھی اپنی وضع میں ذراسی تبدیلی پسند نہ کی۔

۱ میر انیس نہایت خوش آواز آدمی تھے۔ اور جتنے خوش آواز تھے اس سے کہیں زیادہ خوش بیان تھے۔ ان کا دفتر دفتر کلام انکی خوش بیانی کے لئے شہادت کے بے شمار محضر پیش کر رہا ہے۔ اور موافق اور مخالف کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے جو میر صاحب کی خوش بیانی کا قائل نہ ہو۔ خوش آوازی اور خوش بیانی کے علاوہ تقریر کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ مقرر کی آواز کا اُتار چڑھاؤ۔ چہرے کا تغیر۔ آنکھوں کی گردش۔ اعضا کی حرکت۔ یہ سب چیزیں موقع و محل کے مناسب ہوں۔ اس طرح تقریر کے ہر لفظ کا صحیح مفہوم سامعین کے ذہن نشین ہو جاتا ہے اور بہت کچھ جو

مرثیے

مرثیہ

۱

بخدا فارس میدان تہوّر تھا حُر (۱) ایک دو لاکھ سواروں میں بہادر تھا حُر
نارِ دوزخ سے ابوذر کی طرح حُر تھا حُر گو ہر تاج سرِ عرش ہو وہ دُر تھا حُر
ڈھونڈھ لی راہ خدا کام بھی کیا نیک ہوا
پاک طینت تھی تو انجام بھی کیا نیک ہوا

واہ رے طالعِ بیدار زہے عزت وجاہ (۲) حُر پہ کیا فضل خدا ہو گیا اللہ اللہ
پیشوائی کو گئے آپ شہ عرش پناہ خضر قسمت نے بتا دی اُسے فردوس کی راہ
مدّتوں دُور رہے جو وہ قریب ایسا ہو
بخت ایسے ہوں اگر ہو تو نصیب ایسا ہو

نار سے نور کی جانب اُسے لائی تقدیر (۳) ابھی ذرّہ تھا ابھی ہو گیا خورشید منیر
شافعِ حشر نے خوش ہو کے بحل کی تقصیر تکیۂ زانوے شبیر ملا وقت اخیر
اوج واقبال وحشم فوج خدا میں پایا
جب ہوا خاک تو گھر خاکِ شفا میں پایا

اللہ اللہ حرِ صفدر و غازی کا نصیب (۴) جانِ محبوب الٰہی جسے فرمائے حبیب
ہجر میں لطف ملاقات کا دوری میں قریب وہی کام آتے ہیں محسن کے جو ہوتے ہیں نجیب
صدقے ہو جائے اسے عشق ولی کہتے ہیں
اس کو دنیا میں سعیدِ ازلی کہتے ہیں

آیا کس شان سے کعبہ کی طرف چھوڑ کے دیر (۵) کوئی حضرت کا یگانہ بھی نہ سمجھا اُسے غیر
حق نے لکھدی تھی جو تقدیر مین فردوس کی سیر — فتنۂ و شر سے بچا ہوگیا انجام بخیر
ذکر خیر اُس کے موئے پہ بھی ہوئے جاتے ہین
عمل نیک ہر اک وقت مین کام آتے ہین

کفر کی راہ سے کارہ تھا جو وہ نیک طریق (۶) کس بشاشت سے ہوا رہبر ایمان کا رفیق
تھے تو لاکھون پہ کسی کو بھی ہوئی یہ توفیق — خلق طینت مین ہی جنکی وہی ہوتے ہین خلیق
اوج دیندار کو بے دین کو سدا پستی ہے
اصل جس تیغ کی اچھی ہے وہی کستی ہے

کیون نہ بالیدہ ہوا اُسکا حسین جاہ و جلال (۷) جس کو سرسبز کرے خود اسد اللہ کا لال
ہوگیا فاطمہ کے باغ مین آتے ہی نہال — وہ ثمر پائے کہ پہونچے نہ جہان دستِ خیال
کھل گیا غنچۂ دل عذر جو منظور ہوئے
صورتِ برگِ خزان دیدہ گنہ دُور ہوئے

حُر کہان اور کہان احمدِ مرسل کا خلف (۸) بخت نے دیر سے پہونچا دیا کعبہ کی طرف
دل صفا ہوگیا سینے مین تو پائے یہ شرف — جب کہ آنکھین ہوئین حق بین تو ملا دُرِ نجف
نیک جو امر ہین دل پر وہی ٹھن جاتے ہین
جب خدا چاہے تو بگڑے ہوئے بن جاتے ہین

وصفِ حُر مین ہے زبان معترفِ عجز و قصور (۹) آمد آمد کی بہادر کی کا سنو اب مذکور
جب ہوئی مستعدِ جنگ سپاہِ مقہور — مہرِ افلاک امامت نے کیا رن مین ظہور
غل ہوا جنگ کو اللہ کے پیارے نکلے
اے فلک دیکھ زمین پر بھی ستارے نکلے

کیا کہوں شان جوانانِ جنودِ اللہ (۱۰) کوئی ہم طلعتِ خورشید کوئی غیرتِ ماہ
باندھی شیروں نے صفِ جنگ میانِ جنگاہ چمنِ خلد سے کرنے لگیں حوریں بھی نگاہ
واں لعینوں نے درِ ظلم و ستم کھول دیا
بڑھ کے عباسؑ نے یاں سبز علم کھول دیا

ہو گئے سرخ شجاعت سے رخِ آلِ نبیؐ (۱۱) آئی ٹھنڈی جو ہوا بھول گئے تشنہ لبی
رن میں کڑکا ہوا، بجنے لگے باجے عربی یکّہ تازوں نے کیا شورِ مبارز طلبی
اک گھٹا چھا گئی ڈھالوں سے سیہ کاروں کی
برق ہر صف میں چمکنے لگی تلواروں کی

برچھیاں تول کے ہر غول سے خونخوار بڑھے (۱۲) نیزے ہاتھوں میں سنبھالے ہوئے اسوار بڑھے
تیر جوڑے ہوئے چلّوں میں کماندار بڑھے بولے شہ یاں سے ابھی کوئی نہ زنہار بڑھے
اسدِ حق کے گھرانے کا یہ دستور نہیں
میں نبیؐ زادہ ہوں سبقت مجھے منظور نہیں

یہ سخن کہہ کے مخاطب ہوئے اعدا سے امامؑ (۱۳) اے سپاہِ عرب و روم و ری و کوفہ و شام
تم پہ کرتا ہے حسینؑ آخری حجّت کو تمام پسرِ مصحفِ ناطق ہوں سنو میرا کلام
سخنِ حق کی طرف کانوں کو مصروف کرو
شور باجوں کا مناسب ہو تو موقوف کرو

یہ صدا سنتے ہی خود رک گیا قرنا کا خروش (۱۴) تھم گیا طبل دغا کی بھی وہ آواز کا جوش
ہو گیا جوڑ کے ہاتھوں کو جلاجل خاموش کیا بجاتے، کہ بجا تھے نہ کسی شخص کے ہوش
چھیڑنا اُن کو سرودوں کا بھی ناساز ہوا
رعبِ فرزندِ علیؑ سرمۂ آواز ہوا

کم ہوا غلغلۂ فوج ستم جب اک بار (۱۵) یون گہربار ہوے شہ کے لب گوہر بار
صف کشی کس پہ ہے یہ اے سپہ ناہنجار قتل سادات کی لشکر مین یہ کیسی ہے پکار
وطن آوارون پہ یہ قرق ہے کیون پانی کا
کیا زمانے مین یہی طور ہے مہمانی کا

مجھ کو لڑنا نہین منظور یہ کیا کرتے ہو (۱۶) تیر جوڑے ہین جو مجھ پر تو خطا کرتے ہو
کیون نبی زادے پہ غربت مین جفا کرتے ہو دیکھو اچھا نہین یہ ظلم بُرا کرتے ہو
شمع ایمان ہون اگر سر مرا کٹ جائے گا
یہ مرقع ابھی اک دم مین اُلٹ جائے گا

مین ہون سردار شباب چمن خلد برین (۱۷) مین ہون خالق کی قسم دوش محمد کا مکین
مین ہون انگشتر پیغمبر خاتم کا نگین مجھ سے روشن ہے فلک مجھ سے منور ہے زمین
ابھی نظرون سے نہان نور جو میرا ہو جائے
محفل عالم امکان مین اندھیرا ہو جائے

قلزم عز و شرف کا دُر شہوار ہون مین (۱۸) سب جہان زیر نگین ہے وہ جہاندار ہون مین
آج گو مصلحتاً بیکس و ناچار ہون مین ورثۂ احمد مختار کا مختار ہون مین
بخدا دولت ایمان اسی دربار مین ہے
سب بزرگون کا تبرک مری سرکار مین ہے

یہ قبا کس کی ہے بتلاؤ یہ کس کی دستار (۱۹) یہ زرہ کس کی ہے پہنے ہون جو مین سینہ فگار
بر مین کس کا ہے یہ چار آئینۂ جوہردار کس کا رہوار ہے یہ آج مین جس پر ہون سوار
کس کا یہ خود ہے یہ تیغ دو سر کس کی ہے
کس جری کی یہ کمان ہے یہ سپر کس کی ہے

تنگ آ ئیگا تو رُکنے کا نہین پسرِ شبیر (۲۰) ایک حملہ مین فنا ہونگے یہ دو لاکھ شریر
چل سکین گے نہ تبر مجھپہ نہ تلوار نہ تیر کاٹ جائیگی گلے سب کے یہ بُران شمشیر
شیر ہون لختِ دلِ غالب ہر غالب ہون
مین جگر بند علیؑ ابن ابی طالب ہون

مجھکو ہوتا نہ اگر بخششِ اُمّت کا خیال (۲۱) روک لیتا مجھے رستے مین یہ تھی حُر کی مجال
تھام سکتا تھا لجامِ فرسِ برق مثال پوچھ لو دیکھا ہے اُس نے میرے شیرون کا جلال
گفتگو مین سپر اُس کی جو نہ ہم ہو جاتے
ہاتھ اک وار مین پہونچون سے قلم ہو جاتے

غیظ سے ہونٹھ چباتے تھے علیؑ کے دلدار (۲۲) نیچے تولتے تھے عونؑ و محمد ہر بار
اُنگلی پڑتی تھی جگر بند حسنؑ کی تلوار مین نے جب سر کی قسم دی تو رُکے وہ جرّار
چلتی تلوار تو جنگل تہ و بالا ہوتا
پھر نہ حر خلق مین ہوتا نہ رسالا ہوتا

تھا یہ بپھرا ہوا عبّاس فرا شیر جوان (۲۳) سینۂ حُر پہ رکھے دیتا تھا نیزے کی سنان
مین یہ کرتا تھا اشارہ کہ نہ اے بھائی جان رحم لازم ہے ہمین ہم ہین امامِ دوجہان
کچھ تردد نہین سر تن سے اُتارا جائے
کوئی بندہ نہ مرے ہاتھ سے مارا جائے

گرچہ یہ امر نہین اہل سخا کے شایان (۲۴) کہ کسی شخص کو کچھ دے کے کرے سب پہ عیان
پوچھ لو حُر تو ہے موجود عیان راچہ بیان اِسی جنگل مین مع فوج تھا یہ تشنہ وہان
شور تھا آج چلین جسم سے جانین سب کی
مُنھ کے باہر نکل آئی تھین زبانین سب کی

زیست ہر شے کی ہے پانی سے شجر ہو کہ بشر (۲۵) مجھ سے دیکھا نہ گیا میں تو سخی کا ہوں پسر
میں نے عباسؑ دلاور سے کہا گھبرا کر مشکوں والے ہیں کہاں اونٹ ہیں پانی کے کدھر
کرم ساقیِ کوثر کو دکھا دو بھائی
جتنا پانی ہے وہ پیاسوں کو پلا دو بھائی

رہ نہ جائے کوئی گھوڑا کوئی ناقہ بے آب (۲۶) چھاگلیں جلد منگا دو مرا دل ہے بیتاب
سقے مشکیزوں کے منہ کھول کے آپہونچے شتاب متوجہ ہوا میں خود کہ وہ تھا کار ثواب
چین آیا نہ مجھے بے انھیں آرام دیئے
تھا جو اک جام کا پیاسا اُسے دو جام دیئے

تھی یہی فصل یہی دھوپ یہی گرم ہوا (۲۷) ٹھنڈے پانی پہ گرے پڑتے تھے حُر کے رفقا
تشنہ کاموں کا یہ مجمع تھا کہ ملتی نہ تھی جا سقے بھر بھر کے کٹوروں کو یہ دیتے تھے صدا
بھائیو آؤ جو پانی کی طلبگاری ہے
چشمۂ فیض حسینؑ ابن علیؑ جاری ہے

آب شیریں کا جو دریا ہوا جنگل میں رواں (۲۸) فرس و اشتر و قاطر نہ رہے تشنہ دہان
شکر کرنے لگی تر ہو کے ہر اک خشک زبان پانی پی پی کے دعائیں مجھے دیتے تھے جوان
شور تھا ابن ید اللہ نے جان بخشی کی
دین و دنیا کے شہنشاہ نے جان بخشی کی

ایک دن وہ تھا اور اک دن یہ ہے اللہ اللہ (۲۹) کہ اسی طرح ہیں پیاس میں پانی کی ہے چاہ
چشم امید ہو کیا سب نے پھرائی ہے نگاہ کوئی اک جام بھی بھر کر نہیں دیتا نہیں آہ
ہر مسلمان پہ نبی زادے کا حق ہوتا ہے
بچّے روتے ہیں تو سینہ مرا شق ہوتا ہے

کئی معصوم ہین کم سن کہ موے جاتے ہین (۳۰) دم اُکھڑتا ہے مرا جب اُنھین غش آتے ہین
پانی پانی جو وہ کہتے ہین تو شرماتے ہین پاس دریا ہی پہ اک بوند نہین پاتے ہین
سچ ہے غربت کی عجب شام و سحر ہوتی ہی
تیسرا دن ہے کہ فاقون مین بسر ہوتی ہی

شہ کی مظلومی پہ گریان ہوئی ظالم کی سپاہ (۳۱) عمر سعد نے کی مڑکے رخ حر پہ نگاہ
بولا وہ اشہد باللہ بجا کہتے ہین شاہ محسن و منعم و آقا ہے مرا یہ ذی جاہ
ان کے احسان کا کیونکر کوئی منکر ہو جائے
سخن حق مین جو شک لائے وہ کافر ہو جائے

ایک مین کیا ہون زمانے پہ ہے احسان اُنکا (۳۲) ابر رحمت ہین خطا پوش ہے دامان اُنکا
خشک و تر پر ہے کرم خلق مین یکسان اُنکا اے خوشا حال جو غربت مین ہو مہمان اُنکا
جنتی ہے جسے حاصل یہ شرف ہوئے گا
جو ادھر ہوگا خدا اُسکی طرف ہوئے گا

ان سے قطرہ کوئی مانگے تو گہر دیتے ہین (۳۳) ہین سخی ابن سخی بات پہ سر دیتے ہین
پیٹ سائل کا یہ فاقون مین بھی بھر دیتے ہین یان تو زر دیتے ہین فردوس مین گھر دیتے ہین
آس مجرم کی گنہگار کی اُمید ہین یہ
ذرہ پرور جنھین کہتے ہین وہ خورشید ہین یہ

یہ ابھی ہاتھ اُٹھا کر جو دعا فرمائین (۳۴) جتنے عالم کے گنہگار ہین بخشے جائین
حق سے جس شی کے طلبگار ہون فوراً پائین جام کوثر ہین فردوس سے حورین لائین
مثل خورشید ہی روشن وہ شرف اُنکا ہے
یہ وہ بندے ہین کہ اللہ بہ حق جن کا ہے

حُر سے گھبرا کے یہ بولا عُمَرِ سعدِ شریر (۳۵) یہ تو ہے صاف طرفداری شہ کی تقریر
اپنے حاکم کا نہ کچھ ذکر نہ تعریف امیر — اللہ اللہ یہ اوصاف یہ مدحِ شبیرؑ
سُن چکا ہوں میں کہ مضطر ہو کئی راتوں سے
الفت شاہ ٹپکتی ہے تری باتوں سے

نہ وہ آنکھیں نہ وہ چتون نہ وہ تیور نہ مزاج (۳۶) سیدھی باتوں میں بگڑنا یہ نیا طور ہے آج
تخت بخشا ہی محمدؐ کے نواسے نے کہ تاج — جن کو سمجھا ہے غنی دل میں وہ خود ہیں محتاج
کون سا باغ تجھے شاہ نے دکھلایا ہے
کہیں کوثر کے تو چھینٹوں میں نہیں آیا ہے

کیا کسی حور کا دکھلا دیا حضرت نے جمال (۳۷) مل گیا سایۂ طوبےٰ کہ جو ایسا ہے نہال
قصرِ یاقوت میں پہونچا جو ترا رنگ ہے لال — کون سے میوۂ شیریں پہ ٹپکتی ہے رال
دفعتًا حق نمک کو بھی فراموش کیا
کیا تجھے بادۂ تسنیم نے بیہوش کیا

میں جہاں دیدہ ہوں سب مجھکو خبر ہی تیری (۳۸) قرۃ العین محمدؐ پہ نظر ہے تیری
ہونٹھ بھی خشک ہیں اور چشم بھی تر ہی تیری — جسم خالی ہے ادھر جان ادھر ہے تیری
خاکی
راہ میں کچھ جو سلوک اور نوازش کی ہے
تو نے فرزند ید اللہ سے سازش کی ہے

خیر مخفی نہ رہے گا یہ قصور اور فتور (۳۹) لکھیں گے عہدۂ اخبار پہ جو ہیں مامور
حاکمِ شام ہے جابر وہ سزا دے گا ضرور — گر تجھے دار پہ کھینچے تو کچھ اُس سے نہیں دور
سب تری قوم کے سر تن سے جدا ہوئیں گے
زن و فرزند گرفتار بلا ہوئیں گے

نفع اُس امر میں کیا جسمیں ہو مردم کا ضرر (۴۰) آنکھیں نکلیں گی محبت سے جو دیکھے گا اُدھر
شجرِ قامتِ سرور پہ جو ڈالے گا نظر سر چڑھے گا ترا برچھی پہ یہ ہے اسکا ثمر
الفتِ زلف سے بھی پیچ میں تو آئے گا
خالِ رخ دیکھا تو گھر خالصے لگ جائیگا

بدرِ پیشانیِ سرور کا جو ہے سر میں خیال (۴۱) تو اسی ماہ میں نقصان ترا ہو دیگا کمال
سب میں ہو جائے گا انگشت نما شکلِ ہلال تیر و شمشیر ہے ابرو کی محبت کا مآل
عشقِ رخسار میں رتبہ ترا گھٹ جائے گا
منھ پہ کہتا ہوں کہ چہرہ ابھی کٹ جائے گا

خوف کس بات کا پیاسوں سے یہ تھرانا کیا (۴۲) لب پہ ہر مرتبہ بیکس کی ثنا لانا کیا
ننگ کی بات ہے دشمن کی طرف جانا کیا ہو نبی یا کہ وصی جنگ میں شرمانا کیا
ابھی لے جائیں جو شبیر کا سر ہاتھ لگے
خلد ہم اس کو سمجھتے ہیں کہ زر ہاتھ لگے

حُر پکارا کہ زبان بند کر او نا ہموار (۴۳) قابلِ لعن ہے تو اور وہ تیرا سردار
ابن زہراؑ ہے جگر بند رسولؐ مختار میرا کیا منھ جو کروں مدح امامِ ابرار
اک زمانہ صفتِ آلِ عبا کرتا ہے
آپ قرآں میں خدا اُن کی ثنا کرتا ہے

وصف ایسوں کا زباں پر کوئی کیونکر لائے (۴۴) تین سو آئے ہوں تعریف میں جن کی آئے
کسی انسان نے یہ دنیا میں ہیں رتبے پائے اپنا محبوب و ولی جس کو خدا فرمائے
الفتِ آل میں مرئیے تو خوش اقبالی ہے
سنگ ہے اُن کی محبت سے جو دل خالی ہے

اسفلون سے ہی محبت تجھے او سفلہ مزاج (۴۵) خاک پا اُس کی ہون مین ہی جو سر عرش کا تاج
جس کو کاندھے پہ محمدؐ کے ملی ہے معراج — میرے آقا سا سخی کون ہے کونین مین آج
کیون ترے سامنے مکرون کہ نہین بخشا ہی
ہان مجھے شاہ نے فردوس برین بخشا ہی

باغ جو مجھکو دکھایا اُسے کیا جانے تو (۴۶) راحتِ روح ہی جس باغ کے ہر پھول کی بو
مجھ کو اللہ نے بخشی ہین وہ حورین خوشرو — کہ جنھین تیرے فرشتون نے نہ دیکھا ہو کبھو
نام کوثر کا نہ لے تو مجھے جوش آتا ہے
اُنھیں چھینٹون سے تو بیہوش کو ہوش آتا ہے

عزتِ دین شرف کون و مکان ہے شبیرؑ (۴۷) جان زہراؑ ہے محمدؐ کی زبان ہے شبیرؑ
سنگ پانی ہو وہ اعجاز بیان ہے شبیرؑ — جان کیون ہو نہ اُدھر جانِ جہان ہے شبیرؑ
مہربان ہون تو ابھی عقدہ کشائی ہوئے
وہ نہ بخشین تو خدا تک نہ رسائی ہوئے ٦

کیا مین اور کیا وہ ریاست مری کیا میری عیال (۴۸) جب کہ آفت مین پھنسے احمدِ مختار کی آل
وان کی املاک و زراعت کا ہو کیا مجھکو خیال — یان ہوئی جاتی ہو سادات کی کھیتی پامال
گھر کا اب دھیان نہ بچون کا الم ہے مجھکو
خانہ بربادی شبیرؑ کا غم ہے مجھکو

دولتِ حاکمِ دون پر ہے ترا دار و مدار (۴۹) دار دنیا سے تعلق نہین رکھتے دیندار
کیا مجھے دار پہ کھینچے گا وہ ظالم غدار — خواب غفلت سے اُسے اور مرے طالع بیدار
کسی سردار نے یہ اوج نہ پایا ہوگا
دار طوبے کا مرے فرق پہ سایا ہوگا

ہے سرافراز سدا عاشقِ پیشانیِ شاہ (۵۰) سجدے کیجیے کہ ہے بیت ابروون کی بیت اللہ
عشق آنکھون کا ہی مردم کے لئے نورِ نگاہ ہے وہ یوسف جسے ہو مصحفِ رخسار کی چاہ

عاشقِ لب کو خدا لعل و گہر دیتا ہے
تنگیٔ وہ دہن چشمۂ کوثر کی خبر دیتا ہے

خالِ رخسار نہین گو سے سعادت ہے یہ (۵۱) مجھ سے مجرم کے لئے مُہرِ شفاعت ہے یہ
ہون جو آشفتۂ گیسو تو عبادت ہے یہ بخدا سلسلۂ بخششِ اُمت ہے یہ

شبِ معراجِ رسولؐ وہ جہان سمجھا ہون
اُسکے ہر تار کو مین رشتۂ جان سمجھا ہون

وصفِ دندان مین زبان جسکی رہے گوہربار (۵۲) موتیون سے دہن اُس شخص کا بھر دے غفار
شوق مین سیبِ ذقن کے جسے آئے نہ قرار حورین غرفون سے دکھائین اسے رنگِ رخسار

دمبدم چاہنے والون کے لہو گھٹتے ہین
یہ گلا وہ ہے گلے جس کے لئے کٹتے ہین

صدقے اُس سینے پہ ہین عاشقِ صافی سینہ (۵۳) خاک اُس دل پہ جو اُس سینے سے رکھے کینہ
حق نما ہے تو جہان مین ہے یہی آئینہ اِس کا عاشق ہو تو ہون کور کی آنکھین بینہ

فیض پاتا ہے وہ جس دل مین ولا ہوتی ہے
چشم کو اُس کی زیارت سے جِلا ہوتی ہے

پانوُن یہ وہ ہین کہ ان پاؤن کو جو ہاتھ لگائے (۵۴) تو سر دست سرافرازی کونین وہ پائے
گردِ نعلین مبارک جو اثر اپنا دکھائے توتیا ہو کے خجل کحل جواہر شرمائے

صدقے کر دینگے سر ان پاؤن پہ ہم ایسے ہین
دوشِ احمدؐ پہ رہے جو، یہ قدم ایسے ہین

عملِ خیر سے بہکا نہ مجھے او ابلیس (۵۵) یہی کونین کا مالک ہے یہی راس و رئیس
کیا مجھے دیگا ترا حاکم ملعون و خسیس — کچھ تردد نہیں کہہ دے کہ لکھیں پرچہ نویس
ہاں سوئے ابن شہنشاہ عرب جاتا ہوں
لے ستمگر جو نہ جاتا تھا تو اب جاتا ہوں

کہہ کے یہ ڈاب سے غازی نے نکالی تلوار (۵۶) سُرخ آنکھیں ہوئیں ابرو پہ بل آئے اک بار
تن کے دیکھا طرفِ فوج امامِ ابرار — پاؤں رکھنے لگا بن بن کے زمیں پر رہوار
غل ہوا سیدِ والا کا ولی جاتا ہے
لو طرفدارِ حسینؑ ابن علیؑ جاتا ہے

حُر نے نعرہ کیا یا حیدرِ صفدر مدد دے (۵۷) وقت امداد ہے یا فاتحِ خیبر مدد دے
روحِ زہرا مدد اے نفسِ پیمبر مدد دے — بندۂ آل ہوں یا خواجۂ قنبر مدد دے
تن تنہا ہے غلام اور بہت اظلم ہیں
آئی آواز کہ اے حر ترے حامی ہم ہیں

مل گئی راہِ خدا واہ رے اقبال ترا (۵۸) پاک عصیاں سے ہوا نامۂ اعمال ترا
جرمِ ماضی ہوئے سب عفو خوشا حال ترا — جلد جا جلد کہ شائق ہے مرا لال ترا
مرد ہے جس کی یہ ہمت یہ ارادہ ہوئے
ہاں بہادر تری توفیق زیادہ ہوئے

منتظر ہیں ترے سب فوجِ حسینی کے جوان (۵۹) درِ فردوس پہ مشتاق کھڑا ہے رضوان
راہ تکتی ہیں تری دیر سے حورانِ جناں — شورِ کوثر پہ ہے شبیرؑ کا مہمان ہے کہاں
فوجِ قدسی تری ہمت کی ثنا کرتی ہے
فاطمہؑ آج ترے حق میں دعا کرتی ہے

تو بہشتی ہے یہ کافر ہیں کنشتی اے حرؑ (۶۰) مٹ گئی سب ترے اعمال کی زشتی اے حرؑ
دیکھ اب صورتِ حورانِ بہشتی اے حرؑ   کس تلاطم میں بچی ہے تری کشتی اے حرؑ
غضبِ اللہ کا پیمبر کی ناراضی ہے
پنجتن تجھ سے ہیں راضی تو خدا راضی ہے

اور بالیدہ ہوا سُن کے یہ مژدہ وہ ہزبر (۶۱) دلِ بیتاب پکارا کہ نہیں طاقتِ صبر
اب تو اس فوج میں اک دم کی بھی تعویق ہے جبر   قعرِ دوزخ ہے مسلمان کے لئے صحبتِ گبر
ہاں اُٹھا باگ جو شیدائے شہِ عالی ہے
فوجِ اللہ و نبیؐ میں تری جا خالی ہے

سُن کے یہ باگ جو لی اسپ سبک تاز اُڑا (۶۲) ڈر سے رنگِ عمرِ شعبدہ پرداز اڑا
کیا اُڑا رخش کہ طاؤس بصد ناز اُڑا   دی پرندوں نے یہ آواز کہ شہباز اُڑا
باغِ زہراؑ میں نسیمِ سحری جاتی ہے
غل تھا دربارِ سلیمانؑ میں پری جاتی ہے

کیا دو تین رسالوں نے تعاقب ہر چند (۶۳) حر کا ہاتھ آنا تو کیسا نہ ملی گردِ سمند
کہتے تھے شرم سے وہ لیکے جو دوڑے تھے کمند   یہ چھلاوا تھا کہ آندھی یہ فرس تھا کہ پرند
کیا سبک سوئے چمن بادِ بہاری پہونچی
ہم یہیں رہ گئے واں حُر کی سواری پہونچی

یاں ہوئے علمِ امامت سے شہِ دیں آگاہ (۶۴) ہنس کے عباس سے فرمایا کہ اے غیرتِ ماہ
مرے لشکر کی طرف ہے رُخِ حرِّ ذی جاہ   سب سے کہدو کہ نہ روکے کوئی اُس شخص کی راہ
جاؤ لینے کو عجب رتبہ شناس آتا ہے
میرا مہمان مرا عاشق مرے پاس آتا ہے

ذکر یہ تھا کہ صدا دُور سے آئی اک بار (۶۵) الغیاث اے جگر و جان رسولِ مختار
مجرم ایسا ہون کہ عصیان کا نہین جسکے شمار   عفو کر عفو کر اے چشمۂ فیضِ غفار
پار دریاے خطا سے مری کشتی ہو جاے
دوزخی بھی ترے صدقے مین بہشتی ہو جاے

کئی روزون سے تلاطم مین ہون اے شاہنشاہ (۶۶) مدد اے نوحِ غریبان مرا بیڑا ہے تباہ
دست و پا گم ہین کچھ ایسے کہ نہین سوجھتی راہ   شور کرتا ہون کہ بتلاے کوئی جاے پناہ
ابرِ رحمت کی طرف جا یہ صدا دیتے ہین
سب ترے دامنِ دولت کا پتا دیتے ہین

ترے دامن کے نثار اے مرے آقاے جلیل (۶۷) رحم کر رحم کہ شرمندہ ہے یہ عبدِ ذلیل
دل خنک ہوئے جو نکلے کوئی کوثر کی سبیل   جان آجاے جو مولاے دو عالم ہون کفیل
نہ وزیرون مین یہ ہمت نہ شہنشاہ مین ہے
سب مرے درد کا درمان تری درگاہ مین ہے

خلق مین آپکے والد کا کرم ہے مشہور (۶۸) بات مین بخش دیے سیکڑون بندون کے قصور
مجھ سے ہین باگ پکڑ لینے پہ آزردہ حضور   بخش دیجے تو کرم سے نہین کچھ آپ کے دور
یہ تو کیونکر کہون مین لائقِ تعزیر نہین
مگر اس حد سے زیادہ مری تقصیر نہین

اے مددگار و معین الضعفا آدرکنی (۶۹) اے خبرگیرِ گروہِ غربا آدرکنی
پانون لغزش مین ہین اے دستِ خدا آدرکنی   ہاتھ باندھے ہوے ہون مین اے عقدہ کشا آدرکنی
دیجیے حر کو سند نار سے آزادی کی
آئیے جلد خبر لیجیے فریادی کی

میرے اعمال مین ہر چند سراسر ہے بدی (۷۰) ہون گنہگار خدا اے ازلی و ابدی
آپ ہین مالکِ سرکار جنابِ احدی اے خداوندِ جہان خذ بیدی خذ بیدی
جو تہی دست ہین تکتے ہین شہنشاہ کا ہاتھ
آپ کا ہاتھ زمانے مین ہے اللہ کا ہاتھ

ایک یہ خستہ تن اور درپئے جان لاکھ حریف (۷۱) اے سلیمان کہین پامال نہو مورِ ضعیف
چھوڑ کر آپ کی سرکار کہان جائے نحیف کیجیے اب نظرِ لطف کہ ہوتا ہون خفیف
ہون سرافراز جو اتنا ہی کرم ہو جائے
نام قنبر کے غلامون مین رقم ہو جائے

استغاثہ یہ کیا حُر نے جو با دیدۂ نم (۷۲) آگیا جوش مین اللہ کا دریائے کرم
خود بڑھے ہاتھون کو پھیلا کے شہنشاہِ امم حر کو یہ ہاتفِ غیبی نے صدا دی اُس دم
شکر کر سبط رسول الثقلین آتے ہین
لے بہا در ترے لینے کو حسینؑ آتے ہین

حُر نے دیکھا کہ چلے آتے ہین پیدل شبیرؑ (۷۳) دوڑ کر چوم لیے پائے شہ عرش سریر
شہ نے چھاتی سے لگا کر کہا اے باتوقیر مین نے بخشی مرے اللہ نے بخشی تقصیر
مین رضامند ہون کس واسطے مضطر ہے تو
مجھ کو عباسؑ دلاور کے برابر ہے تو

کس کے کیون باندھا ہے ہاتھون کو مین ہوتا ہون خجل (۷۴) سہل کر دین اُسے گر اور کوئی ہو مشکل
بھائی آ مجھ سے بغلگیر تو ہو کھول کے دل غافر و راحم و توّاب ہے ربِّ عادل
جرم سب محو کیے حق نے ترے دفتر سے
آج پیدا ہوا گویا شکمِ مادر سے

۳ جرمکارا بابیٔ انت و امی یا شاہ (۷۵) قابلِ عفو نہ تھے بندۂ آثم کے گناہ
مجھ سے گمراہ کو اک آن میں ملجائے یہ راہ سب ہے صدقہ انھیں قدموں کا خدا ہے آگاہ
ہر ذرہ پہ جو ہو نیر تابان ہو جائے
آپ جس مور کو چاہیں وہ سلیمان ہو جائے

کون مقداد تھے سلمان و اباذر تھے کون (۷۶) آپ فرمائیں کہ عمار دلاور تھے کون
شورِ عالم میں جو ہے مالکِ اشتر تھے کون اے خداوند جہان حضرت قنبر تھے کون
انھیں قدموں کا تصدق تھا کہ ممتاز ہوئے
اسی سرکار کے خلعت سے سرافراز ہوئے

✓ شہ نے فرمایا کہ خالق کی عنایت ہے یہ سب (۷۷) ورکسی شخص کو بندے میں یہ مقدور ہو کب
اس سبب کی عنایت کے یہ سارے ہیں سبب وہی منعم وہی محسن وہی رازق وہی رب
اپنے کیسے سے نہ دام اور نہ درم دیتے ہیں
جب وہ خالق ہمیں دیتا ہے تو ہم دیتے ہیں

لاکھ ہاتھ اُسکے ہیں دینے کے وہ ایسا ہے جواد (۷۸) ہم اسے بھول لیں تو بھولیں وہ ہمیں رکھتا ہے یاد
رزق وہ حوصلۂ حرص سے دیتا ہے زیاد شکر کرتے نہیں معبود کا اس پر بھی عباد
وہ غنی ہے کہ ہے محتاج زمانہ اُس کا
کبھی خالی نہیں ہوتا ہے خزانہ اُس کا

جس قدر اُس سے طلب کیجیے خوشنود ہو وہ (۷۹) صاحبِ جود ہے وہاب ہے محمود ہے وہ
ہاتھ پھیلائے جو سو بار تو موجود ہے وہ بخش دیتا ہے کہ ہم عبد ہیں معبود ہے وہ
پرورش جرم پہ بھی صبح و مسا ہوتی ہے
یاں سے ہوتی ہے خطا واں سے عطا ہوتی ہے

کہہ کے یہ ساتھ لیے حر کو چلے شاہِ اُمم (۸۰) ہاتھ میں ہاتھ تھا مہمان کا اللہ رے کرم
راس و چپ قاسم و اکبر تھے زہے شانِ حشم   سر پہ کھولے ہوئے تھے حضرتِ عباسؑ علم
دُور سے اہلِ خطا تیر جو برساتے تھے
رفقا سایہ میں ڈھالوں کے لئے آتے تھے

لائے اس عزت و حرمت سے جو مہمان کو امام (۸۱) بولے عباسؑ کمر کھول اب اے نیک انجام
شہ نے فرمایا مناسب ہے کوئی دم آرام   عرض کی حر نے کمر خلد میں کھولے گا غلام
فاتحہ پڑھ کے یہ شمشیر و سپر باندھی ہے
آج اس عزم پہ خادم نے کمر باندھی ہے

ہے بہت شمر و عمر سے مجھے لڑنے کی اُمنگ (۸۲) ایک ہی وار میں دونوں کو کرونگا چورنگ
لشکرِ شام سے پیہم چلے آتے ہیں خدنگ   شاہزادوں کی سپر ہوں کہ عبادت ہے یہ جنگ
کہیں ایسا نہ ہو بچہ کوئی بے جان ہو جائے
پہلے یہ تازہ غلام آپ پہ قربان ہو جائے

شہ نے فرمایا کہ دشوار ہے فرقت تیری (۸۳) مجھ کو مر کر بھی نہ بھولیگی محبت تیری
وا دریغا ہو لی کچھ ہم سے نہ خدمت تیری   خیر فردوس میں ہو جائیگی دعوت تیری
آج رتبہ ترا خیلِ شہدا میں ہو گا
شب کو تو صحبتِ محبوبِ خدا میں ہو گا

تجھ پہ مخفی نہیں ہے مفتم سے جو کچھ ہے مرا حال (۸۴) راہیں ہر سمت کی روکے ہوئے ہیں اہلِ ضلال
قحط پانی کا ہے اس دشت میں گندم کا ہے کال   نانِ جو کا بھی ہے ملنا کسی قریہ میں محال
سب کو ایذا عوضِ آب و غذا ملتی ہے
دودھ اصغرؑ کو نہ عابدؑ کو دوا ملتی ہے

حُر نے رو کر سرِ تسلیم جھکایا با ادب [illegible] آنکھوں پہ پڑنے لگے سب
جب چڑھا گھوڑے پہ وہ عاشقِ سلطانِ عرب [illegible] غضب
دبدبہ [illegible] جاتی تھی
گرمیِ آلِ محمد کی [illegible] تی تھی

حُر چلا فوجِ مخالف پہ اڑا کر توسن [illegible] سے ہرن
وہ جلال اور وہ شوکت وہ غضب کی [illegible] جوشن
دوسرے دوش پہ [illegible] جاتے تھے
کاکلِ حور کے سب پیچ [illegible] جاتے تھے

زورِ بازو کا نمایاں تھا بھرے شانوں سے [illegible] دستانوں سے
برچھیوں اُڑتا تھا دب دبکے [illegible] گریبانوں سے
خود رومی کی جو [illegible] باقی تھی
[illegible] باقی تھی

نیزۂ حر کی سناں پر نظر ٹھہرتی تھی [illegible] مارِ سیاہ
قبضۂ تیغ پہ رکھے تھی سپر [illegible] پناہ [illegible] گرد [illegible]
قدر اندازوں کو [illegible] تھے
تیر ترکش [illegible] تھے

رن میں جب شہ کی طرف حُر دلیر آیا [illegible]
غل ہوا سیدِ مظلوم کا غمخوار آیا [illegible] آیا
تیغ [illegible]
جلوۂ قدرت [illegible]

آنے جانے کا بہادر کے کرون کیا مذکور (۹۰) پہلے کچھ اور ہی جلوہ تھا پر اب اور ظہور
اے خوشا رتبۂ فیض قدمِ پاک حضور غل تھا آتا ہے ملک پہنے ہوئے خلعتِ نور
صحبتِ اہلِ ولا دل کو جلا کرتی ہے
مِس کو اک آن مین اکسیر طلا کرتی ہے

واہ کیا فیض ہے سرکار شہ عالم مین (۹۱) ذرۂ خاک کو خورشید کیا اک دم مین
نور یہ حور مین دیکھا نہ بنی آدم مین یہ وہی حُر جری ہے جو ابھی تھا ہم مین
تن ہے خوشبو رخِ گلرنگ تر و تازہ ہے
خاک نعلین مبارک کی عجب غازہ ہے

مہر ذرہ ہے جہان چہرۂ روشن ایسا (۹۲) چاند بھی جس سے کرے کسب ضیا تن ایسا
حرز ہو بازوے داؤد کا جوشن ایسا ہوش پریون کے اُڑے جاتے ہین توسن ایسا
گلشنِ دہر مین لو بادِ بہاری آئی
قاف مین غل ہے سلیمانؑ کی سواری آئی

حُر پکارا کہ بجا کہتے ہو بے شک لاریب (۹۳) دامن حضرتِ شبیرؑ نے ڈھانپے مرے عیب
دولتِ دین سے نہ دامن مرا خالی ہے نہ جیب بارک اللہ کی دیتا ہے صدا ہاتفِ غیب
فیض پا کر پئے شمشیر زنی آیا ہون
یان سے محتاج گیا وان سے غنی آیا ہون

مجھ کو خورشید کیا نورِ خدا کی ضو نے (۹۴) نور بخشا قمرِ فاطمہؑ کے پرتو نے
بخت پائے ہین سکندر کے غلام نو نے گنج وہ لایا ہون دیکھا جو نہ تھا خسرو نے
دُور دُور کج سے میرا ہے زمانہ میرا
کبھی خالی نہیں ہونے کا خزانہ میرا

رخ روشن کو مرے تکتے ہو کیا حسرت سے (۹۵) مل کے آیا ہوں منھ اپنا قدم حضرت سے
نور وہ ہے جسے دیکھیں نظر رغبت سے — وائے وہ لوگ جو محروم ہین اس دولت سے
مجھ کو بھی دیکھ کے بیدار نہین ہوتے ہو ہین
بے خبر ہے غضب آنکھین تو کھولے ہو مگر سوتے ہو ہین

جان سلطان رسالت کو غنیمت جانو (۹۶) پسر شاہ ولایت کو غنیمت جانو
قمر برج امامت کو غنیمت جانو — نور خالق کی زیارت کو غنیمت جانو
ساتھ اس کے برکت خلق سے اٹھ جائیگی
پھر جو ڈھونڈھو گے یہ دولت تو نہ ہاتھ آئیگی

ایک سید کے مٹا دینے مین ہو کون سا نام (۹۷) اس ہوا پر ہو کہ بجھ جائے چراغ اسلام
گر ہو دانا تو کہو بد ہے کہ ہے نیک یہ کام — خوشنما کب ہے وہ تسبیح نہ ہو جس مین امام
شکر احسان جناب احدی کرتے ہین
پیشوا سے کہین پیرو بھی بدی کرتے ہین

یہ سخن سن کے پکارا پسر سعد شریر (۹۸) ہان طرفدار شہ دین چلین نیزہ و تیر
لیے حربون کو بڑھا فوج کا انبوہ کثیر — فاتحہ پڑھ کے جوان دوڑے کھینچی شمشیر
حر کا منھ سرخ ہوا فوج ستم زرد ہوئی
شعلۂ تیغ سے بجلی کی چمک گرد ہوئی

رعد تھرا گیا نعرے جو سنے ضیغم کے (۹۹) استخوان کانپ گئے زیر زمین رستم کے
تہ و بالا ہوئین لشکر کی صفین جم جم کے — برق شمشیر سے ڈر ڈر کے فرس بھی تھمے
نوبت جنگ نہ آئی تھی کہ دل ٹوٹ گئے
برقین گر گئین ہاتھون سے نشان چھوٹ گئے

چھیڑ کر باگ فرس کو جو ذرا گرمایا (۱۰۰) غیظ میں آن کے گھوڑا بھی غضب کف لایا
شیر سا فوج مخالف پہ جھپٹ کر آیا روند ڈالا اُسے دم میں جسے سرکش پایا
اُس کا قاتل تھا جو دشمن شہ عالی کا تھا
کاٹ ہر نعل میں شمشیر ہلالی کا تھا

حشر برپا تھا کہ تیغ حسنِ ذی جاہ چلی (۱۰۱) آگ برسانے کو بجلی سوے جنگاہ چلی
کس کرشمے سے وہ لیلیِ ظفر راہ چلی گہ تھمی گاہ بڑھی گاہ رُکی گاہ چلی
زخم سینون کے گریبان کی طرح پھٹتے تھے
چال کیا تھی کہ ہزارون کے گلے کٹتے تھے

کین صفین صاف مگر مُنھ کی صفائی نہ گئی (۱۰۲) کج ادائی کو نہ چھوڑا وہ لڑائی نہ گئی
کاٹ چھانٹ اور وہ لگاوٹ وہ کھائی نہ گئی سیکڑون خون کیے اور کہین آئی نہ گئی
شور تھا برق پئے جلوہ گری نکلی ہے
جان لینے کو اجل بن کے پری نکلی ہے

جس طرف دیدۂ جوہر سے نظر کرتی ہے ۱۰۳ پل نہ گذرے کہ صفین زیر و زبر کرتی ہے
چشم ہر چند کہ پتلی کو سپر کرتی ہے ہے وہ طرار کہ آنکھون مین یہ گھر کرتی ہے
اُس کے افسون سے جو ساحر ہو تو جل جاتا ہے
سحر پریون کا اسی طرح سے چل جاتا ہے

پھونکے بجلی کو یہ اُس آگ کی ہے پرکالا (۱۰۴) کاٹ جائے تو کبھی لہر نہ لے پھر کالا
برچھیان چل گئین اُس پر جسے دیکھا بھالا آگیا دام مین جس شخص پر ڈورا ڈالا
اُس کے پانی مین کفِ مار سیہ گھولا ہے
باڑھ ہے یا ملک الموت نے مُنھ کھولا ہے

آئی جس غول پہ لاشون سے زمین پاٹ گئی (۱۰۵) دست و پا صدر و کمر گردن و سر کاٹ گئی
چاٹ ایسی تھی لہو کی کہ صفین چاٹ گئی دیکھی تیغون کی جدھر باڑھ اُسی گھاٹ گئی
جس پہ جاتی تھی نہ بیجان کئے پھرتی تھی
ایک بجلی تھی مگر لاکھ جگہ گرتی تھی

گُل نئے پھولے جو برچھی پہ لگا پھل اسکا (۱۰۶) زور دکھلاتا تھا ہر ضرب مین کس بل اسکا
ڈھیر تھا خاک پہ کاٹا ہوا جنگل اسکا جو بڑھا جنگ کو قصہ ہوا فیصل اسکا
شور تھا دیکھیے کیونکر یہ بلا ٹلتی ہے
اِس قدر جلد تو سیفی بھی نہین چلتی ہے

جنگ مین تیغ کو دعویٰ تھا کہ یکتا مین ہون (۱۰۷) سر اُٹھایا تھا یہ گھوڑے نے کہ عنقا مین ہون
چرخ کہتا تھا کہ یا رب تہ و بالا مین ہون برق کہتی تھی کہ تلوار ہے یہ یا مین ہون
کس مین ہے یہ جو تڑپ زیر فلک میری ہے
تیغ کرتی تھی اشارا یہ چمک میری ہے

نہ تھمی سنگ سے وہ اور نہ رُکی آہن سے (۱۰۸) ہاتھ اُڑا لے گئی پہونچون سے تو سر گردن سے
نہ اُٹھی اُسکی کڑی ضرب کسی جوشن سے چل گئی بادِ مخالف جدھر آئی سن سے
جوش طوفان کا دکھا کر وہ خوش اسلوب گئی
خون کے دریا مین ہر اک کشتیِ تن ڈوب گئی

کثرتِ جوہرِ ذاتی سے وہ گو جال مین تھی (۱۰۹) پر تڑپ صورتِ ماہی وہی ہر حال مین تھی
تھی سبک جانے مین بجلی تو پری چال مین تھی کبھی مغفر مین کبھی سر مین کبھی ڈھال مین تھی
کہین دم لینے کی مہلت تھی نہ بسمل کے لئے
تھی جگر کے لئے برچھی تو چھری دل کے لئے

صید کرنے کو جسے صورتِ شہباز آئی (۱۱۰) لاکھ تڑپا پہ نہ بے جان لئے باز آئی
غل ہوا شہپرِ شاہین کے تلے قاز آئی اُڑ گیا طائرِ جان اور نہ آواز آئی
گرچہ قبضے مین لئے تھی اُسے پر چھوڑ دیا
تھا زبس صیدِ زبون کاٹ کے سر چھوڑ دیا

آب نے آتشِ سوزان کا اثر دکھلایا (۱۱۱) تاب نے مرگِ مفاجات کا گھر دکھلایا
باڑھ نے جادۂ صحرائے سقر دکھلایا گھاٹ نے آئینۂ فتح و ظفر دکھلایا
تیغ کہتی تھی درِ فتح کی مفتاح ہون مین
قول قبضہ کا یہ تھا قابضِ ارواح ہون مین

خم وہ پایا تھا کہ شرمائے ہلالِ مہِ عید (۱۱۲) حُر کے ہاتھ آگئی تھی گلشنِ جنت کی کلید
برش ایسی تھی کہ کٹ کٹ گئی سب فوجِ یزید جامۂ کفر کے پرزے تھے ہوئے قطع و برید
نہ بچا تارِ نفس خلق مین جینے کے لئے
چاک زخمون کے فقط رہ گئے سینے کے لئے

کئی حملے کئے پیہم جو کماندارون پر (۱۱۳) چل گئے تیرِ ملامت کے خطا کارون پہ
چٹکیان سب کی دھری رہ گئین سوفارون پہ رخ پھرا تھا کہ گری برق ستمگارون پہ
جل کے خرمن ہوا یون خاک کہ خوشہ نہ ملا
کشمکش مین کہین چھپنے کو بھی گوشہ نہ ملا

نیزۂ فوجِ ستمگار تھے دیکھے بھالے (۱۱۴) دم مین اُس شیرِ نیستان نے قلم کر ڈالے
گرچہ تھے جان لڑائے ہوئے لڑنے والے آفتِ مرگ کو سر سے کوئی کیونکر ٹالے
جب سوارون کے پرے جنگ پہ تل جاتے تھے
بند سب ناخنِ شمشیر سے کھل جاتے تھے

(۱۱۵) الف گرز کو کر دیتی تھی ہر ضرب مین دال — تھی نئی آمد و رفت اور نئی طرح کی چال
کہین برچھی کی انی تھی تو کہین تیر کی پھال — کہین تلوار کہین خنجر بران کہین ڈھال
ضرب کو روک کے دشمن کو فنا کرتی تھی
دمبدم فوج ستمگر بھی ثنا کرتی تھی

(۱۱۶) شور تھا آگ ہے تلوار مین یا پانی ہے — جل بجھے کشتی تن خون مین طوفانی ہے
ضرب مین فرد ہے یہ زور مین لاثانی ہے — کہتا تھا حشر نہ فقط قوت ایمانی ہے
زور تھا مجھ مین نہ ایسا نہ وغا کی طاقت
سب ہے یہ سبط پیمبر کی دعا کی طاقت

(۱۱۷) کہہ کے یہ فوج مین پھر تشنہ جگر ڈوب گیا — ورطۂ قلزم آفت مین گہر ڈوب گیا
لشکر شام کے بادل مین قمر ڈوب گیا — کشمکش تھی کہ عرق مین گل تر ڈوب گیا
تھا کبھی شیر سا بپھرا ہوا شمشیرون مین
کبھی نیزون کے نیستان مین کبھی تیرون مین

(۱۱۸) گہ چھپا اور کبھی نکلا وہ مہ برج شرف — کبھی اس صف مین در آیا کبھی دندی وہ صف
کبھی دریا کے کنارے کبھی صحرا کی طرف — کبھی نعرہ تھا کہ صدقے ترے یا شاہ نجف
جتنے مجروح تھے دم ان کے نکل جاتے تھے
شیر بھی نام علیؑ سن کے دہل جاتے تھے

(۱۱۹) نخل تھراتے تھے سب گونج رہا تھا جنگل — سر کی جاتی تھی زمین ان کی غضب تھی ہلچل
کوند جاتی تھی سرون پر جو وہ شمشیر اجل — منھ کے بھل گرتا تھا کوئی تو کوئی سر کے بھل
حشر برپا تھا سوارون پہ فرس لوٹتے تھے
دو پہ چار ایک پہ دو پانچ پہ دس لوٹتے تھے

بڑھ کے فرماتے تھے عباسؑ ترے ہمت و جاہ (۱۲۰) بارک اللہ کی دیتا تھا صدا دلبرِ شاہ
کہتے تھے ابنِ حسنؑ واہ حرِ غازی واہ   شاہ ہر ضرب پہ فرماتے تھے ماشاءاللہ
اپنی جانبازی کا غازی جو صلہ پاتا تھا
مسکراتا ہوا تسلیم کو جھک جاتا تھا

حیف جھکنے میں لعینوں نے جو فرصت پائی (۱۲۱) سامنا چھوڑ کے سب فوج عقب سے آئی
لاکھ خونریز اُدھر اور ادھر تنہائی   باگ گھوڑے کی پھراتا تھا کہ برچھی کھائی
آ گیا موت کے پنجے میں نہ کچھ دیر لگی
فرق پہ گرز لگا دوش پہ شمشیر لگی

سینہ غربال ہوا تیر چلے اعدا کے (۱۲۲) رکھ دیا شیر نے قربوس پہ سر نہوڑا کے
علی اکبرؑ نے یہ حضرت سے کہا چلا کے   گر ہو ارشاد تو مہماں کو سنبھالوں جا کے
خانۂ زین سے عدم کا سفری گرتا ہے
خاک پر گھوڑے سے اب حرِ جری گرتا ہے

شاہ رونے لگے یہ سنتے ہی مہماں کی خبر (۱۲۳) ہو گئی آنسوؤں سے ریش مبارک سب تر
علی اکبرؑ سے کہا تم ابھی ٹھہرو دلبر   حر کی امداد کو ہم جائیں گے اے نورِ نظر
کس سے اس وقت کہوں میں جو قلق مجھ پر ہے
لاش مہماں کی اٹھاؤں گا کہ حق مجھ پر ہے

عرض کی حضرت عباسؑ نے جاتا ہے غلام (۱۲۴) جوشِ رقت میں کہا شہ نے نہیں اے گلفام
میری الفت میں ہوا قتل حرِ نیک انجام   دوست کیسے جو برے وقت میں ہم آئیں نہ کام
اس پہ جب سخت گھڑی ہو گی تو کام آئیں گے
لاش کیا قبر میں مہماں کی ہم جائیں گے

اُسکے لاشے پہ نہ جائین یہ مروّت سے ہی دُور (۱۲۵)　اُس سے ہم شاد ہوے وہ بھی تو ہو کچھ مسرور
قصرِ خلد اُس کو دکھائین کہ ہوے عفو قصور　سرخرو جاتا ہے دُنیا سے وہ خالق کے حضور
ایسا ذی رتبہ کوئی خلق مین کم نکلے گا
میرے مہمان کا مری گود مین دَم نکلے گا

یہ سخن کہہ کے چلے رن کو جنابِ شبیرؑ (۱۲۶)　وان گرا خاک پہ گھوڑے سے حُرِ باتوقیر
دیکھ کر شاہ کو آتے ہوے بھاگے سب پیر　پہونچے لاشے پہ امامِ دو جہان وقتِ اخیر
چمنِ ہستیِ مہمان کو اُجڑتے دیکھا
ایڑیان خاک پہ زخمی کو رگڑتے دیکھا　مہمان

گر کے لاشے کے برابر یہ پکارے سرور (۱۲۷)　ہاے اے میرے مددگار و معین و یاور
گرز کیا تجھ کو لگا ٹوٹ گئی میری کمر　گر پڑے گھوڑے سے اور آہ نہ کی مجھ کو خبر
دوست کے ہجر مین کس دوست کو چین آیا ہے　واہ ہمین کی نہ خبر
کھول دے آنکھون کو بھائی کہ حسینؑ آیا ہے

واہ اے حُرِ جری مین تری ہمت کے فدا (۱۲۸)　اِس کو کہتے ہین محبت اسے کہتے ہین وفا
ہے یہ بیکس ترا شرمندۂ احسان بخدا　بس یہی بھائی بھی کرتے ہین جو کچھ تو نے کیا
حق تعالیٰ ہمین جنت مین گھر دے بھائی
اِس ریاضت کا خدا تجھ کو ثمر دے بھائی

حُر کو چونکا کے حبیب ابن مظاہر نے کہا (۱۲۹)　آپ بیتاب ہین اے حرِ جری ہوش مین آ
دیکھ دیدار جگر بند جنابِ زہراؑ　کھول دے آنکھیں یہ وقت نہین غفلت کا
دم رُکا ہے تو اشارے سے وصیت کر لے
نزع مین نورِ الٰہی کی زیارت کر لے

سانس کو سینۂ مجروح مین اڑتے دیکھا

کسی آقا نے کبھی کی ہے یہ توقیر غلام (۱۳۰) دیکھ تو رحم ترے واسطے روتے ہیں امام
بھائی فرماتے ہیں شفقت سے شہ عرش مقام اے خوشا حال خدا سب کا کرے نیک انجام
حشر تک خلق میں یہ ذکر غم انگیز رہا
تو تو بچپن کے غلاموں سے بھی کچھ تیز رہا

نیم وا چشم سے حُر نے رخ مولا دیکھا (۱۳۱) زیر سر زانوئے شبیر کا تکیا دیکھا
مسکرا کر طرف عالم بالا دیکھا شہ نے فرمایا کہ اے حُر جری کیا دیکھا
عرض کی حُسن رُخ حور نظر آتا ہے
فرش سے عرش تلک نور نظر آتا ہے

باغ فردوس دکھاتا ہے مجھے اپنی بہار (۱۳۲) صاف نہریں ہیں رواں جھوم رہے ہیں اشجار
شاخوں سے میری طرف بڑھتے ہیں میوے ہر بار حوریں لاتی ہیں جواہر کے طبق بہر نثار
ہے یہ رضواں کی صدا دھیان کدھر تیرا ہے
دیکھ اے شاہ کے مہمان یہ گھر تیرا ہے

مجھ کو لینے چلے آتے ہیں فرشتے یا شاہ (۱۳۳) ملک الموت بھی کرتا ہے محبت کی نگاہ
خلد سے شیر خدا نکلے ہیں اللہ اللہ لو برآمد ہوئے شبّر بھی پدر کے ہمراہ
ننگے سر احمد مختار کی پیاری آئی
دیکھیے آپ کے نانا کی سواری آئی

قبلہ رو کیجئے لاشہ مرا اے قبلۂ دیں (۱۳۴) پڑھیے یٰسین کہ اب ہے یہ دم باز پسیں
کوچ نزدیک ہے اے بادشہ عرش نشیں لیجیے تن سے نکلتی ہے مری جان حزیں
بات بھی اب تو زباں سے نہیں کی جاتی ہے
کچھ اڑھا دیجیے مولا مجھے نیند آتی ہے

کہہ کے یہ گود مین شبیرؑ کی لی انگڑائی (۱۳۵) آیا ماتھے پہ عرق چہرے پہ زردی چھائی
شہ نے فرمایا ہمین چھوڑ چلے کیون بھائی چل بسے حُر جری پھر نہ کچھ آواز آئی
طائر روح نے پرواز کی طوبا کی طرف
پُتلیان رہ گئین پھر کر شہ والا کی طرف

لاش اُٹھا کر شہ دین خیمہ کے در پر آئے (۱۳۶) پانون مہمان کے سنبھالے علی اکبرؑ آئے
غل ہوا خیمۂ اقدس مین کہ سرور آئے پیچھے پردے کے حرم کھولے ہوے سر آئے
دختر فاطمہؑ سامان عزا کرنے لگی
فضہ پردے کے اُدھر آکے بکا کرنے لگی

شاہ چلائے کہ اے زینب و اُمّ کلثوم (۱۳۷) مین بھی مظلوم ہون مہمان بھی مرا ہے مظلوم
مان ہے یان اسکی نہ خواہر یہ تمھین ہے معلوم کون لاشے پہ کرے نالہ و فریاد کی دھوم
اجر ہوگا تمھین اشکون سے جو مُنھ دھوؤ گی
اُس کو یون روؤ کہ جس طرح مجھے روؤ گی

کہہ دو کبراؑ سے کہ ماتم کے لئے کھولے سر (۱۳۸) روئے نادان سکینہؑ اسے عمو کہہ کر
جان گزا بین کرے بانوے تفتیدہ جگر ہم اِدھر لاش پہ ماتم کرین تم رو ؤ اُدھر
غل ہے فریاد کا آواز بکا آتی ہے
سُن لو امان کے بھی رونے کی صدا آتی ہے

میری جانب سے کہو لاش پہ آئین سجاد (۱۳۹) بعد مرنے کے ہو تا روح مرے دوست کی شاد
یہ وصیّت مری شیعون نہ ہو رکھین اسے یاد ذکر حُر سُن کے کرین آہ و فغان و فریاد
جس عزا خانے مین وہ تعزیہ میرا رکھین
اُس کا ماتم بھی اُسی بزم مین برپا رکھین

دوست کے دوست کا غم دوست سدا کرتے ہین (۱۴۰) حق محبّت کا وفا وار ادا کرتے ہین
فاتحہ دیتے ہین سامان عزا کرتے ہین   غیر مر جاتا ہے گھر مین تو بکا کرتے ہین
تھا یہ وہ دوست کہ جان اس پہ فدا ہوتی ہے
فاطمہؑ اپنا پسر کہہ کے اسے روتی ہے

سُن کے یہ شور ہوا حُر دلاور ہے ہے (۱۴۱) اے مددگار جگر بند پیمبر ہے ہے
خون مین سب تر ہے ترا روے منوّر ہے ہے   تشنہ و بیکس و مظلوم کے یاور ہے ہے
ادھر آنا تھا کہ تیری اجل آئی بھائی
گھر مین سادات کے دعوت بھی نہ کھائی بھائی

بس انیس اب یہ دعا مانگ کہ اے ربِ عباد (۱۴۲) لکھنؤ کے طبقے کو تو سدا رکھ آباد
رونے والے شہِ والا کے رہین خلق مین شاد   اُن کے سائے مین برومند ہو اُن کی اولاد
عشرۂ ماہ عزا نالہ کشی مین گزرے
سال بھر شہ کے غلامون کو خوشی مین گزرے

مرثیہ

۲

(۱)
جاتی ہے کس شکوہ سے رن میں خدا کی فوج کمریں وغا پہ باندھے ہے مشکلکشا کی فوج
صف بستہ آگے پیچھے ہے سب پیشوا کی فوج جنت کا رخ کئے ہے شہ کربلا کی فوج
ڈیوڑھی پہ جن و انس و ملک کا ہجوم ہے
خیمے سے اب علم کے نکلنے کی دھوم ہے

(۲)
حاضر ہیں صبح سے درِ دولت پہ جاں نثار اک سو ٹہل رہے ہیں رفیقانِ ذی وقار
پیدل کھڑے ہیں سامنے باندھے ہوئے قطار بیٹھے ہیں زین پوش بچھائے ہوئے سوار
شوقِ زیارتِ علمِ فوجِ شاہ ہے
اک اک کی جانبِ درِ دولت نگاہ ہے

(۳)
رخ ہے کسی کا جوشِ شجاعت سے لالہ رنگ کوئی سنوارتا ہے بدن پر سلاحِ جنگ
جھک جھک کے چست کرتا ہے کوئی فرس کا تنگ چلّے سے جوڑتا ہے کوئی فاقہ کش خدنگ
بھالا سنبھالتا ہے کوئی جھوم جھوم کے
تلتا ہے کوئی تیغ کے قبضے کو چوم کے

(۴)
ملتا ہے ہنس کے ایک جواں ایک کے گلے ساری خوشی یہ ہے کہ بس اب خلد میں چلے
چہرے وہ سرخ سرخ وہ جرات کے ولولے حق سے یہ التجا کہ نہ رن سے قدم ٹلے
مر کر بھی دل میں الفتِ حیدر کی بو رہے
پانی ہمیں ملے نہ ملے آبرو رہے

(۵)
حاضر ہے ذوالجناح شہنشاہ بحر و بر　　کلغی ہے یا کہ خوشۂ پروین قریب سر
خادم چنور لیے ہیں مگس راں ادھر اُدھر　　پیچھے ہیں بادپائے عزیزان نامور
گھوڑے سمند سرورِ ذی شاں کے ساتھ ہیں
پریوں کے غول تخت سلیماں کے ساتھ ہیں

(۶)
ڈیوڑھی پہ خادماتِ محل کی یہ ہے پکار　　آتے ہیں اب حضور خبردار ہوشیار
خلعت پہن رہے ہیں علمدار نامدار　　نذریں خوشی کے دینے کو حاضر ہوں جاں نثار
بھائی بڑا ہے سر پہ تو سایہ ہے باپ کا
عہدہ جوان بیٹے نے پایا ہے باپ کا

(۷)
یہ سُن کے شاد ہو گئی فوجِ حسینؑ سب　　آئے رفیق سب درِ دولت پہ با ادب
بولے حبیب ابن مظاہر کہ شکرِ ربّ　　اس سرفروش جنگ و جدل کا مزا ہے اب
سر دے کے لے بہشت کی جسکو تلاش ہو
دیکھیں علم کے سائے میں کس کس کی لاش ہو

(۸)
کون اور کائنات میں ہے دوسرا جواں　　قابل اسی کے دوش مبارک کے تھا نشاں
بازوئے شاہ دین جسد مرتضےٰ کی جاں　　پیروں کا سرپرست جوانوں کا قدرداں
باتیں پیمبروں کی خدا کے ولی میں تھیں
سب اس میں جمع ہیں صفتیں جو علیؑ میں تھیں

(۹)
الفت وہی حیا وہی مہر و وفا وہی　　طاعت وہی وقار وہی اتقا وہی
بخشش وہی کرم وہی جود و سخا وہی　　جرات وہی جدال وہی دبدبا وہی
گیتی میں اور بھی کوئی ایسا دلیر ہے
خود تھا علیؑ کا قول کہ عباسؑ شیر ہے

بے مثل سب ہیں قبلۂ عالم کے رشتہ دار — لیکن خدا نے اس کو دیا ہے عجب وقار
جیسے نبیؐ کی فوج میں تھے شیر کردگار (۱۰) — ویسا ہی بے عدیل ہے یہ شہ کا جاں نثار
سب فوج سے بڑھا ہوا رتبہ اسی کا تھا
شیر خدا کے بعد یہ حصہ اسی کا تھا

باہر تو اشتیاقِ علم میں ہے سب سپاہ — خیمے میں باندھتے ہیں کمر شاہ دیں پناہ
سب خویش و اقربا ہیں مسلح قریب شاہ (۱۱) — ہیں سامنے علم لئے عباس عرش جاہ
رتبے کو اوج نخل ترقی مراد پر
گویا علیؑ کھڑے ہیں مہیا جہاد پر

شیر خدا کا خود مبارک ہے زیب سر — کلغی ہمائے اوج سعادت کے جس میں پر
ماتھا ہے یا کہ ابر سے نکلا ہوا قمر (۱۲) — ابرو ہیں ذوالفقار یداللہ نامور
ڈورے جو سرخ سرخ ہیں چشم سیاہ میں
پھرتی ہیں خوں بھری ہوئی تیغیں نگاہ میں

اس کی خوشی جو تھی کہ ملا رایتِ رسولؐ — رخسار تھے کھلے ہوئے دو ارغواں کے پھول
قد سروِ باغِ حسن نہ پستی فزوں نہ طول (۱۳) — وہ لب کہ جس سے روح کو ہو تازگی حصول
یہ شور تھا فلک کا جہاں کے رواق میں
حوریں بھی ہونٹ چاٹتی تھیں اشتیاق میں

دیتے تھے تہنیت جو عزیزان پر جگر — عباسؑ مسکرا کے جھکاتے تھے اپنا سر
فرطِ طرب سے چاند سا چہرہ تھا جلوہ گر (۱۴) — رخ کی ضیا ادھر تھی علم کی چمک ادھر
وہ آسماں حشم ہے یہ کیواں جناب ہیں
غل تھا کہ ایک صبح میں دو آفتاب ہیں

زینب بلائیں لے کے یہ کہتی تھیں بار بار　　منصب مبارک اے شہ مرداں کے یادگار
کہتے تھے ہاتھ جوڑ کے عباس ذی وقار (۱۵)　　مجھ کو سمجھیے عون و محمدؐ کا جاں نثار
ان کی طرف سے مہتمم بند و بست ہوں
مالک یہ شاہزادے ہیں میں پیش دست ہوں

فرماتی تھیں یہ دختر خاتون کائنات　　دونوں کے تم بزرگ ہو یہ کون سی ہے بات
اُس وقت ہے خوشی جو اس آفت سے ہو نجات (۱۶)　　سمجھوں کہ بیکسوں کو دوبارہ ملی حیات
گھیرا ہے بے گناہ شہ مشرقین کو
تم سب شریک ہو کے بچالو حسین کو

سب خوش تھے خیمۂ شہ ذی جاہ میں مگر　　چیں برجبیں تھے زینبِ ناشاد کے پسر
نہ جانبِ علم تھی نہ ماں کی طرف نظر (۱۷)　　آنکھوں میں ڈبڈبائے تھے آنسو جھکے تھے سر
اِس طرح تھا عرق رخِ پُر آب و تاب پر
جیسے پڑے ہوں قطرۂ شبنم گلاب پر

پھر کر اُدھر سے ماں نے جو بیٹوں پہ کی نظر　　سمجھیں علم نہ ملنے سے بے دل ہیں یہ قمر
ہٹ کر کیا اشارا کہ آؤ ذرا ادھر (۱۸)　　آئے عقب سے شہ کے سعادت نشاں پسر
بولیں کہ اب نہ ہوش نہ مجھ میں حواس ہیں
قربان جاؤں کیا ہے جو چہرے اُداس ہیں

ہتھیار سج چکے ہیں شہنشاہ حق شناس　　تم نے نہ زیب جسم کیا فاخرہ لباس
مردوں کو جان دینے میں ہوتا نہیں ہراس (۱۹)　　دولھا سے بن کے جاؤ امام امم کے پاس
کچھ ملگجے ہیں آؤ میں کپڑے اُتار دوں
سرمہ لگا دوں گیسوئے مشکیں سنوار دوں

(٢٠)

شب سے تو صبح تک یہ دعا تھی ہر ایک پل   تینوں میں پہلے ہم کو کرے سرخرو اجل
اب کیا ہوا یہ کون سا غصے کا ہے محل   آنکھوں میں اشک رخ پہ عرق ابروؤں پہ بل
وہ خوش مزاجیاں نہ وہ باتوں کے طور ہیں
اس وقت دیکھتی ہوں کہ تیور ہی اور ہیں

(٢١)

ماں پر یہ آفتیں ہیں یہ ماموں پہ ظلم و جور   پیارو ہمارے حال پہ لازم ہے تم کو غور
نازک مزاجیوں کے کسی دن نہ تھے یہ طور   اب مشورے ہیں اور تصور ہیں اور اور
وہ دل نہیں وہ آنکھ نہیں وہ نظر نہیں
اوروں کا ذکر کیا تمہیں میری خبر نہیں

(٢٢)

اس کا نہیں خیال کہ کیونکر جیے گی ماں   ہوتا ہے آفتوں میں محبت کا امتحاں
تم میری دس برس کی ریاضت ہو میری جاں   مجھ سے سوا ہے کون تمہارا مزاج داں
جس پر یہ برہمی ہے وہ سب جانتی ہوں میں
غصے کی آنکھ کا ہے کو پہچانتی ہوں میں

(٢٣)

پردا ہے تو سناؤ الگ چل کے دل کا حال   دونوں نے عرض کی کہ نہیں کچھ نہیں ملال
ہاں آج ہم کو بھول گئے شاہ خوش خصال   اوروں کی پرورش ہے ہمارا نہیں خیال
کیا ورثہ دار جعفر طیار ہم نہ تھے
اس عہدۂ جلیل کے حقدار ہم نہ تھے

(٢٤)

انگشت رکھ کے دانتوں میں ماں نے کہا کہ ہا   اب اُس کا ذکر کیا ہے جو ہونا تھا ہو چکا
دیکھو سنیں نہ زوجۂ عباس باوفا   اچھا یہ ہے خوشی کی جگہ یا گلے کی جا
غبطہ نہ اُس میں چاہیے جو امر خیر ہو
واری وہ کون غیر ہے تم کون غیر ہو

اک دوپہر کے واسطے ناحق یہ قیل و قال تا عصر تم نہ ہو گے نہ عباس خوش خصال
اِس دن کی دے گئے ہیں خبر شیرِ ذوالجلال (۲۵) مجھ کو نہیں یقیں کہ بچے فاطمہ کا لال
پیدا ہوئی ہوں اشک بہانے کے واسطے
رہ جاؤں گی میں قید میں جانے کے واسطے

لو اپنے دودھ کی تمھیں دیتی ہوں میں قسم اب کچھ کہو گے مُنھ سے تو ہوگا مجھے بھی غم
سنتے تھے تم جو کہتے تھے عباس ذی حشم (۲۶) دو جا کے اُن کو تہنیتِ عہدۂ عَلَم
صدقے گئی خلاف ادب کچھ سخن نہ ہو
میری خوشی یہ ہے کہ جبیں پر شکن نہ ہو

کہنے میں ایک نے بھی اگر سُن لیا یہ حال کہتی ہوں صاف میں مجھے ہوگا بہت ملال
ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولے وہ نونہال (۲۷) ہم با وفا غلام ہیں کیا تاب کیا مجال
دیجیے سزا ہمیں جو بل ابرو پہ پھر پڑیں
کہیے تو چھوٹے ماموں کے قدموں پہ گر پڑیں

زینب بلائیں لے کے یہ بولیں کہ میں نثار دونو ہو تم سعید و رشید و وفا شعار
دے ایسے لال سب کو زمانے میں کردگار (۲۸) ذی قدر و ذی شعور و سخن فہم و ذی وقار
لازم خوشی ہے جو جسے عہدہ سپرد ہو
چھوٹوں کے تم بزرگ بزرگوں کے خورد ہو

پہنائے پیار سے اُنھیں پھر فاخرہ لباس ہتھیار جب لگائے تو رُوئیں بہ درد و یاس
جب اُن کو لے کے آئیں امامِ امم کے پاس (۲۹) بولے گلے لگا کے اُنھیں شاہ حق شناس
دو چاند ہیں یہ خانۂ شیرِ الٰہ میں
زینب انھیں بھی بھیجو گی کیا قتلگاہ میں

(۳۰)
نکلے نہیں ہیں گھر سے ابھی تک یہ گلبدن — تلوار اگر چلی تو پڑے گا غضب کا رن
فوجوں سے گونجتا ہے یہ سب کربلا کا بن — طالب ہیں ایک جان کے دو لاکھ تیغ زن
لشکر سے تیر کیں مرے جاتے ہی آئیں گے — (نسخہ: مری جانب جو)
میں کس طرح جیوں گا جو یہ زخم کھائیں گے

(۳۱)
بنتِ علیؑ نے عرض یہ کی ہاتھ جوڑ کر — رکھتی نہیں کچھ اور میں یا شاہ بحر و بر
اک جان ہے بس اور یہ دو پارۂ جگر — مایہ مرا یہی یہی دولت یہی ہے زر
پالا ہو جس نے اُس کا نہ کچھ حق ادا کروں
اِن کو بچاؤں گر تو کسے پھر فدا کروں

(۳۲)
اس کا نہ کیجیے دھیان کہ یہ سن میں ہیں صغیر — دونوں نے بنت شیر خدا کا پیا ہے شیر
ہمت میں بے عدیل ہیں جرأت میں بے نظیر — سینہ سپر کریں گے یہ جس دم چلیں گے تیر
تلواریں چمکیں خون کے دریا چڑھے رہیں
اُمید ہے کہ سب سے یہ آگے بڑھے رہیں

(۳۳)
حضرت کے آگے بات کی ان کو نہیں مجال — مخفی حضور پر ہے ارادوں کا اِن کے حال
دادا کا رعب و دبدبۂ و شوکت و جلال — تیغ و سپر میں ہے شہ مرداں کی چال ڈھال
کیجئے نظر سنوں پہ تو بیشک صغیر ہیں
ہمت میں نوجواں ہیں متانت میں پیر ہیں — (نسخہ: تو)

(۳۴)
روتی تھی میں جو آج کی شب کو بہ درد و یاس — دونوں دلاسا دینے کو آ بیٹھے میرے پاس
رو کر کہا کہ آپ کو اتنا ہے کیوں ہراس — آسان کچھ ہے قتل شہنشاہ حق شناس
بچے ہیں شیر کے جنھیں بچہ سمجھتی ہیں
کیا آپ ماموں جان کو تنہا سمجھتی ہیں

حضرت کے ساتھ فضل خدا سے ہیں وہ دلیر　　تھرا کے بھاگ جاتا ہے نعروں سے جن کے شیر
تاکوفہ کیا عجب ہے جو ہوں خیموں کے ڈھیر (۳۵) کردیں گے رستموں کو زبردستیوں سے زیر
کل شیر سب ہیں اور یہ دشتِ مصاف ہے
سُن لیجیے گا آپ کہ میدان صاف ہے

بیکا ہو دشمنوں کا شہ دین کے بال اگر　　پھر کاٹ ڈالیے گا تنوں سے ہمارے سر
حضرت تک آسکے کوئی کیا تاب کیا جگر (۳۶) آنکھیں نکال لیں جو کرے غیظ سے نظر
پوتے شجاع کے ہیں نواسے دلیر کے
ساعد یہ ہیں علیؑ کے یہ پنجے ہیں شیر کے

لاکھوں میں دس جوان ہیں اس آن بان کے　　حافظ ہیں سب یہ آپ کے بھائی کی جان کے
حملے کریں گے رن میں جو سینوں کو تان کے (۳۷) مل جائیں گے زمیں سے طبق آسمان کے
سو سو کی جان لے کے ہر ایک جان کھوئے گا
ہم سب کے بعد ہو گا جو قسمت میں ہوئے گا

خالی نہ جائیں گے یہ شجاعت کے ولولے　　رکھدیں گے دوڑ دوڑ کے تیغوں پہ خود گلے
ہم بھی ہیں بنت فاطمہ کے شیر سے پلے (۳۸) مرتے ہیں شوق میں کہیں تلوار تو چلے
چمکا کے نیمچوں کو جو کھیلیں گے جان پر
لاشے زمیں پہ ہوں گے لہو آسمان پر

دونوں نے اِس طرح بفصاحت کیا بیاں　　مجھ کو یقین فتح ہوا یا شہ زماں
گویا دوبارہ آگئی میرے بدن میں جاں (۳۹) خوش ہو کے بولی ہیں کہ تصدق ہو تم پہ ماں
محسن ہے آج جو مرے بھائی کی پچ کرے
اِس مُنہ کے میں نثار خدا اس کو سچ کرے

ہر بار دیکھتی ہوں میں ان کی طرف بغور — دو تین دن سے اور ہیں کچھ تیوروں کے طور
کہتے ہیں ناگوار ہیں اعدا کے ظلم و جور (۴۰) تب چین ہو مٹے جو یزید لعیں کا دور
سکہ پڑے حسین علیہ السلام کا
خطبہ ہو ممبروں پہ شہ دیں کے نام کا

نو دس برس کے ہیں ابھی دونوں کا کیا ہے سن — راتیں یہ غفلتوں کی ہیں یہ کھیلنے کے دن
یہ تو وہ معرکہ ہے کہ ہیں مضطرب مُسن (۴۱) لیکن کنیز ان کی طرف سے ہے مطمئن
گھوڑے اُڑا اُڑا کے جو فوجوں پہ جائیں گے
اتنا میں جانتی ہوں کہ جیتے نہ آئیں گے

پھر دن ہنسیں جو چھوٹے کی باتیں ہیں حضور — کہتا ہے تیغے کو ہلا کر وہ ذی شعور
نامرد ہے جو آج کرے جنگ میں قصور (۴۲) اس کو نہ قصر خلد ملے پھر نہ وصل حور
بس چند روز رہ چکے دنیائے زشت میں
کل پہلے داخلہ ہے ہمارا بہشت میں

ہر دم اُلٹ کے کرتے کی ننھی سی آستیں — کہتا ہے کیا لڑیں گے دلیروں سے اہل کیں
ہیں مرتضےٰ علیؑ کے پسر شیر خشمگیں (۴۳) جانیں ہزار ہوں تو نثار امام دیں
کل بچے ہیں اور عدو کی سپاہ ہے
روتی ہیں والدہ ہمیں دنیا سیاہ ہے

ہنس ہنس کے مجھ سے کرتے تھے دونوں ابھی بیاں — ہم کو حضور نے نہ دیا فوج کا نشاں
میں نے کہا قوی ہوے کچھ دست ناتواں (۴۴) بولے کہ خیر آئے تو ہنگام امتحاں
اب تو غلام قبلۂ عالم کے ساتھ ہیں
کوفے کا ڈر ہے اور یہ گز دو ہاتھ ہیں

فرمایا شہ نے ان کی شجاعت میں فرق کیا ہیں ورثہ دارِ شیرِ الٰہی یہ با وفا
اچھا ہمارے ساتھ چلے ایک دلربا (۴۵) زینب تمہارے پاس رہے ایک مہ لقا
تم کس طرح جیو گی جو دونوں سے یاس ہو
گھر لٹتے وقت ایک تو فرزند پاس ہو

زینبؑ نے عرض کی کہ مجھے ہے یہ آرزو دونوں نثار آپ پہ ہوں میرے روبرو
بچ جائے جان آپ کی یا شاہِ نیک خو (۴۶) ہیں طالبِ ثواب یہ خواہانِ آبرو
بہتر ہے دونوں بیٹوں کی گر سوگوار ہوں
میں بھی جنابِ فاطمہؑ کی ورثہ دار ہوں

طفلی سے آج تک نہ ہوئے یہ کبھی جدا کھیلے تو ایک گھر میں پلے یہ تو ایک جا
چرچا ہے سارے کنبے میں دونوں کے پیار کا (۴۷) بیشک ہیں ایک جان دو قالب یہ مہ لقا
تڑپے ملاپ کو جو خفا ہو کے بھائی سے
وہ کس طرح جیے گا جدا ہو کے بھائی سے

دم بھر مفارقت ہو تو آنسو بہاتے ہیں روتے ہیں اس طرح کہ مجھے بھی رلاتے ہیں
دونوں جب ایک جا ہوں تو کھانے کو کھاتے ہیں (۴۸) مکتب میں ساتھ جاتے ہیں اور ساتھ آتے ہیں
بھائی جو زخمِ نیزۂ و شمشیر کھائے گا
انصاف آپ کیجیے یہ مر نہ جائے گا

چھوٹا تنک مزاج ہے یا شاہِ بحر و بر سن لے تو جان دیدے گلا اپنا کاٹ کر
نو دس برس جہاں میں جیے جس طرح بسر (۴۹) باہم یونہی جہاں سے کریں آخری سفر
ہر جا بڑے کے ہاتھ میں چھوٹے کا ہاتھ ہو
میں چاہتی ہوں دونوں کا مرنا بھی ساتھ ہو

باپ اُن کا آج ہوتا جو یا شاہِ نامدار   کرتا قدم پہ سر کو تصدق بافتخار
ایک اُن کے بدلے آپ کے قدموں پہ ہو نثار   میرے عوض فدا کرے ایک اپنی جان نثار (۵۰)
ان پہ ہمارا حق ہے تو ہم پر حق آپ کا   حسینؑ کا
یہ بھی تو کچھ ادا کریں حق اپنے باپ کا   والدین کا

کرتے تھے مجھ سے وقتِ سفر رو کے یہ بیاں   محروم اس شرف سے ہوں میں از ناتواں
بچوں کا ساتھ اور سفر خوف الاماں   مجبور دشمنوں میں چلے ہیں شہِ زماں (۵۱)
وقت آ پڑے تو پاس ہمارا نہ کیجیو
بیٹوں کو تم حسینؑ سے پیارا نہ کیجیو

گردن جھکا کے کہنے لگے شاہِ خاص و عام   تم کو جہاں میں پھر نہ ملیں گے یہ لالہ فام
مٹتی ہے نسل جعفرِ طیار نیک نام   چھاتی سے سر لگا کے وہ بولی کہ یا امام (۵۲)
للہ ان کے باب میں اب کد نہ کیجیے
ہدیہ فقیر کا ہے اسے رد نہ کیجیے

چپ ہو گئے بہن سے بہت خوب کہہ کے شاہ   قاسم نے کی یہ عرض کہ یا شاہِ دیں پناہ
بڑھ آئی ہے اُدھر سے بہت شام کی سپاہ   فرمایا آپ نے کہ نگہبان ہے آلہ (۵۳)
حملوں سے فوجِ شام کے جی چھوٹ جائینگے
جب ہم بڑھے تو مورچے سب ٹوٹ جائینگے

زینب کے نورِ عین بڑھے جب بصد حشم   کھولا سروں پہ حضرتِ عباسؑ نے علم
ماں کا اشارہ تھا کہ زہے شفقت و کرم   ہاتھوں کو جوڑ جلد جھکو چوم لو قدم (۵۴)
کچھ حد ہے اِس بزرگی و جاہ و جلال کی
دیکھیں نوازشیں شہِ مرداں کے لال کی

لے کر بلائیں بھائی کی بولی وہ سوگوار — اپنے غلام سمجھو انھیں تم پہ ہیں نثار
پہلے پہل نکلتے ہیں گھر سے یہ گلعذار (۵۵) — ان کی مدد ضرور ہے ہنگام کارزار
صدمے سے جان اب نہیں ٹھہرا کی جائی ہیں
دھڑکا یہ ہے کہ دیکھیے کیا ہو لڑائی میں

سیراب اُدھر ہیں سب انھیں سو لہر کی پیاس — کیا ہو جو نہر دیکھ کے ہو جائیں بے حواس
پشتی پہ جب ہو شیر تو بیجا ہے پھر ہراس (۵۶) — رہیو نہ دور ان سے اگر ہے بہن کا پاس
بچے کہاں یہ اور وہ دل فوج شام کا
بھیّا مجھے ہے دھیان بزرگوں کے نام کا

زندوں میں آؤں میں جو یہ مقتل سے مر کے آئیں — کہنے میں سرخرو ہوں اگر خوں میں بھر کے آئیں
اُلٹیں بہادروں کی صفیں نام کر کے آئیں (۵۷) — خیمے میں آئیں اب تو جہاں سے گزر کے آئیں
بھیّا قسم ہے مجھ کو جناب امیرؑ کی — مجھے قسم ہے
پانی پیا تو بوند نہ بخشوں کی شیر کی

عباسؑ نے کہا یہ نہ فرمایئے حضور — ایسے یہ شیر ہیں کہ وغا میں کریں قصور
بچے کسی نے دیکھے ہیں اس طرح کے غیور (۵۸) — کوفے کو شام پر جو اُلٹ دیں تو کیا ہے دور
بچپن میں کافروں سے خدا کے ولی لڑے
یہ یوں لڑیں گے جیسے اُحد میں علیؑ لڑے

ہے سب عرب میں لیث نبی غالب انکا جد — مثل علیؑ وغا میں کریں گے یہ جدّ و کد
جس دم رجز پڑھیں گے یہ صفدر ابشد و مد (۵۹) — غل ہو گا گونجتے ہیں ترائی میں دو اسد
یہ پارۂ جگر ہیں علیؑ سے دلیر کے
سب خصلتیں ہیں شیر کی بچوں میں شیر کے — بچے ہیں

(۶۰)
کچھ فکر کی جگہ نہ تردد کا ہے مقام ۔۔۔ سُن لیجیے گا آج یہ جیسے کریں گے نام
ان سے کبھی جدا نہیں رہنے کا یہ غلام ۔۔۔ میں عبد سر فروش ہوں اے خواہرِ امام
بندوں کا حفظ خالقِ عالم کے ہاتھ ہے
روتی ہیں آپ کیوں مری جان انکے ساتھ ہے

(۶۱)
یہ سُن کے مضطرب جو پھری وہ جگر فگار ۔۔۔ دیکھا بڑھے ہیں جانبِ در شاہ نامدار
پھیلا کے ہاتھ کہنے لگے شاہ ذی وقار ۔۔۔ زینب گلے سے بھائی کے لپٹو پھر ایک بار
جو حال دل ہے کہہ نہیں سکتا زباں سے میں
چھٹتی نہیں تم آج بچھڑتا ہوں ماں سے میں

(۶۲)
بھائی بہن کے درد کی باتیں لکھوں اگر ۔۔۔ بہ جائے آب ہو کے جو پتھر کا ہو جگر
چھاتی سے سر لگائے ہوئے تھی وہ نوحہ گر ۔۔۔ رکھے ہوئے تھے دوش پہ منہ شاہ بحر و بر
غم سے جگر لہو تھا شہ مشرقین کا
سیدانیوں میں شور تھا ہے ہے حسینؑ کا

(۶۳)
بنتِ علیؑ کے پیچھے تھی سیدانیوں کی صف ۔۔۔ غل تھا مدد کو آئیے اب یا شہ نجف
لڑیاں تھیں چار ایک سی اشکوں کی دو طرف ۔۔۔ شہ کہتے تھے بہن نہ کرو جان کو تلف
غربت میں اور کوئی نہ یاور نہ عون ہے
تم مر گئیں تو پھر مرے بچوں کا کون ہے

(۶۴)
فرما کے یہ بڑھا پسر ختم مرسلیں ۔۔۔ مشکل تھا ضبط غش ہوئی وہ بیکس و حزیں
ماتم کی صف پہ بیبیاں زینب کو لے گئیں ۔۔۔ خیمے سے نکلے روتے ہوئے بادشاہِ دیں
دامن علم کا کھول کے عباسؑ رک گئے
صف باندھ کر سلام کو مجرائی جھک گئے

(۶۵) دیکھا جو نورِ چہرۂ سردارِ خاص و عام — پڑھنے لگے درود جوانانِ تشنہ کام
سر کو جھکا جھکا کے اٹھے جب وہ نیک نام — جو سر تھا سر جھکانے میں وہ پا گئے امام
یعنی غلام منکسر و خاکسار ہیں
اِس پایۂ عرش قدر پہ یہ سرنثار ہیں

(۶۶) سب فوج کو سلام کا جب دے چکے جواب — پس جانبِ فرس متوجہ ہوئے جناب
روح الامیں نے دی یہ صدا تھام کر رکاب — بسم اللہ اے خدیوِ زماں مالک الرقاب
نورِ محمدی رُخِ انور کی ضو میں ہے
شوکت تری رکاب میں نصرت جلو میں ہے

(۶۷) اس شان سے فرس پہ شہ انس و جن چڑھے — جس طرح نکلے ابر سے خورشید دن چڑھے
بہرِ جہاد راہِ خدا مطمئن چڑھے — گھوڑوں پہ نوجوانوں سے پہلے مُسن چڑھے
سب جاں فشاں سوار تھے راہِ ثواب میں
پیدل مگر تھے ابن مظاہر رکاب میں

(۶۸) بڑھتا تھا خون جوشِ شجاعت سے دمبدم — گردن میں وہ کجی تھی نہ مطلق کمر میں خم — ناسخ
ہر نوجوان سے تھا یہ اشارہ بصد حشم — یعنی جہاں سے جائیں گے سیدھے جناں میں ہم
بر میں زرہ کمان کیانی تھی دوش پر
قبضے پہ ایک ہاتھ تھا ایک نیں پوش پر

(۶۹) ابرو جھکے جو پڑتے تھے پلکوں پہ بار بار — رومال پھاڑ کر انھیں باندھا تھا استوار
آنکھوں سے شیرِ نر کے جلالت تھی آشکار — گویا کہ تھی غلاف میں حیدر کی ذوالفقار
جلدی چلے جو چند قدم جھوم جھوم کے
رعشہ وداع ہو گیا ہاتھوں کو چوم کے

اِک شور تھا کہ عود کیا پھر شباب نے　　پائی دعا حبیب کے حق میں جناب نے
ریشِ سفید رُخ پہ سیہ کی خضاب نے (۶۰)　　پائی یہ آب و تاب کہاں آفتاب نے
لبریزِ نور سینۂ بے کینہ ہو گیا
یوں جھریاں مٹیں کہ تن آئینہ ہو گیا

کہتے تھے باگ روکے ہوئے شاہِ نامدار　　یہ کس لیے پیادہ روی اے نحیف و زار
میں بھی اُتر پڑوں گا نہ ہو گے جو تم سوار (۶۱)　　کرتے تھے عرض یہ کہ توانا ہے جاں نثار
ہر چند پیر خستہ دل و ناتواں شدم
ہر گہہ نظر بروے تو کردم جواں شدم

فرمایا تم کو دیتا ہوں اُس سر کی میں قسم　　جو بعد عصر تیغ سے ہو جائے گا قلم
میں بھی نکالتا ہوں رکابوں سے تو قدم (۶۲)　　اچھا تمہارے ساتھ پیادہ چلیں گے ہم
اب　پہونچو جناں میں بحر مصیبت کو جھیل کے
ہم تم تو ایک گھر میں پلے ساتھ کھیل کے

وہ لوٹنا بھی خاک کا اب تک ہے یادگار　　تم پر بھی گرد تھی مری زلفوں پہ بھی غبار
اُس روز تم پہ مجھ سے سوا تھا نبی کا پیار (۶۳)　　فرماتے تھے یہ ہے مرے پیارے کا دوستدار
شبیرؑ کے حبیب کو پہچانتا ہوں میں
لوٹے گا یہ لہو میں یوہیں جانتا ہوں میں

روکر کہا حبیب نے آخر ہوا وہ دور　　اب اُن کا عہد ہے کہ جو ہیں حاکمانِ جَور
یہ وقت اور کچھ ہے وہ ہنگام تھا کچھ اور (۶۴)　　مولا کبھی رہا نہیں دُنیا کا ایک طور
گردش نئے فلک کی نئے انقلاب ہیں
کوثر ہے جن کا آج وہ محتاجِ آب ہیں

یہ عرض کر کے روئے حبیبِ وفا شعار — جھک کر کہا یہ پیر غلام آپ کے نثار
جب تک سمند پر وہ دلاور ہوا سوار (۷۵) — روکے رہے لجامِ فرس شاہِ نامدار
ہر دوست پر پدر سے زیادہ شفیق تھے
کیا قدرداں وہ شاہ تھا اور کیا رفیق تھے

بس چھیڑ کر فرس کو امامِ زماں بڑھے — آگے جو تھے رُکے ہوئے وہ سب جواں بڑھے
کاندھوں پہ رکھ کے نیزوں کو شیرِ زیاں بڑھے (۷۶) — مشتاق تیغ و خنجر و تیر و سناں بڑھے
یوں طے کیا دلیروں نے اُس راہِ خیر کو
جاتا ہے جس طرح کوئی گلشن کی سیر کو

بشاش قتلگاہ میں پہونچے جو وہ دلیر — نیزوں کو گاڑ گاڑ کے گونجے مثالِ شیر
دعویٰ یہ تھا کہ کیجیو ان سرکشوں کو زیر (۷۷) — عرصہ نہ جنگ میں ہو نہ فتح و ظفر میں دیر
تیغوں سے روم و شام کی بستی اُجاڑ دو
کوفے کے در پہ جا کے نشانوں کو گاڑ دو

حد سے فزوں تھی کثرتِ فوجِ ستم شعار — لکھی ہے راویوں نے چھ لاکھ اور دس ہزار
پیدل تھے بے حساب تو تھے لاتعد سوار (۷۸) — فوجوں کا دست چپ سے بھی ممکن نہ تھا شمار
پیکِ خیال جا کے پھر آتا تھا راہ سے
پنہاں تھی کربلا کی زمیں سب نگاہ سے

اکناف بر و بحر میں لشکر کا تھا مقام — سہل و جبل بھرے ہوئے تھے فوج سے تمام
ناکوں پہ چوکیاں تھیں جزیروں میں اہتمام (۷۹) — مسدود ہو گئی تھی سبیلِ خط و پیام
آیا کبوتر اُڑ کے جدھر صید ہو گیا
قاصد جہاں ملا وہ وہیں قید ہو گیا

ظاہر ہوئی سیاہی لشکر سے دن کو رات　　وہ کشمکش کہ موت کے طالب تھے ذی حیات
دنیا پرست دشمنِ سادات نیک ذات (۸۰)　　مقتل سے کوفے تک تھے قشونِ بد صفات
دریا کے صرف آب سے لب خشک ہو گئے
جتنے کنویں تھے راہ میں سب خشک ہو گئے

دنیا میں نیک کم ہیں بہت اور بد ہزار　　لکھا ہے فوجِ شہ کا کتابوں میں یہ شمار
چالیس کل پیادے تھے بتیس سب سوار (۸۱)　　طفل اُن میں تھے کئی سمن اندام و گلعذار
بڑھ سے قد تھے ایک بھی اُن میں جواں نہ تھا
سبزہ بھی جن کے گورے رخوں پر عیاں نہ تھا

بچوں میں سبزہ رنگ کوئی تھا کوئی صبیح　　شیریں سخن لبوں میں نمک رنگتیں ملیح
چاٹیں لبوں کو اُن کے جو باتیں سنیں فصیح (۸۲)　　مُردوں کو دم میں زندہ کریں صورتِ مسیح
جدّ و پدر کی طرح جری ہیں دلیر ہیں
بچے ہیں یوں پہ غیظ جب آئے تو شیر ہیں

وہ نیمچے ہلال کے دم خم پہ جن کو فوق　　جرأت کا جوش تیغ زنی کا دلوں میں شوق
ہنس ہنس کے زخم کھائیں زبانوں کو اسکا ذوق (۸۳)　　گیسو رخوں پہ کانوں میں بالے گلوں میں طوق
آنکھیں جو نرگسی ہیں تو رخ بھولے بھالے ہیں
نازوں کے منّتوں کے مُراد وں کے پالے ہیں

ایک ایک خوش بیاں تو ہر اک نکتہ سنج ہے　　کچھ پیاس کا نہ غم ہے نہ فاقوں کا رنج ہے
لشکر ہے وہ کہ حسن کی دولت کا گنج ہے (۸۴)　　چہرہ ہر اک کا ماہ چہار و دو پنج ہے
انگڑائیاں جو لیتے ہیں سینوں کو تان کے
کہتا ہے حُسن خود کہ نثار ان کی شان کے

کم گو کوئی متین کوئی شیریں سخن کوئی — بچپن میں سرو قد کوئی رشکِ چمن کوئی
نازک مزاج کوئی تو گل پیرہن کوئی (۸۵) تصویرِ جد کوئی تو شبیہِ حسنؑ کوئی
دولت یہی حسینؑ کے حصے میں آئی تھی
مایہ تھا فاطمہؑ کا علیؑ کی کمائی تھی

شیرانِ دشت کو جگر ایسے نہیں ملے — غواص کو کبھی گہر ایسے نہیں ملے
حمزہؑ کو جنگ کے ہنر ایسے نہیں ملے (۸۶) جعفرؑ نے پائے بال پر ایسے نہیں ملے
جو تھا نبیؐ کے بعد خدا کے ولی کا تھا
حضرت کو وہ ملا کہ جو حصہ علیؑ کا تھا

پہلے پہل جو نکلے تھے گھر سے وہ گلعذار — تیغیں چمکتی دیکھ کے بڑھتے تھے بار بار
فرماتے تھے یہ روک کے عباسؑ نامدار (۸۷) شیرو ابھی نہیں ہے تمہیں حکمِ کارزار
حجت تمام کی نہیں شاہِ غیور نے
سبقت نہ کیجو منع کیا ہے حضور نے

عجلت کو جانتے ہیں سبک جو ہیں بردبار — بے وقت دوڑتے نہیں ذی قدر و ذی وقار
دیکھو تماشہ فوج کی کثرت ہے بے شمار (۸۸) باجے بجا کے کھولیں گے رایت ستم شعار
جلدی نہ کیجو گو کہ لڑائی میں دیر ہو
تم تو خدا کے شیر کے شیروں کے شیر ہو

دستِ ادب کو جوڑ کے بولے وہ نیکنام — کر دیجیے ہمیں علی اکبر کے پاے نام
بیٹے سے مسکرا کے یہ کہنے لگے امام (۸۹) عاشق تمہارے نام کے ہیں یہ فلک مقام
بیٹا یہ سن میں چھوٹے ہیں سب میں بڑے ہو تم
اچھا صف ان کی باندھ کے آگے کھڑے ہو تم

(۹۰)
بپھرے ہوئے ہیں شیر خبردار ہوشیار — کوئی بڑھانے پائے نہ اِس صف سے راہوار
عجلت ہر ایک امر میں بچوں کا ہے شعار — بہلا کے روکے رہیو انھیں تم پہ میں نثار
جان اپنی سب دیئے ہیں بزرگوں کے نام پر
گھوڑے اُڑا کے جا نہ پڑیں فوج شام پر

(۹۱)
تسلیم کر کے شہ کو مرتب جو کی وہ صف — سب جس لڑی میں تھے گہرِ قلزمِ شرف
فرقت میں جن کی چاک رہا سینۂ صدف — زہرا کے رشتہ دار یداللہ کے خلف
اُن سے کسے جہان میں عشقِ ولی نہیں
اب تک وہ آبرو تو کسی کو ملی نہیں

(۹۲)
شرمندہ جس سے چاند ہو چہرے وہ تابناک — دل بلبلوں کے خوں تو گریباں گلوں کے چاک
خود دادی السلام جو چھانے نجف کی خاک — ایسے کبھی ملیں نہ گہر ہائے صاف و پاک
تسبیح ہاتھ آئی یہ کس نیک نام کو
دُرِ نجف تھے وہ جو ملے تھے امام کو

(۹۳)
شیرِ خدا کے سات جگر بند نامدار — دو نو نواسے حضرتِ زینب کے گلعذار
پوتے چھوؤں وحیدِ زماں فخرِ روزگار — یکتائے دہر پانچ بھتیجے فلک وقار
خود جس کی فرع و اصل علیؑ و رسولؐ تھے
یہ سب اُسی درخت کی شاخوں کے پھول تھے

(۹۴)
یوسف تھے ایک مصر میں اور مشتری ہزار — کیف و کمِ ثمن ہے کتابوں سے آشکار
یوسف سے کربلا میں تھے اٹھارہ گلعذار — عالم کی جان فخرِ حسینانِ روزگار
یاں منزلت بھی قدر بھی قیمت بھی فوت تھی
زہرا کے یوسفوں کی خریدار موت تھی

تیغ و ترنج اگر ہوں ہلال اور آفتاب   سرکاؤں چہرۂ علی اکبر سے پھر نقاب
حوریں گلوں کے کاٹ کے تڑپیں رہے نہ تاب (۹۵) گر دیکھتیں وہ حُسن ملیح اور وہ شباب
پریاں تو اُن کے سائے کا پیچھا نہ چھوڑتیں
دامن کبھی جناب زلیخا نہ چھوڑتیں

لاریب فیہ حُسن میں یوسف تھے بے مثال   لیکن نہ تھی ملاحتِ محبوبِ ذوالجلال
مثلِ نبی ملیح تھے یہ سب نکو خصال (۹۶) گستاخیاں معاف ادب کا بھی ہے خیال
شور آج تک ہے خوبیِ یوسف میں شک نہیں
پھیکا ہے پر وہ حُسن کہ جس میں نمک نہیں

ناگہ نشاں بڑھا کے اُدھر کی سپاہ نے   کھولا اِدھر علم کو علمدار شاہ نے
چوما نشاں کو بڑھ کے ہر اک خیر خواہ نے (۹۷) طوبیٰ لکم کہا شہ عالم پناہ نے
رفعت بڑھی زمیں سعادت سرشت کی
ٹھنڈی ہوا پھریرے سے آئی بہشت کی

رایت وہ سبز لشکرِ سادات کا نشاں   دامانِ پاک کشتیِ اُمّت کا بادباں
پنجہ مثال پنجۂ خورشید زر فشاں (۹۸) پرچم تھا بال کھولے تھی یا حورِ جناں
مشک و عبیر و عود کا بازار سرد تھا
مٹی کا عطر خاک کی خوشبو سے گرد تھا

نقارۂ وغا پہ لگی چوب ناگہاں   گردونِ دوں سے پار ہوئی طبل کی فغاں
شیپور کے غریو سے ہلتا تھا آسماں (۹۹) وہ بوق کی مہیب صدا تھی کہ الاماں
نیزوں کو ہر سوار اُدھر تولنے لگا
گونجے اِدھر بھی شیر کہ رن بولنے لگا

شہنا کا شور سُن کے لرزتا تھا بند بند — برچھی ہلی رسالوں میں نیزے ہوئے بلند
صحرائے ہولناک کی وحشت ہوئی دوچند — ڈر کر کنوتیوں کو بدلنے لگے سمند (۱۰۰)
سُن کر دُہل کا شور کلیجے دہل گئے
صحرا سے دَب کے شیر نیستاں نکل گئے

پیاسوں پہ جب اُدھر سے چلے تیر بیشمار — مولا نے غازیوں کو دیا حکم کارزار
نکلے وغا کو قبلۂ عالم کے جاں نثار — جن کی شجاعتیں ہیں زمانے میں یادگار (۱۰۱)
ہونگے نہ ہیں نہ ایسے کبھی باوفا ہوئے
سب جان دے کے حق نمک سے ادا ہوئے

حر و بریر و وہب و عمیر فلک مقام — وہ مسلم ابن عوسجۂ عرش احتشام
سعد و ظہیر قین و حبیب خجستہ کام — وہ شیر جس کا بوعمر نہشلی تھا نام (۱۰۲)
جس غول پر جھپٹ کے یہ آئے وہ ہٹ گیا
ایک ایک مرتے مرتے پروں کو اُلٹ گیا

نکلے وغا کو ایلچی شاہ کے پسر — ماتم میں تھے کہ تھا ابھی تازہ غم پدر
فوجوں پہ حملہ ور ہوئے جس دم وہ شیر نر — دم میں تنوں سے کٹ کے گرے کوفیوں کے سر (۱۰۳)
رن پر چڑھے جو سوگ کے کپڑے اُتار کے
مارے گئے وہ شیر ہزاروں کو مار کے

لاشوں کو قتلگاہ سے لے آئے جب حسینؑ — نکلے پیے سے حضرتِ زینب کے نورِ عین
کی عرض یا امامِ زماں شاہِ مشرقین — رانڈوں میں ہے یتیموں کے ماتم کا شور و شین (۱۰۴)
پھر وقت کون سا ہے جو اب ہم فدا نہ ہوں
دل تھرتھرا رہے ہیں کہ اماں خفا نہ ہوں

فرمایا کیا نہ جاؤ گے رخصت کو ماں کے پاس　　دونوں نے ہاتھ جوڑ کے تب کی یہ التماس
اکبر سے آپ پوچھ لیں یا شاہِ حق شناس (۱۰۵)　　فرما چکی ہیں والدۂ آسماں اساس
اب گھر میں آئیو تو وغا کر کے آئیو
سر لے کے ابن سعد کا یا مر کے آئیو

فرمایا خیر فوج سے جنگ و جدل کرو　　جو ماں نے کہہ دیا ہے اُسی پر عمل کرو
ہاں خواہشِ وصالِ عروسِ اجل کرو (۱۰۶)　　بچپن میں یاس بقا کو فنا سے بدل کرو
راحت نے اس طرف نہ کیا رخ نہ چین نے
دیکھے نہ ماں نے بیاہ نہ سہرے حسینؑ نے

تسلیم کر کے گھوڑوں پہ وہ نازنیں چڑھے　　غل پڑ گیا جہاد پہ دو مہ جبیں چڑھے
یوں اشہبوں پہ دلبرِ ضرغامِ دیں چڑھے (۱۰۷)　　نظروں سے سب اُتر گئے گھوڑے زیں چڑھے
پریاں نکل کے قاف کی راہوں سے چھپ گئیں
دو بجلیاں چمک کے نگاہوں سے چھپ گئیں

پہونچے جو رن میں برجِ شرف کے وہ آفتاب　　نیزے زمیں پہ گاڑ دیے مثلِ بوتراب
نعرہ کیا کہ او پسرِ سعد بے حجاب (۱۰۸)　　ہمراہ لے کے شمر کو آ سامنے شتاب
گو سیکڑوں سوار ہزاروں پیادے ہیں
تلوار پہلے تجھ سے چلے یہ ارادے ہیں

ہم نے سنا یہ ہے کہ قریشی نسب ہے تو　　نیکوں میں بد بنے ہیں بدوں میں خجستہ خو
ہم ٹوکتے ہیں او سگِ ناپاک کینہ جو (۱۰۹)　　شیروں سے آ وغا کو جو ہے پاس آبرو
فاقوں میں زور دیکھ جدال و قتال دیکھ
دعویٰ ہے کچھ تو ہاشمیوں کا جلال دیکھ

(۱۱۰) ماں بنت فاطمہؑ ہیں بنی فاطمہؑ ہیں ہم — دادا ہیں ابن عم رسول فلک حشم
ہیں اس طرح نسب میں نبیؐ و علیؑ بہم — دو نام گو ہیں ایک ہے پر کعبہ و حرم
بھائی جُدا ہے خویش جُدا ہے وصی جُدا — ہیں
اُن سے علیؑ جدا نہ خدا سے نبیؐ جدا
صلی اللہ علیہ وسلم

(۱۱۱) بے فصل ہے وصیِ نبیؐ مالک الرقاب — ضرغام دیں مدینۂ علم نبیؐ کا باب
دریائے فیضِ رحمتِ معبود کا سحاب — نورِ خدا سپہر جلالت کا آفتاب
جو اُن سے منحرف ہوا وہ دوزخی ہوا
ایسا شجاع کوئی نہ ایسا سخی ہوا

(۱۱۲) کھف الورٰی سراجِ ہدیٰ حجتِ خدا — جس سے فزوں کسی نے نہ کی طاعتِ خدا
خاکی نہاد و آئینۂ قدرتِ خدا — ہر ضرب جس کے ہاتھ کی تھی ضربتِ خدا
حق ساتھ ہے حسینؑ کے ہم اُنکے ساتھ ہیں
پہونچا علیؑ کا زور جنہیں یہ وہ ہاتھ ہیں

(۱۱۳) چھوٹے نے کی یہ عرض کہ بڑھیے بس اب حضور — مخفی ہوا ہے خیمے میں ڈر کر وہ بے شعور
ہوتا ہے اور دھوپ سے اب پیاس کا فتور — مرنا ہے ہر طرح یہ تامل ہے کیا ضرور
دو ہاتھ میں بھگا کے سواروں کو گھاٹ کے
خیمہ گرا دو اُس پہ طنابوں کو کاٹ کے

(۱۱۴) کھینچے یہ کہہ کے تیغے دونوں نے یک بہ یک — پہونچی زمیں سے آئینۂ مہرتاب چمک
گاؤ زمیں ادھر تھی ہراساں اُدھر سمک — دب کر پروں پہ نادِ علی پڑھتے تھے ملک
غل تھا چمک دمک وہی سب آشکار ہے
آ[illegible] تیغ یا ذوالفقار ہے

دو بجلیاں سپاہ میں کوندیں فرس بڑھے   جس طرح قافلے سے صدائے جرس بڑھے
اب کون روکے شیر بڑھے جب تو بس بڑھے (۱۱۵)   مقتل میں بیس ہو کے گرے وہ جو دس بڑھے
بچوں نے زور حق کے ولی کا دکھا دیا
سب رنگ ڈھنگ ضرب علی کا دکھا دیا

وہ اُنکے اشہبوں کی رواروی اِدھر اُدھر   کاوے میں پس کے مرگئے سو سو اِدھر اُدھر
تابندہ تھے جو آٹھ مہِ نو اِدھر اُدھر (۱۱۶)   پھیلی ہوئی زمین پہ تھی ضو اِدھر اُدھر
کیلوں سے آشکار تھے جلوے نجوم کے
پریاں تھیں دو کہ پھر رہی تھیں جھوم جھوم کے

آئے جدھر خدا کا غضب آگیا اُدھر   پلٹے جدھر یہ رعب علی چھا گیا اُدھر
جھپٹے جدھر شکست عدو پا گیا اُدھر (۱۱۷)   ٹھہرے جہاں کسی سے نہ دیکھا گیا اُدھر
انساں تو کیا ہے شیروں کے زہرے بھی آب ہیں
آنکھیں ملائے کون کہ دو آفتاب ہیں

کیا دونوں تازیوں کی سبک تازیاں لکھوں   کیونکر رواروی میں خوش اندازیاں لکھوں
کس طرح نیمچوں کی سرافرازیاں لکھوں (۱۱۸)   کیا دونوں شاہزادوں کی جانبازیاں لکھوں
پوتے ہیں کس جری کے خلف کس ولی کے ہیں
اعلیٰ یہ مدح ہے کہ نواسے علیؑ کے ہیں

جو شیر حق میں تھی وہ شجاعت انھیں میں ہے   جعفرؑ کی شان و شوکت و صولت انھیں میں ہے
شبیر سے کریم کی ہمت انھیں میں ہے (۱۱۹)   کونین بخش دیں یہ سخاوت انھیں میں ہے
گو ان کے مدح خوانوں کے لب پہ سوال ہیں
منہ بھر دیں موتیوں سے یہ زینب کے لال ہیں

وہ چھوٹے چھوٹے خود وہ پیشانیوں کی شان   وہ دبدبہ وہ رعب وہ عمرانیوں کی شان
دینداریوں کا نور خدادانیوں کی شان (۱۲۰) وہ دونوں نیمچوں کی سرافشانیوں کی شان
پیہم چلے پہ زور گھٹا کچھ نہ کس گیا
جب چمکے مینہ سروں کا سراسر برس گیا

جس صف پہ دُور سے وہ جلالت قریں بڑھے   غل پڑ گیا کہ دلبرِ ضرغام دیں بڑھے
وہ کیا بڑھے کہ دو اسدِ خشمگیں بڑھے (۱۲۱) شیروں کا وہ شکار ہوئے جو لعیں بڑھے
زندے بھی کشتۂ خطر و بیم ہو گئے
دُو حصّہ ہو کے موت میں تقسیم ہو گئے

چلّے سے جس کا تیر ملا تن پہ سر نہ تھا   جز گوشۂ مزار کسی جا مفر نہ تھا
زندہ جو بھاگنے میں اِدھر تھا اُدھر نہ تھا (۱۲۲) کشتوں کے پشتے تھے کہ نظر کا گذر نہ تھا
دریا تھا یا سیاہ صفیں تھیں کہ موج تھی
دو بجلیوں کے بیچ میں اعدا کی فوج تھی

نیزوں میں جس طرف وہ گئے بید ھڑک گئے   شیروں کی بو جو آ گئی گھوڑے بھڑک گئے
زندوں کے خوفِ جاں سے کلیجے دھڑک گئے (۱۲۳) زخموں میں کیا مزا تھا کہ بسمل پھڑک گئے
یکسر قدم سپاہ کے دریا سے اُٹھ گئے
ہونٹوں کو چاٹتے ہوئے دنیا سے اُٹھ گئے

وہ گورے گورے ہاتھ وہ نازک کلائیاں   وہ بازوؤں کا زور وہ تیغ آزمائیاں
وہ نیمچوں میں سیفِ علی کی صفائیاں (۱۲۴) وہ ولولے وہ پہلے پہل کی لڑائیاں
جس غول پر وہ صاحبِ شمشیر آ پڑے
ثابت ہوا کہ فوج پہ دو شیر آ پڑے

جس پہلواں پہ عون کی تلوار پڑ گئی چہرہ تو کیا ہے زیست کی صورت بگڑ گئی
چھوٹے کی آنکھ جس سے لڑائی میں لڑ گئی (۱۲۵) سر تیز اک سناں تھی کہ پتلی میں گڑ گئی
آنکھوں کو روکے صف سے وہ مردک نکل گیا
گویا قفا کو توڑ کے ناوک نکل گیا

اک شور تھا کہ چشم نمائی غضب کی ہے آفت کا معرکہ ہے لڑائی غضب کی ہے
یہ گھاٹ قہر کا یہ ترائی غضب کی ہے (۱۲۶) چھوٹے سے نیمچوں کی صفائی غضب کی ہے
دونوں ہیں نورِ عین علیؑ سے غیور کے
آنکھیں نکال لیں کوئی دیکھے تو گھور کے

جس پر اُڑا کے رخش وہ جانباز آ پڑا ثابت ہوا کہ صید پہ شہباز آ پڑا
ڈوبے کے تیغ پر وہ فسوں ساز آ پڑا (۱۲۷) خود مُنہ کے بھل سمند سبکتاز آ پڑا
بڑھتا تھا آپ سے نہ کوئی جنگ کے لیئے
لاتی تھی موت گھیر کے چورنگ کے لئے

اللہ کا غضب اُدھر آیا جدھر بڑھے پہونچا سروں پہ تیغ کا سایہ جدھر بڑھے
جلوہ عروسِ فتح نے پایا جدھر بڑھے (۱۲۸) گھونگھٹ سپاہِ شام نے کھایا جدھر بڑھے
گرتی تھی برق لشکرِ ابن زیاد پر
گویا چڑھے تھے دو نئے دولہا جہاد پر

ماتھے وہ اور وہ پیچ عماموں کے لٹ پٹے گیسو وہ بنت فاطمہ کے ہاتھ کے بٹے
وہ ابرووں کے خم کہ ہلالِ فلک کٹے (۱۲۹) آنکھیں وہ نرگسی کہ نہ جن سے نظر ہٹے
چہرے کسی نے دیکھے ہیں اِس آب و تاب کے
رخسار چار پھول کھلے ہیں گلاب کے

وہ برگِ گل سے لب وہ دہن اُن کے تنگ تنگ　　نہ بھینی بھینی بو کسی غنچے میں وہ نہ رنگ
لعل و گہر ہیں اُن لب و دنداں کے آگے دنگ　　اک منجمد یہ قطرۂ نیساں ہے اور وہ سنگ (۱۳۰)
تشبیہ بھی جو اُن سے نہ دی ناامید ہیں
اس غم سے موتیوں کے کلیجوں میں چھید ہیں

گورے گلے کہ جن سے نمایاں ہے نورِ حق　　سُرخی نہیں یہ مہرِ منور پہ ہے شفق
وہ پنجے وہ ہاتھ دلِ کفر جس سے شق　　سینے ہیں ایک مصحفِ ناطق کے دو ورق (۱۳۱)
خالی ہیں گو شکم پہ یہ جرّار سیر ہیں
فاقہ تو ارث ہے کہ یہ شیروں کے شیر ہیں

اُن دونوں اشہبوں کی وہ چھلبل وہ تنگ جاے　　جو اُن کی چال دیکھنے آئے وہ دنگ جاے
صورت کا نہ بناؤ نہ سرعت کا ڈھنگ جاے　　اُڑتے تھے یوں کہ جیسے ہوا پر خدنگ جاے (۱۳۲)
پریاں تھیں دو وہ اسپ سعادت اثر نہ تھے
سب تھی ہما کی تیز پری اور پر نہ تھے

اسوار آفتاب تو گھوڑے بھی ماہرو　　سُرعت یہ تھی کہ دوڑتا تھا جسم میں لہو
جاندار و خوش رکاب و سعید و خجستہ خو　　صاف آتی تھی پسینے سے جن کے وفا کی بو (۱۳۳)
ڈھالا تھا جوڑ بند کو سانچے میں نور کے
نازک کلائیاں تھیں کہ پہنچے تھے حور کے

دونو کنوتیاں کہ دو پیکان تیر ہیں　　چاروں سُم اُن کے غیرتِ بدرِ منیر ہیں
آنکھوں پہ کیجیے جو نظر بے نظیر ہیں　　بال ایسے جن کے پیچ میں پریاں اسیر ہیں (۱۳۴)
سرعت میں اُن سے طیر کو نسبت نہ تیر کو
نرمی یہ جلد میں کہ خجالت حریر کو

آئے اُدھر سے گر تو اُدھر سے نکل گئے　　پہونچے کنارِ بحر تو بر سے نکل گئے
مانندِ برق لشکرِ شر سے نکل گئے　(۱۳۵)　دو تیر آگے تیرِ نظر سے نکل گئے
یوں پھر رہے تھے بیچ میں فوجِ غنیم کے
جیسے سحر کو چلتے ہیں جھونکے نسیم کے

غنچے تھے دو ملے ہوئے اک جا کہ اُن کے گوش　　برگستواں میں جسم کہ رستم تھا درعہ پوش
سُرعت کو دیکھ لیں تو اُڑیں طائروں کے ہوش　(۱۳۶)　گرتا تھا منہ سے کف تو شجاعت کا تھا یہ جوش
پریاں اُڑا سکیں نہ روش اُن کی چال کی
بالکل مزاج شیر کا آنکھیں غزال کی

وہ سُم وہ نعل اور وہ سینے وہ ترک و تاز　　بدر و ہلال و آئینہ و کبک و شاہباز
زیور تھا ایک شب کی دُلھن کا کہ اُنکے ساز　(۱۳۷)　وہ کلغیاں کہ طرۂ لیلیٰ سے سرفراز
بن کر گہر پسینے کے قطرے ٹپکتے تھے
ہیکل کی تختیاں کہ ستارے چمکتے تھے

گو چھوٹے چھوٹے پاؤں نہ جاتے تھے تا رکاب　　پر پٹریاں جمی ہوئی تھیں مثلِ بوتراب
یوں مرکبوں کے باندھے تھے سر وہ فلک جناب　(۱۳۸)　بیجا قدم رکھیں یہ سمندوں کو تھی نہ تاب
غل تھا ہٹے رہو کہ مزاج ان کا آگ ہے
حیدر سے شہسوار کی یہ ران باگ ہے

گھوڑوں نے کس سپے میں قیامت بپا نہ کی　　فاقہ تھا پر کمی تگ و دو میں ذرا نہ کی
وہ کون سی گرہ تھی کہ تیغوں نے وا نہ کی　(۱۳۹)　کن سرکشوں کے جسم سے گردن جُدا نہ کی
نیزوں کے بند قطع کمانوں کے ساتھ تھے
حلالِ مشکلات کے بچوں کے ہاتھ تھے

پیاسوں کے نیچے بھی غضب آبدار تھے — سیلِ فنا تھے صاعقۂ شعلہ بار تھے
دونو بہم جو ہو کے اُٹھے ذوالفقار تھے (۱۴۰) سائے کو بھی شریک جو کیجیے تو چار تھے
دو کرتے تھے یہ راکب و مرکب کو زین کو
دو ہاتھ کاٹ دیتا تھا سایہ زمین کو

قبضے وہ تکیہ گاہ ظفر جن کا نام ہے — پھل وہ کہ جن کو کھاتے ہی قصہ تمام ہے
پانی وہ جس کو کہیے کہ زہر التیام ہے (۱۴۱) کاٹ ایسا سنگ سخت جہاں موم خام ہے
جوہر وہ دم نکلتے ہیں جن کی مثال پر
افشاں چنی ہوئی ہے جبینِ ہلال پر

فولاد پوش پھینک کے ہتھیار چھپ گئے — گوشوں میں سر جھکا کے کماندار چھپ گئے
چار آٹھ میں جو قتل ہوئے چار چھپ گئے (۱۴۲) زخموں کے گل بہت جو کھلے خار چھپ گئے
مشکل وہاں تمیز بد و نیک ہو گئی
غل تھا کہ لو بہار و خزاں ایک ہو گئی

جن کے جسے تھے رنگ وہ بے رنگ ہو گئے — لڑنے کا حوصلہ نہ رہا تنگ ہو گئے
چار آئینے جو پہنے تھے چو رنگ ہو گئے (۱۴۳) بچوں نے وہ کیا کہ جواں دنگ ہو گئے
مہلت نہ سر اُٹھانے کی تھی فوج شام کو
دونا بلند کر گئے جعفرؑ کے نام کو

کوئی بچے نہ رومی و رازی جدھر پھرے — جھک جھک گئیں صفیں وہ نمازی جدھر پھرے
غازہ لگا یا فتح نے غازی جدھر پھرے (۱۴۴) بس پا تھے یکہ تازوہ تازی جدھر پھرے
دھوئیں وغا کی قافلے سے تا قاف ہو گئیں
اللہ رے مصاف صفیں صاف ہو گئیں

جا پہونچے ننھے خیام بن سعد کے قریں کتنی طنابیں کاٹ چکے تھے یہ مہ جبیں
ہاں ہاں کا شور کر کے بڑھے سب عدوئے دیں (۱۴۵) بھاگا عقب سے چیر کے خیمے کو وہ لعیں
بھاگا اُدھر تو جوش میں وہ اضطراب کے
یہ دونوں بھائی رہ گئے ہونٹوں کو چاب کے

چھوٹے نے عرض کی یہ سراپا ہیں مکر و کید دیکھا حضور چھُٹ گیا پنجے میں آ کے صید
چھپنے کی شرم ہے نہ اُنھیں بھاگنے کی قید (۱۴۶) فرمایا عون نے یہ ہیں اُستاد زرق و شید
بھاگا طناب کٹتے ہی کیا حیلہ ساز ہے
سچ ہے حرام زادے کی رسّی دراز ہے

بڑھ کر پکارے حضرت عباسؑ عرش جاہ کس سمت ابن سعد ہے او شمر روسیاہ
ذلّت اُٹھا کے بھاگ گیا افسرِ سپاہ (۱۴۷) رو کے گئے نہ ایک سے دو طفل واہ واہ
سرسبز ہوتے ہیں ہمیں جب کھیت پڑتے ہیں
یوں لشکروں سے شیر کے فرزند لڑتے ہیں

ہاں مرد گر ہے سامنے بچّوں کے آ تو جائے بھاگے گا پھر تو خیر کوئی زخم کھا تو جائے
مخفی کدھر ہے شیروں کو صورت دکھا تو جائے (۱۴۸) بگڑی ہوئی لڑائی کو ظالم بنا تو جائے
بپھرے ہیں شیر ہاتھ میں تیغ و سپر تو لے
گرتا ہے وہ جُھکا ہوا خیمہ خبر تو لے

بھاگا رئیس خود یہ خبر چار سو گئی عزّت سبھوں کی آج گئی آبرو گئی
آخر شغال تھا نہ دبکنے کی خو گئی (۱۴۹) خلعت پہن کے بھی نہ رذالت کی بو گئی
جب کچھ کڑی پڑی تو جفا جو نکل گیا
ضیغم جلال میں ہیں کہ آہو نکل گیا

مرتا ہے بے حیا زر و جاگیر و مال پہ　　اِک نیمچے کا وار بھی روکا نہ ڈھال پر
آنکھیں چُرائیں شیر جب آئے جلال پہ (۱۵۰)　　سر دار ہو کے چھپ گیا تُف اس جدال پر
پائے نہ گر شکار تو جانباز کیا کرے
کنجشک جب نہاں ہو تو شہباز کیا کرے

باتوں میں اتنا تھم جو گئے وہ فلک پناہ　　خیمے کو لے کے پشت پہ سب جم گئی سپاہ
دریا کی فوج اُدھر سے ہوئی بڑھ کے سدِّراہ (۱۵۱)　　چاروں طرف سے گھر گئے زینب کے رشکِ ماہ
پتھر بھی تیر ظلم بھی نیزے بھی چل گئے
سینوں کو توڑ توڑ کے ناوک نکل گئے

یوں تیر کھا کے فوج پہ جاتے تھے وہ دلیر　　غصّے میں جس طرح کہ جھپٹتا ہے زخمی شیر
لشکر کو کر دیا تھا زبردستیوں سے زیر (۱۵۲)　　انبار ادھر سروں کے اُدھر زخمیوں کے ڈھیر
دیکھا غضب سے جس کی طرف زرد ہو گیا
تلوار جس پہ تن سے چلی سرد ہو گیا

تیغیں قریب سے جو لگاتے تھے اہلِ شر　　اک بھائی بڑھ کے ہوتا تھا اک بھائی کی سپر
عباسؑ پھر کے دیتے تھے حضرت کو یہ خبر (۱۵۳)　　کیا لڑ رہے ہیں آپ کی ہمشیر کے پسر
نامی جوان بھاگ گئے شام و روم کے
خیمے پہ جا پڑے پسرِ سعد شوم کے

پر اب خدا بچائے کہ فوجیں کثیر ہیں　　تیغیں ہیں برچھیاں ہیں سناں ہیں تیر ہیں
رو کر امامِ دیں نے کہا اب اخیر ہیں (۱۵۴)　　کب تک لڑیں کہ تشنہ دہن ہیں صغیر ہیں
نو دس برس ہیں ماں سے بچھڑنے کے دن تھے
یہ کھیلنے کی فصل تھی لڑنے کے دن نہ تھے

زینب کھڑی تھیں پردے کے پیچھے جو بیقرار   فضہ خبر یہ دیتی تھی جا جا کے بار بار
کیا لڑ رہے ہیں جعفرؑ و حیدرؑ کے یادگار (۱۵۵)   حضرت سے مدح کرتے ہیں عباس نامدار
جس وقت ذکر معرکہ آرائی ہوتے ہیں
رومال رکھ کے آنکھوں پہ حضرت بھی روتے ہیں

رو کر کہا کہ روتے ہیں کس واسطے امام   میں اک کنیز ان کی وہ دونوں پسر غلام
مجھ کو دکھا تو دے کہ کدھر ہیں وہ لاکلام (۱۵۶)   اس نے کہا کہ چھائی ہے جنگل میں فوج شام
لاکھوں سے معرکہ ہے مگر با حواس ہیں
بی بی وہ ابن سعد کے خیمہ کے پاس ہیں

تلوار چل رہی ہے کہ اللہ کی پناہ   ڈھالوں کی بدلیوں میں چھپے ہیں وہ رشک ماہ
کثرت ہے اس قدر کہ پہونچتی نہیں نگاہ (۱۵۷)   وہ بھاگتی ہے اور پلٹتی ہے سب سپاہ
آواز دار و گیر کی گردوں پہ جاتی ہے
دونوں کے نیمچوں کی چمک یاں تک آتی ہے

طبل ظفر پہ چوب لگی یک بہ یک ادھر   ڈیوڑھی سے آئیں خیمے میں زینب جھکائے سر
عباسؑ نے کہا شہ والا سے دوڑ کر (۱۵۸)   چلیے حضور لٹ گیا بنت علی کا گھر
گھبرا کے کشمکش میں دم ان کے نکل نہ جائیں
لاکھوں سوار ہیں کہیں بچے کچل نہ جائیں

تلوار لے کے قاسم شیریں سخن بڑھے   عباسؑ کیا بڑھے شہ خیبر شکن بڑھے
مانند شیر اکبر گل پیرہن بڑھے (۱۵۹)   فرزند سے یہ کہہ کے امام زمن بڑھے
پردے میں اہلبیت نبی کے خلل نہ آئے
ڈیوڑھی پہ تم رہو کہیں زینب نکل نہ آئے

پہونچے یہ تینِ شیر جو مقتل میں ایک بار — کیا بیدلوں کا ذکر فراری ہوئے سوار
ریتی پہ شہ کو یوں نظر آئے وہ گلعذار (۱۲۰) — بند آنکھیں مُنھ کھُلے ہوئے ہونٹوں پہ جان زار
دُنیا سے وقت کوچ بھی دونوں کا ساتھ ہے
گردن میں ایک بھائی کی بھائی کا ہاتھ ہے

بچوں کو جاں کنی میں جو پایا حسینؑ نے — بوسے لئے گلے سے لگایا حسینؑ نے
آنکھوں سے خوں جگر کا بہایا حسینؑ نے (۱۲۱) — ہاتھوں سے بھیجوں کو چھڑایا حسینؑ نے
آغوش میں بڑے کو شہنشاہ لے چلے
چھوٹے کی لاش قاسمِ ذی جاہ لے چلے — نوشاہ

پہونچے قریب خیمہ جو شاہِ فلک سریر — تھا غیر حال مر گئے رستے میں وہ صغیر
پردہ اُلٹ کے خیمے کا باحالتِ تغیر (۱۲۲) — فضّہ پکاری اے حرمِ شاہِ قلعہ گیر
دوڑو حسینؑ خیمے میں لاشوں کو لاتے ہیں
دولھا بنے ہوئے مرے شہزادے آتے ہیں

دوڑے اُدھر سے چھاتیوں کو پیٹتے حرم — ڈیوڑھی سے پہلے آیا لچکتا ہوا علم
رایت کے نیچے بچوں کی تھیں میتیں بہم (۱۲۳) — آ پہونچے لڑکھڑاتے ہوئے سرورِ اُمم
لاشوں کے آگے اکبرِ یوسف جمال تھے
کپڑے ہر اک کے خون سے بچوں کے لال تھے

ماتم کی صف سے اُٹھ گئیں زینب یہ کہہ کے بات — لوگو کہو یہ کون سے دولھا کی ہے برات
لاشوں کو رکھ کے غش ہوئے سردارِ کائنات (۱۲۴) — دوڑیں لٹا کے بچے کو بانوئے خوش صفات
لڑکے بھی چھاتیوں کو بہم پیٹنے لگے
لاشوں کے گرد آکے حرم پیٹنے لگے

بیٹھی تھیں ایک گوشے میں زینب جو ننگے سر ۔۔۔ واں جا کے بولیں بانوئے ناشاد و نوحہ گر
پُرسے کو لوگ جمع ہیں چلیے ذرا اُدھر (۱۲۵) ۔۔۔ فرمایا میں نہ جاؤں گی بچوں کی لاش پر
آنچ آ ممتا کے دل کو جلائے تو کیا کروں
گر فرق میرے صبر میں آئے تو کیا کروں

بس سُن چکی کہ نام کیا خوب لڑ چکے ۔۔۔ لاشوں پہ لاشیں لوٹ چکیں کھیت پڑ چکے
کنبہ تمام ہو چکا دو گھر اُجڑ چکے (۱۲۶) ۔۔۔ گودی میں جو پلے تھے وہ بچے بچھڑ چکے
اب اُن کا غم نہ فکر مرے گھر کی چاہیے
بی بی سلامتی علی اکبر کی چاہیے

بھائی کے آگے لاشوں پر جا کر کروں میں بین ۔۔۔ بے صبر ہے یہ دل میں کہیں گے مجھے حسین
گر مر گئے تو مر گئے وہ دونوں نورِ عین (۱۲۷) ۔۔۔ کیونکر چلوں کھڑے ہیں شہنشاہ مشرقین
روؤں گی میں تو پھر علی اکبر بھی روئیں گے
صدمہ یہ مجھکو ہے کہ برادر بھی روئیں گے

بھائی کا حق ادا ہوا احسان کردگار ۔۔۔ رونا ہے واں بھی میں یہیں رولوں گی زار زار
لاشوں کو دیکھ کر مرا دل ہوگا بیقرار (۱۲۸) ۔۔۔ کی عرض آپ صاحبِ ماتم ہیں میں نثار
چلیے نہ ضبط کیجیے فریاد و آہ کو
لاشوں پہ بھانجوں کی غش آیا ہے شاہ کو

لاشوں پہ لائیں بیبیاں زینب کو تھام کر ۔۔۔ ماتم کی صف پہ گر پڑی وہ سوختہ جگر
بولیں بڑھا کے دستِ مبارک ادھر اُدھر (۱۲۹) ۔۔۔ بچے کدھر ہیں مجھ کو کچھ آتا نہیں نظر
کیسی دھڑا دھڑی ہے یہ کیوں بین ہوتے ہیں
لوگو نہ غل مچاؤ مرے لال سوتے ہیں

ماں صدقے جائے لو مرے زانو پہ سر رکھو   اِس بیکسی میں ماں کی بھی جانب نظر رکھو
لازم نہیں کہ ہاتھ سے تیغ و سپر رکھو (۱۷۰)   آفت میں ماموں جان کی اپنے خبر رکھو
دیکھو نہ آنچ آئے شہ خوش خصال پر
فوجوں کی پھر چڑھائی ہے زہرا کے لال پر

کیسی یہ نیند آج ہے پیارو اُٹھو اُٹھو   ماموں کے ساتھ رن میں سدھارو اُٹھو اُٹھو
کپڑے لہو بھرے یہ اُتارو اُٹھو اُٹھو (۱۷۱)   گیسو اُلجھ گئے ہیں سنوارو اُٹھو اُٹھو
اِن پیاری پیاری آنکھوں پہ اماں نثار ہو
انگڑائیاں تو لو کہ جگر کو قرار ہو

سینوں سے تو زمیں پہ رکھو ہاتھ اُتار کے   باندھو کھلے ہوئے یہ عمامے سنوار کے
اماں نثار گیسوؤں کے تار تار کے (۱۷۲)   چونکو اُٹھو کلام کرو ماں سے پیار کے
نخلِ مراد میں نہ ثمر ہے نہ برگ ہے
اب سمجھی میں یہ نیند نہیں خواب مرگ ہے

لاکھوں سے معرکے میں وغا کر کے آئے ہو   بچپن کی غفلتیں یہ نہیں مر کے آئے ہو
دولھا بنے ہو خون میں سب بھر کے آئے ہو (۱۷۳)   صدقے گئی رولانے کو مادر کے آئے ہو
مجھ سے بچھڑ کے تم اسی منزل میں رہ گئے
ارمان شادیوں کے مرے دل میں رہ گئے

کیونکر ملے گا ماں کو تمہارا سراغ ہائے   لوٹا اجل نے حیدر و جعفر کا باغ ہائے
یوں بجھ گئے ہمارے لحد کے چراغ ہائے (۱۷۴)   میرا بڑھاپا اور یہ بچوں کے داغ ہائے
ہے ہے یہ گھر بھرا ہوا ویران کر گئے
اماں کی قبر بننے نہ پائی کہ مر گئے

کس طرح دیکھوں خاک میں چہرے اٹے ہوئے ‏ اُلجھے ہیں میرے ہاتھ کے گیسو بٹے ہوئے
سینے فگار چاند سے بازو کٹے ہوئے ‏(۱۶۵) ہے ہے کفن بنے یہی کپڑے پھٹے ہوئے
نہ کچھ تزک نہ غسل شہیدوں کو چاہیے
مرنا یوہیں جہاں میں سعیدوں کو چاہیے

تابوت اُٹھاتی دھوم سے مرتے وطن میں گر ‏ ہوتا پدر بھی ساتھ جنازے کے ننگے سر
قبریں بناتی ماں کی لحد کے اِدھر اُدھر ‏(۱۶۶) کیا حشر ہوگا پہونچیگی یثرب میں جب خبر
اُم البنینؑ پیٹتی روضے پہ جائیں گی
صغرا کے پاس بیبیاں پُرسے کو آئیں گی

بچو تمہیں بتاؤں میں غربت میں کیا کروں ‏ نہ گھر ہے نہ وطن ہے مصیبت میں کیا کروں
بھائی گھرا ہوا ہے اس آفت میں کیا کروں ‏(۱۶۷) فاقوں میں تشنگی میں صعوبت میں کیا کروں
راحت نہ روح کو نہ کسی دل کو صبر ہے
پانی نہ غسل کو نہ کفن ہے نہ قبر ہے

مجبور تم ہو ماں بھی ہے ناچار میں نثار ‏ تنہائی میں خدا ہے مددگار میں نثار
رستا بُرا ہے باندھ لو ہتھیار میں نثار ‏(۱۶۸) چھوٹے مرے پسر سے خبردار میں نثار
اللہ اس سفر کی بلاؤں کو رد کرے
کھٹکا جہاں ہو بھائی کی بھائی مدد کرے

سُنتی ہوں اس سفر میں خطر بیشمار ہیں ‏ جانیں وہی اِسے جو میان مزار ہیں
پرسش ہے روک ٹوک ہے جنگل ہے خار ہیں ‏(۱۶۹) وہ بھی ڈرے ہوئے ہیں جو طاعت گذار ہیں
منزل کا شب کی ماں کو پتہ دے کے جائیو
قربان جاؤں ساتھ مجھے لے کے جائیو

دِن ڈھل گیا قریب ہے شام اے مسافرو   کس بن میں شب کو ہوگا مقام اے مسافرو
کچھ تو کرو زباں سے کلام اے مسافرو (۱۹۰) بھیجو گے کب پیام و سلام اے مسافرو
بیٹوں کی پہلوؤں میں جو تم کو نہ پاؤں گی
میں شب کو ڈھونڈھتی ہوئی جنگل میں آؤں گی
مقتل

کہتا تھا باپ شب کو نہ بچے نکلنے پائیں   بھولے ہیں راستہ نہ کہیں گھر کا بھول جائیں
دربار میں بھی ہوں تو سویرے سے گھر میں آئیں (۱۹۱) ہر سو یہ دشتِ ظلم جو کرتا ہے سائیں سائیں
پہونچوں گی کس طرح میں جو ڈر ڈر کے روؤ گے
واری اندھیری رات میں کس طرح سوؤ گے

شب کو خوشامدیں مری کرتے تھے بار بار   تا دودھ ہم کو بخش دے مادر جگر فگار
اُن بھولی بھولی باتوں کے ماں ہو گئی نثار (۱۸۲) باتیں نہ رات کی مجھے بھولینگی وہ نہ پیار
واری شہید رو رہو تم رب کے سامنے
لو میں نے دودھ بخش دیا سب کے سامنے

یہ بین کرکے لاشوں سے لپٹی وہ نوحہ گر   غش آیا سانس اُلٹ گئی ٹکڑے ہوا جگر
اک حشر تھا کسی کو کسی کی نہ تھی خبر (۱۸۳) بانو پکاری سوئے علمدار دیکھ کر
بچوں کے ساتھ ماں بھی جہاں سے گذر نہ جائے
لاشے اُٹھاؤ شاہ کی ہمشیر مر نہ جائے

بس اے **انیس** طول سے بہتر ہے اختصار   ہاں ختم کرکے مرثیہ شاہِ نامدار
خالق سے ہاتھ اُٹھا کے دعا کر بانکسار (۱۸۴) قائم رہے جہاں میں یہ شاہِ فلک وقار
ہر دم زیادہ حشمت و اقبال و جاہ ہو
حامی جنابِ فاطمہ زہرا کا ماہ ہو

مرثیہ

۳

جب رن میں سربلند علیؑ کا علم ہوا — فوجِ خدا پہ سایۂ ابرِ کرم ہوا
چرخِ زبرجدی پے تسلیم خم ہوا (۱) — پنجے پہ سات بار تصدق حشم ہوا
دیکھا نہ تھا کبھی جو علم اس نمود کا
دونوں طرف کی فوج میں غل تھا درود کا

وہ شان اُس علم کی وہ عباسؑ کا جلال — نخلِ زمردی کے تلے تھا علیؑ کا لال
پرچم پہ جان دیتی تھیں پریوں کا تھا یہ حال (۲) — غل تھا کہ دوشِ حور پہ بکھرے ہوئے ہیں بال
ہر لہر آبدار تھی کوثر کی موج سے
طوبےٰ بھی دب گیا تھا پھریرے کی اوج سے

تھا پنجتن کا نور جو پنجے میں جلوہ گر — اعدا کی پتلیوں میں بھی تھا روشنی کا گھر
ذرّے نثار کرتے تھے اُٹھ اُٹھ کے اپنا زر (۳) — تکتے تھے فوق سے تو ملک تحت سے بشر
اللہ ری چمک علمِ بوتراب کی
تارِ نظر بنی تھی کرن آفتاب کی

قربان احتشام علمدارِ نامور — رُخ پر جلالتِ شہِ مرداں تھی سربسر
چہرہ تو آفتاب سا اور شیر کی نظر (۴) — قبضے میں تیغ بر میں زرہ دوش پر سپر
چھایا تھا رُعب لشکرِ ابن زیاد پر
غل تھا چڑھے ہیں شیرِ الٰہی جہاد پر

وہ اوج وہ جلال وہ اقبال وہ حشم — وہ نور وہ شکوہ وہ توقیر وہ کرم
(۵) پنجے کی وہ چمک وہ سرافرازیِ علم — گرتی تھی برق فوج مخالف پہ دمبدم
کیا رفعتِ نشان سعادت نشان تھی
سائے میں جس نشان کے طوبیٰ کی شان تھی

پنجہ اُٹھا کے ہاتھ یہ کہتا تھا بار بار — عالم میں پنجتن کی بزرگی ہے آشکار
(۶) یہ شش جہت انھیں کے قدم سے ہے برقرار — کیوں ہفتہ دوست ہوتے ہو اے قوم نابکار
آٹھوں بہشت ملتے ہیں مولا کے نام سے
بیعت کرو حسین علیہ السلام سے

غرفوں سے جھانک جھانک کے بولی ہر ایک حور — صلِّ علیٰ علم کی چمک ہے کہ برقِ طور
(۷) یارب رہے نگاہ بد اس کی ضیا سے دور — پنجہ ہے یہ کہ ایک جگہ پنجتن کا نور
جلوے ہیں سب محمدؐ و حیدرؑ کی شان کے
قربان اس جواں کے نثار اس نشان کے

آگے کبھی نہ دیکھی تھی اس حسن کی سپاہ — دنیا بھی خوبیوں کا مرقع ہے واہ واہ
(۸) دیکھیں کسے کسے کہ ہر اک ایک رشکِ ماہ — جاتی ہے جس کے رخ پہ تو پھرتی نہیں نگاہ
دیکھو انھیں دموں سے ہے رونق زمین کو
چُن کر حسینؑ لائے ہیں کس کس حسین کو

شہرہ بہت تھا حُسن میں کنعاں کے ماہ کا — قصہ سُنا ہوا ہے زلیخا کی چاہ کا
(۹) یاں آفتاب کو نہیں یارا نگاہ کا — یوسفؑ ہے ایک ایک جواں اس سپاہ کا
سُنتے تھے ہم کہ عالمِ ایجاد زشت ہے
ایسے چمن کھلے ہیں تو دنیا بہشت ہے

ہمشکل مصطفےٰ کا ہو کیا حُسن کیا جمال — صبح جبیں ہے اور شب گیسو ہے بیمثال
یہ لب یہ خط یہ چشم یہ ابرو یہ رُخ یہ خال (۱۰) — یاقوت و مشک و نرگس و نجم و مہ و ہلال
اِک گُل پہ یاں ہزار طرح کی بہار ہے
چہرہ نہ کہیے قدرتِ پروردگار ہے

لختِ دلِ حسنؑ بھی ہے کس مرتبہ حسین — جس کے چراغِ حُسن سے روشن ہے سب زمیں
یہ زلف مشک بیز یہ آئینہ رُو جبیں (۱۱) — سرمایۂ خطا و ختن کائنات چیں
رُخ کی بلائیں لیتی ہیں پریاں کھڑی ہوئی
سہرے کی ہر لڑی سے ہیں آنکھیں لڑی ہوئی

نامِ خُدا ہیں عونؑ و محمدؑ بھی کیا شکیل — اک مہرِ بے نظیر ہیں اک بدرِ بے عدیل
افروختہ ہیں رُخ یہ شجاعت کی ہے دلیل (۱۲) — ہمّت بڑی ہے گو کہ ہیں عمریں ابھی قلیل
مثلِ علیؑ ہیں جنگ و جدل پر تُلے ہوئے
دونوں کے نیمچوں کے ہیں ڈولے کھلے ہوئے

عباسؑ نامور بھی عجب سج کا ہے جوان — نازاں ہے جسکے دوشِ منور پہ خود نشان
حمزہؑ کا رعب صولتِ جعفرؑ علیؑ کی شان (۱۳) — ہاشم کا دل حسینؑ کا بازو حسنؑ کی جان
کیونکر نہ عشق ہو شہِ گردوں جناب کو
حاصل ہیں سیکڑوں شرف اِس آفتاب کو

اس مہر کو تو دیکھو یہ ذرّے ہیں جسکے سب — سرتاجِ آسمان و زمیں نورِ عرشِ رب
ابرِ کرم خدیوِ عجم خسروِ عرب (۱۴) — عالی ہمم امامِ امم شاہِ تشنہ لب
جنباں زبانِ خشک ہے ذکرِ اِلٰہ میں
گویا کھڑے ہیں ختمِ رسلؐ رزمگاہ میں

کیا فوج تھی حسینؑ کی اُس فوج کے نثار — ایک ایک آبروئے عرب فخرِ روزگار
جرار و دیں پناہ و نمودار نامدار (۱۵) لڑکوں میں سبزہ رنگ کوئی کوئی گلعذار
فوجیں کوئی سماتی تھیں ان کی نگاہ میں
وہ سب پلے تھے بیشۂ شیرِ الٰہ میں

ایک ایک ملک جرأت و ہمت کا بادشاہ — کیواں خدم سپہر حشم عرش بارگاہ
آنکھیں غزال رشک مگر شیر کی نگاہ (۱۶) وہ رُعب چتونوں میں کہ اللہ کی پناہ
دیکھا تو دل کو توڑ کے برچھی نکل گئی
ابرو ذرا جو بل گئے تلوار چل گئی

وہ اشتیاقِ جنگ میں لڑکوں کے ولولے — بیتاب تھے کہ دیکھیے تلوار کب چلے
چہرے وہ آفتاب سے وہ چاند سے گلے (۱۷) سب فاطمہؑ کی بیٹیوں کی گود کے پلے
اک اک رسولِ حق کی لحد کا چراغ تھا
جس پر علیؑ نے کی تھی ریاضت وہ باغ تھا

اکبر سے عرض کرتے تھے سینہ سپر کیے — یہ نیمچے نہ لیویں گے دم بے لہو پیے
گر آج مر گئے تو قیامت تلک جیے (۱۸) صدقے ہوں اس قدم پہ یہ سر ہیں اسی لیے
آقا کے آگے لطف ہے تیغ آزمائی کا
آج آپ دیکھیے گا تماشہ لڑائی کا

بچپن پہ خادمانِ اُولوالعزم کے نہ جائیں — جب چاہیں معرکے میں ہمیں آپ آزمائیں
تن تن کے روکیں برچھیاں منھ منھ پہ زخم کھائیں (۱۹) بجلی گرے تو مُنہ پہ جھجک کر سپر نہ لائیں
جھپکے پلک کسی سے تو آنکھیں نکال لیں
بڑھ کر ہٹیں جو پاؤں تو سر کاٹ ڈالیے

کہتے تھے مسکرا کے یہ زینب کے دونوں لال ۔ کھلتے ہیں خود دلیروں کے جوہر دمِ جدال
ہر وقت چاہیے مددِ شیرِ ذوالجلال (۲۰) نعرہ ابھی کریں تو ہلے عرصۂ قتال
اُتری ہے تیغ جن کے لئے وہ دلیر ہیں
سب ہم کو جانتے ہیں کہ شیروں کے شیر ہیں

یہ چہچے جو کرتے تھے باہم وہ گلعذار ۔ شبیرؑ دیکھتے تھے کنکھیوں سے بار بار
پاس آ کے عرض کرتے تھے عباسِ نامدار (۲۱) سنتے ہیں آپ کہتے ہیں جو کچھ یہ جاں نثار
جرأت ٹپک رہی ہے ہر اک کے کلام سے
یہ نیچے رکیں گے بھلا فوج شام سے

یہ سن یہ زور شور یہ عمریں یہ آن بان ۔ یہ بھولے بھولے مُنہ یہ جواں مردیاں یہ شان
باتیں رجز سے کم نہیں اللہ رے خوش بیان (۲۲) چلتی ہے ذوالفقار علی کی طرح زبان
کس دبدبے سے کاندھوں پہ نیزے سنبھالے ہیں
گویا چلن لڑائی کے سب دیکھے بھالے ہیں

زینب کے لاڈلوں کی طرف دیکھیے حضور ۔ مثلِ عرق ٹپکتا ہے پیشانیوں سے نور
رخ پر جلال شیرِ خدا کا ہے سب ظہور (۲۳) پرتو گلوں کا ہے کہ چمکتی ہے برقِ طور
دونوں میں صاف حیدرؑ و جعفرؑ کے طور ہیں
اللہ کی پناہ یہ تیور ہی اور ہیں

یہ ذکر تھا کہ بجنے لگا طبل اُس طرف ۔ مشکل کشا کی فوج نے باندھی ادھر بھی صف
تیروں نے رخ کیا سوئے ابنِ شہِ نجف (۲۴) سینوں کو غازیوں نے ادھر کر دیا ہدف
تھا بسکہ شوقِ جنگ ہر اک رشکِ ماہ کو
جوش آ گیا وغا کا حسینی سپاہ کو

غصّے سے آفتاب ہوئے مہوشوں کے رنگ — فوجوں پہ جا پڑیں یہ دلوں کو ہوئی اُمنگ
(۲۵)
تن تن کے برچھیاں جو سنبھالیں برائے جنگ — بے چین ہو گئے فرسِ ابلق و سرنگ
پاسِ ادب سے شاہ کے صف بڑھ کے تھم گئی
پٹری ہر ایک سوار کی گھوڑے پہ جم گئی

تنتا ہوا بڑھا کوئی قبضے کو چوم کے — بھالا کسی نے رکھ لیا کاندھے پہ جھوم کے
(۲۶)
بولا کوئی یہ غول ہیں کیا شام و روم کے — ٹکڑے اُڑائیں گے عمرِ و شمرِ شوم کے
نامرد جو ہیں آنکھ چُراتے ہیں مرد سے
دونوں کو چار کر کے پھریں گے نبرد سے

دو لاکھ سے نظر کسی غازی کی لڑ گئی — بل کھا کے رخ پہ زلف کسی کی اکڑ گئی
(۲۷)
چتون کسی کی شور دہل سے بگڑ گئی — مُنہ سُرخ ہو گیا شکن ابرو پہ پڑ گئی
نکلا کوئی سمند کو رانوں میں داب کے
غصّے سے رہ گیا کوئی ہونٹوں کو چاب کے

بڑھ کر کسی نے تیر ملایا کمان سے — نیزہ کوئی ہلانے لگا آن بان سے
(۲۸)
نعرہ کسی کا پار ہوا آسمان سے — تلوار کھینچ لی کسی صفدر نے میان سے
اک شور تھا کہ تلخ کیا ہے حیات کو
لاشوں سے چل کے پاٹ دو نہرِ فرات کو

سنتے ہی یہ کلام جوانانِ نامور — لڑکے الگ کھڑے ہوئے غول اپنا باندھ کر
(۲۹)
کہتے تھے نیچے لئے وہ غیرتِ قمر — یارب شکست کو فیوں کو دے ہمیں ظفر
سرکے نہ پھر جو بڑھ کے وغا میں قدم گڑے
جا کر درِ یزید پہ اپنا عَلَم گڑے

عباسؑ شہ سے کہتے تھے بپھرے ہوئے ہیں شیر　　تیر اُس طرف سے آتے ہیں اب کس لیے ہو دیر
دو دن کی بھوک پیاس ہیں ہیں زندگی سے سیر　(۳۰)　مولا غلام سے نہیں رکنے کے یہ دلیر
پاسِ ادب سے غیظ کو ٹالے ہوئے ہیں یہ
شیرِ خدا کی گود کے پالے ہوئے ہیں یہ

کس کو ہٹائے کس کو سنبھالے یہ جاں نثار　　مرنے پہ ایک دل ہیں بہتر وفا شعار
ہے مصلحت کہ دیجیے اب اذنِ کارزار　(۳۱)　ایسا نہ ہو کہ جا پڑیں لشکر پہ ایک بار
برہم ہیں سرکشی پہ سوارانِ شام کی
اکبر کی بات مانتے ہیں نہ غلام کی

جب روکتا ہوں میں انھیں لے آسماں سریر　　کہتے ہیں کیوں امام کی جانب لگائے تیر
باندھے ہے سرکشی پہ کمر لشکرِ شریر　(۳۲)　ہنگامِ جنگ شیر کے نیچے ہوں گوشہ گیر
کس قہر کی نظر سے لعینوں کو تکتے ہیں
بچوں کو ہے یہ غیظ کہ آنسو ٹپکتے ہیں

اک اک جری کو نشۂ جرأت کا جوش ہے　　عالم ہے بیخودی کا پہ مرنے کا ہوش ہے
ہر صف میں یا علی ولی کا خروش ہے　(۳۳)　کہتے ہیں بار بار کہ سر بار دوش ہے
مشتاق ہیں وہ پیاس میں تیغوں کے گھاٹ کے
ڈر ہے کہ مر نہ جائیں گلے کاٹ کاٹ کے

حسرت سے کی سوئے رفقا شاہ نے نظر　　بولے حبیب نذر کو حاضر ہیں سب کے سر
فرمایا شہ نے ہم بھی ہیں آمادۂ سفر　(۳۴)　اچھا بڑھے جہاد کو ایک ایک نامور
یہ راہِ حق ہے جو قدم آگے بڑھائیگا
دربارِ مصطفےٰؐ میں وہی پہلے جائے گا

مژدہ یہ سن کے شاد ہوئے غازیانِ دیں　　اک اک دلیر جانے لگا سوئے فوجِ کیں
جب نعرہ زن ہوئے صفتِ شیرِ خشمگیں　(۳۵)　تھرّائے آسماں کے طبق ہل گئی زمیں
برپا تھا شورِ حشر دلیروں کی حرب سے
فوجیں تو کیا جہاں تہ و بالا تھا ضرب سے

اللہ رے جہادِ حبیب و زہیرِ قین　　گویا بپا تھا معرکۂ خندق و حنین
جب مر گئے وہ عاشقِ سلطانِ مشرقین　(۳۶)　مقتل میں پیٹتے ہوئے دوڑے گئے حسینؑ
یوں جا کے روئے اُن کے تنِ پاش پاش پر
جس طرح بھائی روتا ہے بھائی کی لاش پر

۶۰ خالی ہوا قدیم رفیقوں کا جب پرا　　کانپا سپہر شہ نے دمِ سرد یوں بھرا
۶۱ کٹنے لگا عزیزوں کا بھی جب چمن ہرا　(۳۷)　گہ روئے آپ ہاتھ جگر پر کبھی دھرا
لڑکے جو یک بہ یک کئی ہاتھوں سے کھو گئے
ٹکڑے حسنؑ کی طرح کلیجے کے ہو گئے

تھی قہرِ حق عقیل کے پوتوں کی کارزار　　شمشیرِ حیدری کا نمونہ تھے جن کے وار
عزت عرب کی رکھ گئے جعفر کے یادگار　(۳۸)　تھے تین چار شیر کہ جھپٹے سوئے شکار
فتح و ظفر تھی مثل علیؑ اختیار میں
پنجے میں تھا وہی جسے تاکا ہزار میں

نکلے برادرانِ علمدارِ صف شکن　　دکھلا دیے علی کی لڑائی کے سب چلن
بے سر تھے مورچوں میں جوانانِ پیل تن　(۳۹)　لاشوں پہ لاشیں گرتی تھیں پٹ تا تھا رن پہ رن
آنکھوں میں پھر رہی تھی چمک ذوالفقار کی
عباسؑ داد دیتے تھے ایک ایک وار کی

تھا چھوٹے بھائیوں کے لیے مضطرب دل — گہ شہ کے پاس تھے کبھی لشکر کے متصل
نعرہ یہ تھا کہ شبر ہے ماں کا تمھیں بحل (۴۰) — شیرو رُکے نہ ہاتھ بدن گو ہے مضمحل
یہ وقت آبرو ہے بڑی جد و کد کرو
ہاں بھائیو امام کی اپنے مدد کرو

اُلٹو پروں کو بڑھ کے صفوں کو بچھا کے آؤ — ساحل کے پاس خون کا دریا بہا کے آؤ
جب باگ اُٹھاؤ فوج کے اُس پار جا کے آؤ (۴۱) — یا مر کے آؤ یا اُنھیں رن سے بھگا کے آؤ
ہاں صفدرو نشاں نہ رہے فوج شام کا
بیٹوں کو پاس چاہیے بابا کے نام کا

رو کر حسینؑ کہتے تھے بھائی سے دمبدم — دولت پدر کی لٹتی ہے اور دیکھتے ہیں ہم
جینے نہ دیگا آہ ہمیں بھائیوں کا غم (۴۲) — عباسؑ عرض کرتے تھے اے قبلۂ امم
اب باپ کی جگہ شہ عالی مقام ہیں
صدقے نہ کس طرح ہوں کہ ہم سب غلام ہیں

بیجاں ہوئے جو راہِ خدا میں وہ شیر نر — حضرت ضعیف ہو گئے خم ہو گئی کمر
ماتم میں تھے کہ موت نے لوٹا حسنؑ کا گھر (۴۳) — اک دم میں قتل ہو گئے دونوں جواں پسر
سب چل بسے نبیؑ و علیؑ پاس رہ گئے
ستر و تن میں اکبر و عباسؑ رہ گئے

آیا نظر جو لاشۂ نوشاہ نیک خو — اکبر کی چشم تر سے ٹپکنے لگا لہو
کی غیظ کی نظر طرفِ لشکرِ عدو (۴۴) — پہلو سے آئے روتے ہوئے شہ کے روبرو
نکلی یہ بات جوشِ بکا میں زبان سے
قاسمؑ کے ساتھ جائیں گے ہم بھی جہان سے

بچپن سے ہم سے یہ نہ ہوے تھے کبھی جدا　　سوئے تو ایک فرش پہ کھیلے تو ایک جا
طفلی کا ساتھ چھوٹ گیا وا مصیبتا　(۴۵)　مرجائے ایسا بھائی تو جینے کا کیا مزا
حسرت یہ ہے کہ تیغوں سے تن پاش پاش ہو　　لطف کیا
پہلو میں ابن عم کے ہماری بھی لاش ہو

شہ نے کہا کہ سچ ہے یہ ایسا ہی ہے الم　　خالق جہاں میں بھائی کا بھائی کو دے نہ غم
بازو کا ٹوٹنا اجل آنے سے کیا ہے کم　(۴۶)　مر مر کے غم میں بھائی حسنؑ کے جیے ہیں ہم
تازہ تھا غم پدر کا خوشی دل سے فوت تھی
عباسؑ نامدار نہ ہوتے تو موت تھی

بھائی کے بعد ان سے ملی لذتِ حیات　　بیکس کے غمگسار تھے یہ یا خدا کی ذات
خالی نہ پائی مہر و مروّت سے کوئی بات　(۴۷)　سو یا جو میں تو ان کو کٹی جاگتے ہیں رات
صدمے بھلائے دل سے حسنؑ کی جدائی کے
رونے نہیں دیا مجھے ماتم میں بھائی کے

ہے ان کے اتحاد کا سب سے جدا مزا　　بیٹے کا لطف بھائی کا حظ باپ کا مزا
ملتا ہے بات بات میں ہر دم نیا مزا　(۴۸)　اوجھل یہ آنکھ سے ہوں تو جینے کا کیا مزا
قائم رکھے خدا کہ علیؑ کے نشان ہیں
مالک یہی ہیں گھر کے یہی تن کی جان ہیں

قوت جگر کی تم ہو تو یہ بازوؤں کا زور　　بچھڑا جو دو میں ایک تو پھر ہیں کنار گور
ہوتا ہے زخم دل پہ نمک آنسوؤں کا شور　(۴۹)　جب پتلیاں نہ ہوں تو چشم بشر ہے کور
تم پہلوؤں میں تھے تو یہ بیکس سنبھل گیا　　جدا ہوں
پھر خاتمہ ہے جسم سے جب دم نکل گیا

بس* دیکھ کر نہال ہوئے گلشن جہاں　　گذرے بہار عمر کے دن آگئی خزاں
اٹھ جائے جلد خلق سے یہ پیر ناتواں (۵۰)　　پھولو پھلو جیو کہ ابھی تم ہو نوجواں
عمریں بھی ہیں قلیل کچھ ایسے مسن نہیں
دونوں کا ہے شباب یہ مرنے کے دن نہیں

ان سے نشاں علی کا ہو تم سے ہمارا نام　　گھر مٹ گیا نبی کا جو دونوں ہوئے تمام
میت کے دفن کا بھی مناسب ہو اہتمام (۵۱)　　مرنے کے بعد کوئی تو آئے ہمارے کام
تربت پہ تم سے گل ہوں تو دل باغ باغ ہو
اندھیر ہے جو قبر پہ رہے چراغ ہو

کیجیو نہ ذکر ہجر یہ صدمہ ہے دلخراش　　بہر پدر کرو کفن و گور کی تلاش
ہوگا یہ جسم ظلم کی تیغوں سے پاش پاش (۵۲)　　وہ شخص چاہیئے کہ اٹھائیں ہماری لاش
رونے کو کوئی دوست نہ یاور سرہانے ہو
فرزند پائینتی ہو برادر سرہانے ہو

اکبر نے سن کے باپ سے یہ اشک خوں بہائے　　عباس بول اٹھے نہ خدا وہ گھڑی دکھائے
ہے زندگی یہی کہ ہمیں پہلے موت آئے (۵۳)　　خاک اس غلام پر کہ جو آقا کی لاش اٹھائے
دیتے ہیں جان اہل وفا نام کے لئے
پائے ہیں کیا یہ ہاتھ اسی کام کے لئے

بس گر پڑا یہ کہہ کے قدم پر وہ باوفا　　جھک کر کہا حسین نے بھائی یہ کیا کیا
قاسم کا ذکر کرتے تھے ہمشکل مصطفیٰ (۵۴)　　باتیں تو ان سے تھیں تمہیں کیوں غیظ آگیا
ہم تم تو ساتھ گلشن ہستی سے جائیں گے
اچھا ہماری لاش کو اکبر اٹھائیں گے

---

* یہ بند بعض نسخوں میں نہیں ہے۔

اُٹھیے قدم سے آپ کی اُلفت کے میں نثار — غصّے میں بھول جاتے ہو بھتیا ہمارا پیار
آنکھیں قدم پہ مَل کے یہ بولا وہ نامدار (۵۵) بے اذنِ جنگ سر نہ اُٹھائے گا خاکسار
ایسا نہ ہو خجل ہوں رسالت مآبؐ سے
پہلے مَروں گا اکبرِ عالی جناب سے

صدقہ علی کی روح کا اکبر کو روکیے — دے کر قسم شبیہِ پیمبر کو روکیے
نورِ نگاہ بانوے بے پر کو روکیے (۵۶) اے آفتابِ دیں مہِ انور کو روکیے
پہلے رضا ملے تو بہت نیکنام ہوں
آقا یہ شاہزادہ ہے اور میں غلام ہوں

شہ نے کہا کہ سر تو قدم سے اُٹھائیے — لیجیے رضا ہے حرب نہ آنسو بہائیے
فرقت میں ہم جئیں کہ مَریں خیر جائیے (۵۷) اپنی سکینہ جان سے جا کر مل آئیے
زوجہ کو پیٹتے ہوئے سر دیکھ لیجیے
بچّوں کو اور ایک نظر دیکھ لیجیے

عباسؑ شہ کے گرد پھرے اُٹھ کے سات بار — بھائی کو گھر میں لے کے چلے شاہِ ذی وقار
بولا یہ پیک شاطرِ فوجِ ستم شعار (۵۸) لو اذنِ جنگ پا چکے عباسِ نامدار
خود دیکھ کر یہ حال پھرا ہوں میں راہ سے
ملنے گئے ہیں خیمے میں ناموسِ شاہ سے

تھے آگے آگے ہاتھوں سے تھامے کمر امام — نعرہ یہ دمبدم تھا کہ اب ہم ہوئے تمام
تیغوں سے گھاٹ روک لو آیا وہ نیکنام (۵۹) اب معرکہ ہے قہر کا اے ساکنانِ شام
دیکھو بچے رہو کہ لڑائی ہے شیر سے
چھوٹے گی مشکلوں میں ترائی دلیر سے

دِل ہل گئے سپاہ کے سنتے ہی یہ خبر   کانپے مثالِ بید جوانانِ پُر جگر
ہل چل میں اِس طرف کے پرے ہو گئے اُدھر (۶۰) ساحل سے ہٹ کے نہر پکاری کہ الحذر
پیچھے ہٹیں صفیں یہ تلاطم عیاں ہوا
دریا جو باڑھ پر تھا وہ اُلٹا رواں ہوا

ٹوٹے وہ مورچے جو بندھے تھے پئے جدال   برچھی گری زمیں پہ کسی کی کسی کی ڈھال
اللہ ری ہیبتِ خلفِ شیرِ ذوالجلال (۶۱) کانپی زمیں کھڑے ہو گئے رُوئیں تنوں کے بال
مُنھ زرد ہو کے رہ گیا ہر نوجوان کا
دشتِ سبز و کھیت بنا زعفران کا

تھا شش جہت میں غل کہ یہ ہے زورِ انقلاب   اُلٹے گا اِس زمیں کا ورق ابن بوتراب
اِس شیر پر نہ ہوگی کوئی فوج فتح یاب (۶۲) بس اب بنائے عالمِ امکاں ہوئی خراب
حملہ غضب ہے بازوئے شاہِ حجاز کا
لنگر نہ ٹوٹ جائے زمیں کے جہاز کا

ڈر سے ہوا تھی ایک طرف گرد اک طرف   بھرتے تھے خیبری بھی دمِ سرد اک طرف
سمٹے ہوئے تھے کوفے کے نامرد اک طرف (۶۳) تھے روسیاہ شام کے سب زرد اک طرف
بھاگے تھے نیزہ باز لڑائی کو چھوڑ کے
ضیغم نکل گئے تھے ترائی کو چھوڑ کے

تھی ابتری سپاہ ضلالت شعار میں   اِس صف میں تھی وہ صف یہ قطار اُس قطار میں
سو بار جو لڑے تھے اکیلے ہزار میں (۶۴) وہ جائے امن ڈھونڈھتے تھے کارزار میں
چہرے تھے زرد خوف سے حیدر کے لال کے
نامرد مُنھ چھپائے تھے گھونگھٹ میں ڈھال کے

(۶۵)
سر کردہائے فوج مخالف تھے بدحواس — کچھ شمر کے قریب گئے کچھ عمر کے پاس
سب کا یہ قول تھا کہ ہوئی زندگی سے یاس — ضربِ علیؑ ہے ضربِ علمدار حق شناس
طاقت سے ہیں بھرے ہوئے بازو دلیر کے
خیبر کشا کا زور ہے پنجے میں شیر کے

(۶۶)
اُس فوج میں تو ہے یہ تزلزل یہ انتشار — ہتھیار ادھر لگاتے ہیں عباسؑ نامدار
مضطر ہیں بی بیاں شہِ والا ہیں بیقرار — بھائی کے مُنہ کو دیکھ کے روتے ہیں زار زار
بار بار
بیٹیا کھڑا ہے چاک گریباں کئے ہوئے
روتی ہے سوکھی مشک سکینہ لیے ہوئے

(۶۷)
مُنہ دیکھتی ہے باپ کا جب وہ بہ چشمِ تر — کہتے ہیں یہ اشارے سے سلطان بحر و بر
لُٹتا ہے باپ تم کو سکینہ نہیں خبر — جانے نہ دو چچا کو ہمیں جا ہتی ہو گر
آنسو بہا بہا کے نہ پانی کا نام لو
دامن قبا کا ننھے سے ہاتھوں سے تھام لو

(۶۸)
بھائی کے اضطراب سے زینبؑ کا ہے یہ حال — ڈھلکی ہوئی ہے سر سے ردا اور کھُلے ہیں بال
عباسؑ سے یہ کہتی ہے رو کر بصد ملال — چھوڑو نہ شہ کو اے اسدِ کبریا کے لال
کیا کہتے ہو سکینہ سے مُنہ موڑ موڑ کے
بھیا کدھر چلے مرے بھائی کو چھوڑ کے

(۶۹)
دیکھو تو حال سبطِ رسولِ فلک اساس — بیٹے کا غم بھتیجے کا ماتم ہجوم یاس
ہے کثرتِ سپاہ میں تنہا وہ حق شناس — قربان جاؤں تم تو رہو بے وطن کے پاس
عاشق ہو دلبرِ اسدِ ذوالجلال کے
بازو قوی تمھیں سے ہیں زہرا کے لال کے

عباسؑ کہتے ہیں کہ نہ جاؤں تو کیا کروں　　کیونکر نہ حق امامِ زماں کا ادا کروں
اُلٹوں صفیں ہزاروں سے تنہا وغا کروں　(۷۰)　یہ سر ہے اِس لئے کہ قدم پر فدا کروں
پہونچا ہے فیض سیّدِ خوشخو کے ہاتھ سے
دُنیا میں کچھ تو کام ہو بازو کے ہاتھ سے

رخصت طلب ہے شاہ سے اکبر سا لالہ فام　　شہزادہ مرنے جائے سلامت رہے غلام
لِللہ روکیے نہ اب اے خواہرِ امام　(۷۱)　وہ امر کیجیے کہ بڑھے جس سے میرا نام
بیکس ہوں ساتھ ماں نہیں سر پر پدر نہیں
میں آپ کا غلام تو ہوں گو پسر نہیں

باتیں یہ سُن کے روتی ہیں زینب جھکا کے سر　　تھرّا رہی ہے زوجۂ عباسِ نامور
چہرہ تو فق ہے گود میں ہے چاند سا پسر　(۷۲)　مانع ہے شرم روتی ہے مُنہ پھیر پھیر کر
موقع نہ روکنے کا ہے نہ بول سکتی ہے
حضرت کے مُنہ کو نرگسی آنکھوں سے تکتی ہے

کہتی ہے رو کے بانوے عالم سے بار بار　　ہم کو تباہ کرتے ہیں عباسؑ نامدار
ہے لونڈیوں کے باب میں بی بی کو اختیار　(۷۳)　کچھ آپ بولتیں نہیں اس وقت میں نثار
کہیے جو روکنے کی کوئی ان کے راہ ہو
اب عنقریب ہے کہ مرا گھر تباہ ہو

اکبر کا واسطہ کوئی تدبیر کیجیے　　امدادِ بہرِ حضرتِ شبیر کیجیے
کچھ دل کو ہو قرار وہ تقریر کیجیے　(۷۴)　پٹکا وہ باندھتے ہیں نہ تاخیر کیجیے
اک دل ہے میرا اور کئی غم کے تیر ہیں
بی بی میں کیا کروں مرے بچے صغیر ہیں

(۷۵)

عباسؑ دیکھتے ہیں جو زوجہ کا اضطرار ہوتا ہے تیرِ غم جگرِ ناتواں کے پار
روتے ہیں خود مگر یہ اشارہ ہے بار بار شوہر کے غم میں یوں کوئی ہوتا ہے بیقرار
آؤ ادب سے دلبرِ زہرا کے سامنے
روتی ہیں لونڈیاں کہیں آقا کے سامنے

(۷۶)

کھولا ہے گوندھے بالوں کو صاحب یہ کیا کیا پیٹو نہ سر کو روتا ہے فرزندِ مصطفےٰ
خیر النساؑ کے لال پہ ہوتے ہیں ہم فدا شادی کا ہے مقام کہ ماتم کی ہے یہ جا
ایذا میں صبر صاحبِ ہمّت کا کام ہے
میری بھی آبرو ہے تمہارا بھی نام ہے

(۷۷)

لو پونچھ ڈالو آنسوؤں کو بہرِ ذوالجلال دیکھو زیادہ رونے سے ہوگا ہمیں ملال
میری مفارقت کا نہ کیجیو کبھی خیال قائم تمہارے سر پہ رہے فاطمہ کا لال
غم چاہیے نہ آہ و بکا چاہیے تمھیں
شہ کی سلامتی کی دُعا چاہیے تمھیں

(۷۸)

صدقے ہیں ابنِ فاطمہ پہ مجھ سے سَو غلام دیکھو نہ روتے دیکھ لیں تم کو کہیں امام
کیا اشکِ خوں بہا کے بگاڑو گی میرا کام ہم ہاتھ جوڑتے ہیں یہ ہے صبر کا مقام
پوچھیں حضور گر کہ تمھیں کیا قبول ہے
صاحب یہ کہیو تم کہ رنڈاپا قبول ہے

(۷۹)

دیکھو کہ گھر میں اور بھی رانڈیں ہیں تین چار آداب شہ سے چُپ ہیں نہیں کوئی بیقرار
رہ جائے بات کرتے ہیں وہ امر ہوشیار دنیا ہے بے ثبات زمانہ ہے بے مدار
کیا کیا نہ تفرقے ہوئے ایک ایک آن میں
صاحب سدا کوئی بھی جیا ہے جہان میں

قاسم کو دیکھو جانبِ کبرا کرو نگاہ — گذری جو شب تو صبح کو گھر ہوگیا تباہ
دشمن کو بھی دکھائے نہ اللہ ایسا بیاہ (۸۰) کیا صابرہ ہے دخترِ شبیر واہ واہ
سہتے ہیں یوں جہاں میں جفا رانڈ ہونے کی
آواز بھی بھلا کوئی سُنتا ہے رونے کی

آفت میں صبر کرتی ہیں اس طرح بیبیاں — ہوتا ہے صابروں کا مصیبت میں امتحاں
جل جائے دل مگر نہ اُٹھے آہ کا دُھواں (۸۱) اُف تک بھی نہ مُنہ سے جو پہونچے لبوں پہ جاں
چرچا رہے کہ وقت پہ کیا کام کر گئی
چھوٹی بہو علی کی بڑا نام کر گئی

شوہر نے یہ کلام کیے جب بہ چشمِ تر — چپ ہوگئی وہ صاحبِ ہمّت جُھکا کے سر
ہتھیار سج کے حضرتِ عباسؑ نامور (۸۲) آئے قریب لختِ دلِ سیدالبشر
صدمے سے رنگ سبطِ نبی زرد ہوگیا
کانپے یہ دست و پا کہ بدن سرد ہوگیا

جوں جوں قریب آتے تھے عباسؑ نامور — بیتاب تھے حسینؑ سنبھالے ہوئے جگر
کہتے تھے اضطراب میں جھک کر اِدھر اُدھر (۸۳) جینے نہ دے گا آہ ہمیں صدمۂ کمر
ہے زیست تلخ فاطمہؑ کے نورِ عین کو
زینب کہاں ہو آکے سنبھالو حسینؑ کو

سب گھر کی بیبیوں سے کہو میرے پاس آئیں — بانو کہاں ہیں زوجۂ عباسؑ کو بلائیں
گودی میں تشنہ کام سکینہ کو جلد لائیں (۸۴) کوچ اب جہاں سے ہے ہمیں سب آکے دیکھ جائیں
یہ نوجواں سنبھالیگا گھر جب مرونگا میں
عباس سے ہر اک کی سفارش کرونگا میں

یہ سُن کے ساری بیبیاں آئیں بحالِ زار — بولے قدم پہ جُھک کے یہ عباسؑ نامدار
اے افتخارِ عالمیاں نورِ کردگار — ہَل مِن مبارز کا ادھر غل ہے بار بار (٨٥)
ہیں ذرہ پروری کے چلن آفتاب میں
آقا یہ دیر کس لیے خادم کے باب میں

لڑکوں نے معرکے میں کیے اپنے اپنے نام — کیا میں غلامِ خاص نہیں یا شہِ انام
ایسا دن اور بھی کوئی ہوئے گا یا امام — کس کام کا جو آج نہ کام آئے یہ غلام (٨٦)
مشکل ہے ایسے وقت میں رُکنا دلیر کا
آخر پسر ہوں شیرِ الٰہی سے شیر کا

ہوتا جو سب سے پہلے فدا خادمِ جناب — خوش ہوتی خاکسار سے روحِ ابوتراب
اب ہوں ہر اک کے آگے خجالت سے آب آب — زہراؑ سے بھی حجاب ہے شبر سے بھی حجاب (٨٧)
اب بھی نہ تیغ و تیر اگر تن پہ کھاؤں گا
مولا بتائیے کسے پھر منھ دکھاؤں گا

ساتھ آپ کے سہونگا نہ گر قتل کی جفا — مجھ سے رسولؐ پاک خوشی ہونگے یا خفا
بیزار کیا نہ ہوگا دلِ شاہِ قتل کفا — پھر فاطمہ کہینگی نہ مجھے صاحبِ وفا (٨٨)
مرنے کا حظ نہ جینے کا مطلق مزا رہا
انساں کی آبرو نہ رہی جب تو کیا رہا

پالا ہے مجھ کو یا شہِ دلگیر آپ نے — کی ہے ہمیشہ پیار سے تقریر آپ نے
بندھوائی ہے کمر سے یہ شمشیر آپ نے — بخشی ہے سب میں عزت و توقیر آپ نے (٨٩)
وقتِ مدد ہے آج بھی امداد کیجیے
بندہ سمجھ کے اب مجھے آزاد کیجیے

گردن ہلا کے شہ نے کہا آہ کیا کروں	مشکل ہے سخت اے مرے اللہ کیا کروں
جینے نہ دیگا یہ غمِ جانکاہ کیا کروں	(۹۰)	چھٹتا ہے اب برادرِ ذی جاہ کیا کروں
دم بھر کی زندگی مجھے دشوار ہو گئی
سب تو خفا تھے موت بھی بیزار ہو گئی

غازی نے رکھ دیا قدمِ شاہِ دیں پہ سر	بولے گلے لگا کے شہنشاہِ بحر و بر
اے تن کی جان اے سببِ قوتِ جگر	(۹۱)	یوں ہے خوشی تو خیر جہاں سے کرو سفر
بھائی نہ ہو تو بھائی کی مٹی خراب ہے
اچھا تمھارا کوچ مرا پا تراب ہے

روتا ہوا جھکا پئے تسلیم وہ جری	سب روئے مشک دوش مبارک پہ جب دھری
اک آہِ سرد زوجۂ عباسؑ نے بھری	(۹۲)	صدمے سے رنگ زرد تھا اور تن میں تھرتھری
سر سے ردا بھی دوش تلک آ کے گر پڑی
بانو کے پاس خاک پہ غش کھا کے گر پڑی

نکلا وہ شیر خیمے سے باہر علم لیے	مجرے کو آئی فتح سپاہِ حشم لیے
جرات نے بڑھ کے بوسۂ تیغ دو دم لیے	(۹۳)	نصرت نے چومے ہاتھ ظفر نے قدم لیے
خورشید کا جلال نگاہوں سے گر گیا
اقبال سر کے گرد ہما بن کے پھر گیا

آیا سجا ہوا وہ سمندِ براق سیر	تھا جو فلک پہ اڑنے کو تیار مثلِ طیر
ہوتا تھا اس کے ڈر سے غزالوں کا حال غیر	(۹۴)	الحق سپاہ شر اُسے روکے تو یہ بخیر
صرصر قدم کی گرد کو پاتی نہیں کبھی
ڈھونڈھیں بشر پری نظر آتی نہیں کبھی

وہ زیبِ زین زین کی وہ ساز کی پھبن — زیور سے جیسے ہوتی ہے آراستہ دُلھن
چشمِ سیاہ دیدۂ آہو پہ طعنہ زن (۹۵) سُرعت یہ تھی کہ بھولتے تھے چوکڑی ہرن
جادو تھا معجزہ تھا پری تھا طلسم تھا
پاکھر نہ تھی زرہ میں تہمتن کا جسم تھا

رکھا قدم رکاب میں حیدر کے لال نے — نعلین پا کو فخر سے چوما ہلال نے
بخشی جو صدر زیں کو ضیا خوش جمال نے (۹۶) دُم کو چنور کیا فرسِ بے مثال نے
کس ناز سے وہ رشکِ غزالِ ختن چلا
طاؤس تھا کہ سیر کو سوئے چمن چلا

خوشبو سے ارض پاک ریاضِ جناں بنی — گرد اُڑ کے غازۂ رخِ لیلیٰ وشاں بنی
جلوے سے راہ دشت بلا کہکشاں بنی (۹۷) ذرّے بنے نجوم زمیں آسماں بنی
سُم بدر تھے تو نعل بھی چاروں ہلال تھے
نقشِ سُمِ فرس سے ہزاروں ہلال تھے

وہ دبدبہ وہ سطوتِ شاہانہ وہ شباب — تھرا رہا تھا جس کی جلالت سے آفتاب
وہ رعبِ حق کہ شیر کا زہرہ ہو آب آب (۹۸) صولت میں فردِ دفترِ جرأت میں انتخاب
صورت میں سارے طور خدا کے ولی کے ہیں ٦١
شوکت پکارتی ہے کہ بیٹے علیؑ کے ہیں

پہونچے جو دشت کیں میں اُڑاتے ہوئے فرس — گھوڑے کو ہاتھ اُٹھا کے یہ آواز دی کہ بس
دیکھیں صفیں جمی جو چپ و راس و پیش و پس (۹۹) نعرہ کیا کہ نہر پہ جانے کی ہے ہوس
روکیگا جو وہ موت کے پنجے میں آئے گا
ہٹ جاؤ سب کہ شیر ترائی میں جائے گا

بولے یہ بڑھ کے فوج مخالف کے پہلواں　　دیکھا نہیں کبھی کہ ہٹے لشکرِ گراں
(۱۰۰) یاں سب ہیں روم و شام کے جنگ آزما جواں　　ہاں آئیے تو کھینچ کے تیغِ شرر فشاں
بودے نہیں ہیں کچھ جو نگہباں ہیں گھاٹ کے
سر پھینک دینگے نہر میں خنجر سے کاٹ کے

سنتے ہی یہ جلال میں آیا علیؑ کا لال　　نعرہ کیا کہ تم ہمیں روکو گے کیا مجال
(۱۰۱) یہ مورچے ہیں کیا ہمیں جن کا ہو کچھ خیال　　اک دم میں چیونٹیوں کی طرح ہونگے پائمال
بھاگو گے پھینک پھینک کے تیغیں لڑائی سے
لو مرد ہو تو اب نہ سرکنا ترائی سے

روکے ہمیں نکل کے جو طاقت کسی میں ہو　　لے تیغ میان سے جو شجاعت کسی میں ہو
(۱۰۲) گرمائے رخش کو جو حرارت کسی میں ہو　　آئے جو حرب و ضرب کی قدرت کسی میں ہو
دو ہاتھ میں علیؑ کے پسر وار پار ہیں
دریا نہیں کہ رک گیا ہم ذوالفقار ہیں

تم کیا پہاڑ بیچ میں گر ہو تو ٹال دیں　　شیروں کو ہم ترائی سے باہر نکال دیں
(۱۰۳) مہلت نہ ایک دم جنگ و جدال دیں　　پانی تو کیا ہے آگ میں گھوڑے کو ڈال دیں
منہ دیکھتے رہیں جو نگہباں ہیں گھاٹ کے
لے جائیں گھر پہ تیغ سے دریا کو کاٹ کے

سرکش ہیں سب ہماری زبردستیوں سے زیر　　دادا شجاع باپ اولوالعزم ہم دلیر
(۱۰۴) جب رن پڑا ہے کر دیئے ہیں زخمیوں کے ڈھیر　　لائے ہیں جا کے آگ سے پانی خدا کے شیر
عفریت بھاگتے ہیں وہ چوٹیں ہماری ہیں
بیر العلم میں کود کے تلواریں ماری ہیں

جرأت جلو میں رہتی ہے نصرت رکاب میں — لیتے ہیں گھاٹ پیر کے تیغوں کی آب میں
لکھے ہوئے ہیں شیروں کے حملے کتاب میں — (۱۰۵) فصلیں ہیں اپنے زور کی خیبر کے باب میں
ناصر ہیں بادشاہِ فلک بارگاہ کے
دفتر اُلٹ دیے ہیں عرب کی سپاہ کے

بے مشک کے بھرے ہمیں آتا ہے چین کب — گرمی میں پیاس سے کئی بچے ہیں تشنہ لب
اصغر کو گودیوں میں تڑپتے کٹی ہے شب — (۱۰۶) کیا وقت ہے حسینؑ کے بچوں پہ پُرغضب
لالے پڑے ہوئے ہیں سکینہ کی جان کے
کانٹے مجھے دکھائے تھے سوکھی زبان کے

عبرت کی یہ جگہ ہے کہ ہم اور سوال آب — سقے بنے ہیں دیکھ کے بچوں کا اضطراب
اِس مشک نے کیا ہمیں عقبیٰ میں کامیاب — (۱۰۷) اللہ ری آبرو کہ بہشتی ملا خطاب
شہ سے نشانِ فوجِ پیمبر بھی مل گیا
طوبیٰ کے ساتھ چشمۂ کوثر بھی مل گیا

یہ ذکر تھا کہ فوج کی جانب سے تیر آئے — نیزے اُٹھا کے شیر کے منہ پر شریر آئے
یہ بھی جھپٹ کے مثلِ شہِ قلعہ گیر آئے — (۱۰۸) گیتی ہلی غضب میں جنابِ امیر آئے
گھوڑا اُڑا پروں کو سواروں کے توڑ کے
لپکی صفوں پہ سیف بھی کاٹھی کو چھوڑ کے

آمد تھی تیغ کی کہ اجل کا پیام تھا — یہ صف اخیر تھی وہ رسالہ تمام تھا
بجلی سا ہر جگہ فرسِ تیز گام تھا — (۱۰۹) ششدر تھی موت چار طرف قتلِ عام تھا
اِس غول پہ کبھی تھی کبھی اُس قطار پہ
پڑتا تھا ایک تیغ کا سایہ ہزار پہ

وہ تیغ کی چمک وہ تڑپ راہوار کی ر فرق کی اک شبیہ تو اک ذوالفقار کی
شوکت سوار میں شہ دلدل سوار کی حملوں میں شان سب اسدِ کردگار کی (۱۱۰)
چتون وہی غضب وہی بیباکیاں وہی
پھرتی وہی جھپیٹ وہی چالاکیاں وہی

توڑا یہ مورچہ وہ صف اُلٹی ادھر پھرے تلوار خوں میں آپ پسینے میں تر پھرے
یوں خاک پر گرا کے لعینوں کے سر پھرے جیسے شکار کھیلے ہوئے شیر نر پھرے (۱۱۱)
تھی قہر کی نگاہ غضب کا جلال تھا
آنکھیں بھی سُرخ سُرخ تھیں چہرہ بھی لال تھا

مُنھ پھر گئے سپاہ کے جس سمت رُخ کیا یاں گئے وہاں گئے اسے مارا اُسے لیا
باقی رہے ہزار میں دس سو میں اک جیا اللہ رے دم لہو پہ لہو تیغ نے پیا (۱۱۲)
اُس پر بھی تشنگی میں نہ تسکیں ذری ہوئی
گویا تھی آگ پیٹ میں اُس کے بھری ہوئی

بیشک تھا ان کا ہاتھ امیرِ عرب کا ہاتھ پہونچا وہاں میں سو طرف اک تشنہ لب کا ہاتھ
آئی اجل اُٹھا جو کسی بے ادب کا ہاتھ شیرِ خدا کے شیر نے مارا غضب کا ہاتھ (۱۱۳)
بازو پہ آئی تیغ دودم شانہ کاٹ کے
پہونچے کو بھی قلم کیا دستانہ کاٹ کے

چلتا تھا مثلِ برق یمین و یسار ہاتھ ڈر ڈر کے جوڑتے تھے ضلالت شعار ہاتھ
اُن کی نہ ایک ضرب نہ ان کے ہزار ہاتھ کافی تھے سب کو تیغِ دودستی کے چار ہاتھ (۱۱۴)
آوازِ شش جہت میں تکبیرِ و بزن کی تھی
اللہ کا کرم تھا مدد پنجتن کی تھی

نعرہ جدا صدائے تکبیر و بدہ جدا　　گوشے کماں سے دور تو گوشوں سے زہ جدا
بکتر جدا زمین پہ ٹکڑے زرہ جدا (۱۱۵)　　نیزوں کو دیکھیے تو گرہ سے گرہ جدا
اللہ رے فرق گردن و سر بھی ہم نہ تھے
کشتوں کا ذکر کیا ہے کہ تیغوں میں دم نہ تھے

جس کی طرف نظر دمِ جنگ و جدل پھری　　کچھ ہٹ کے تیغ سے اسی جانب اجل پھری
رہوار یوں پھرا کہ اشارے میں کل پھری (۱۱۶)　　تلوار بھی گلوں کی طرف برمحل پھری
ایسے جری سے کس کو مجالِ مصاف تھی
یوں پھر کے صف کی صف کو جو دیکھا تو صاف تھی

چل پھر کے کاٹتی تھی وہ تلوار ہاتھ پاؤں　　ڈر سے بڑھا نہ سکتے تھے خونخوار ہاتھ پاؤں
سر بچ گیا تو ہو گئے بیکار ہاتھ پاؤں (۱۱۷)　　چمکی گری تو آٹھ ہوئے چار ہاتھ پاؤں
چلائی روح تیغ پھر آئی نکل چلو
بولی اجل اب اُٹھ کے تو پنجوں کے بل چلو

روحیں پکاریں

نیزے ادھر قلم تو اُدھر برچھیاں قلم　　ترکش و نیم ٹکڑے کمانیں نشاں قلم
ہر ہاتھ میں قلم کی طرح استخواں قلم (۱۱۸)　　مُنھ تیغ کا خراب سناں کی زباں قلم
جب سَن سے آئی سر پہ کسی بدخصال کے
گویا سموم چل گئی پھولوں پہ ڈھال کے

کی جس نے سرکشی وہیں فتنہ فرو ہوا　　ظالم ہزار میں تھا جو یکتا وہ دو ہوا
افشاں لہو سے شیر کا دستِ نکو ہوا (۱۱۹)　　ٹھنڈا وہی تھا جنگ میں سرگرم جو ہوا
تھا خاتمہ سپاہ جہنم مقام کا
شعلے بجھائے دیتا تھا پانی حسام کا

وہ تیغ کھول دیتی تھی لوہے کا بھی حصار ٭ تھا اس کے ہاتھ سے دلِ چار آئینہ فگار
عاری تھیں منہ پہ تیغوں کے ایسے پڑے تھے وار (۱۲۰) خود اپنے سر پٹکتے تھے گر گر کے بار بار
پانی وہ زہر تھا کہ پیا اور فنا ہوا
ہے آج تک زرہ کا کلیجہ چھنا ہوا

جاتی تھی ہر پرے کی طرف سَن سے بار بار چڑھ کر سوار گرتے تھے توسن سے بار بار
اُٹھتی تھی الاماں کی صدا رَن سے بار بار (۱۲۱) ہر سر کا بار اُترتا تھا گردن سے بار بار
غارت ہوئے تباہ ہوئے بے ترک ہوئے
ضربِ گراں جو اُٹھ نہ سکی کیا سبک ہوئے

ثابت رہی نہ ڈھال نہ مغفر نہ سر بچا سینے میں دل کو کاٹ گئی گر جگر بچا
دو ٹکڑے ہو گیا وہ اِدھر جو اُدھر بچا (۱۲۲) بے زخم کھائے ایک نہ بیدادگر بچا
تلوار سے کوئی کوئی ڈر سے ہلاک تھا
سالم تھا جس کا جسم جگر اُس کا چاک تھا

سر سے کمر میں تھی تو کمر سے تہہ فرس آفت کا منہ تھا قہر کا دَم خم ستم کا کس
کشتے تڑپ رہے تھے چپ و راس و پیش و پس (۱۲۳) دو تھے اگر تو چار ہوئے پانچ تھے تو دس
غل تھا وہی لڑے جسے سر تن پہ بار ہو
آفت بپا ہے کون اجل سے دوچار ہو

غل تھا شرارتوں سے اُس آتش زبان کی پریاں پکارتی تھیں کہ ہو خیر جان کی
دنیا میں شعلہ بار ہے آگ اُس جہان کی (۱۲۴) بدلی ہوئی ہے آج ہوا آسمان کی
بجلی خجل ہے ناز یہ اُس شعلہ خو کے ہیں
بوچھار ہے سروں کی دڑیڑے لہو کے ہیں

٭ ن: تھا اس کی ضرب سے دلِ فولاد بھی فگار

جب بڑھ کے سَن سے صورتِ تیغِ علیؑ چلی — ثابت ہوا کہ ضربتِ دستِ ولی چلی
(۱۲۵) دل پر خفی چلی تو گلوں پر جلی چلی — تن سے نکل کے روح پکاری چلی چلی
دی تیغ نے صدا کہ ارادہ کدھر کا ہے
چلائی موت چل یہی رستہ سقر کا ہے

خشکی میں تھی جو آب تو آتش تری میں تھی — ہمنام ذوالفقار علیؑ صفدری میں تھی
(۱۲۶) تلوار تھی کہ برق لباسِ پری میں تھی — بے باک اِس لئے تھی کہ دستِ جری میں تھی
خوں بھی اُسے حلال دیت بھی معاف تھی
کاٹا تھا سو گلوں کو مگر پاک صاف تھی

سارے رسالہ دار تباہی میں پڑ گئے — اب مُنہ کسے دکھائیں کہ چہرے بگڑ گئے
(۱۲۷) نامی جو تھے جواں قدم اُن کے اُکھڑ گئے — بھاگے جو سب نشاں بھی خجالت سے گڑ گئے
علموں کے پاس ڈھیر پھریروں کے رن میں تھے
ریتی پہ بیرقیں تھیں کہ مردے کفن میں تھے

پہنے ہوئے تھے جسم میں زرہیں جو چُست چُست — چوٹیں کڑی پڑیں تو ہوئے وہ بھی سخت سُست
(۱۲۸) خوفِ اجل سے بھول گئے وعدۂ نخست — ٹوٹی صفوں میں ہوش کسی کے نہ تھے درست
اک شور تھا کہ جان گئی اس لڑائی میں
گھوڑے بھگاؤ آگ لگی ہے ترائی میں

مغفر نہ سر کے پاس نہ خنجر کمر کے پاس — بیٹے کے پاس باپ نہ بیٹا پدر کے پاس
(۱۲۹) قبضے کے پاس تیغ نہ دستہ تبر کے پاس — کڑیاں زرہ کے پاس نہ دامن سپر کے پاس
بوڑی نہ تھی سناں پہ نہ پرچم نشان پر
پیکاں نہ تیر پہ تھے نہ چلّے کمان پر

نسخۂ آ: پرچم نہ سناں تھی

تیغ و سپر بھی پاس نہ تھی بے پناہ تھے — نہ وہ علم سیاہ نہ وہ رو سیاہ تھے
سب چھاؤنی اُجاڑ محلّے تباہ تھے — (۱۳۰) بے سر تھے وہ جو فوج میں صاحب کلاہ تھے
دکھلا دیا تھا خالقِ اکبر نے قہر کو
گویا غنیم لوٹتا پھرتا تھا شہر کو

بولی سپر سے تیغ کہ تجھ میں پناہ ہے — اس نے کہا کہ بھاگ زمانہ سیاہ ہے
ہر جا پہ تیغ شعلہ فشاں سدِّ راہ ہے — (۱۳۱) اس معرکے میں کوہ بھی گر ہو تو کاہ ہے
جنات ڈر کے ہاتھوں سے منھ ڈھانپتے ہیں آج
میں کیا ہوں جبرئیلؑ کے پر کانپتے ہیں آج

ڈر ڈر کے پچھلے پاؤں سپاہِ لعیں ہٹی — یہ صف سوئے یسار وہ سوئے یمیں ہٹی
سر کے جبال نہر کہیں سے کہیں ہٹی — (۱۳۲) دہشت سے آسماں ہوا اونچا زمیں ہٹی
بھاگڑ پڑی کہ ایک سے ایک آگے بڑھ گیا
دریا لہو کا کشتیِ گردوں پہ چڑھ گیا

اللہ ری جنگ شیرِ نیستانِ کربلا — چیونٹی بھی مورچوں میں نہ تھی آدمی تو کیا
پہونچے ترائی میں تو یہ اعدا کو دی صدا — (۱۳۳) کیوں اب یہ نہر کس کی ہے اے قومِ اشقیا
اک دم میں ہم شکست ہزاروں کو دیتے ہیں
دیکھو اسد ترائی کو یوں چھین لیتے ہیں

رستے کھلے ہوئے ہیں کہاں ہے وہ بندوبست — کس نے یہ روم و شام کی فوجوں کو دی شکست
کیا ہو گئے ترائی سے وہ سب ہوا پرست — (۱۳۴) کیوں سربلند کون ہے اس وقت کون پست
فوجوں میں یوں کسی نے بھی گھوڑے اڑائے ہیں
دیکھو تو ہم کہاں سے کہاں لڑ کے آئے ہیں

دنیا جو اک طرف ہو تو ہم پر ظفر نہ پاسے   فاقوں میں شیر بھی جو مقابل تو مُنہ کی کھائے
کس دبدبے سے جوہرِ تیغِ علیؑ دکھائے   (۱۳۵)   اب کچھ الم نہیں اجل آئے کہ جان جائے
بس ہم نے گھاٹ چھین لیا مشک بھر چکے
شیروں نے جو زبان سے کہا تھا وہ کر چکے

لب تشنہ تین دن سے ہیں اور ہے فرات پاس   چاہیں اگر تو ہاتھ بڑھا کر بجھالیں پیاس
پر زہر ہے بغیر شہ آسماں اساس   (۱۳۶)   مرتے ہیں آبرو پہ جوانانِ حق شناس
آقا کی تشنگی پہ جگر چاک چاک ہے   غلامان
بے اُن کے آبِ خضر بھی گر ہو تو خاک ہے

فرما کے یہ سمند کو ڈالا فرات میں   گویا خضرؑ اتر گئے آبِ حیات میں
دریا دل ایسا کون ہوا کائنات میں   (۱۳۷)   تسمہ پکڑ کے مشک بھری ایک بات میں
سیراب جب تلک کہ شہ بحر و بر نہ ہوں
منظور تھا کہ ہاتھ بھی پانی سے تر نہ ہوں

گرمی میں تشنگی سے کلیجہ تھا آب آب   تڑپا رہا تھا قلب کو موجوں کا پیچ و تاب
آجاتے تھے قریب جو ساغر بکف حباب   (۱۳۸)   کہتا تھا مُنہ کو پھیر کے وہ آسماں جناب
عباس آبرو میں تری فرق آئے گا
پانی پیا تو نامِ وفا ڈوب جائے گا

دریا سے مشک بھر کے جو نکلا وہ نیکنام   اٹھی سیہ گھٹا کی طرح سب سپاہِ شام
یوں ڈوب کر نکلتا تھا وہ آسماں مقام   (۱۳۹)   ظاہر ہو جیسے ابر میں چھپ کر مہِ تمام
موجیں تھیں رودِ نیل کی فوجیں کا دل نہ تھا
پرواہ رہے حواس کہ ابرو پہ بل نہ تھا

چلتی تھی بڑھ کے چار طرف تیغ برق دم　　کاندھے پہ مشک آب تھی پنجے میں تھا علم
دامن سے لگ کے ہاتھ اُلجھتا تھا دمبدم (۱۴۰)　　کرتا تھا جا بجا تگ و دو اسپ خوش قدم
اُڑ اُڑ کے برچھیوں جو اُترتا تھا کھیت میں
گھوڑے کے چاروں پاؤں دھنستے تھے ریت میں ※

جب مشک کی طرف کوئی آتا تھا سن سے تیر　　کہتے تھے یا حفیظ کبھی گاہ یا قدیر
چلّا رہا تھا شمر جفا پیشہ و شریر (۱۴۱)　　جانے نہ پائے لخت دل شاہ قلعہ گیر
رُخ اس جری کا خیمے کی جانب سے موڑ دو　　بڑھنے
ہاں برچھیوں سے شیر کے سینے کو توڑ دو

سُن کر زباں درازی شمرِ ستم شعار　　عباس مثل شیر جھپٹتے تھے بار بار
تلواریں سیکڑوں تھیں ہزاروں تھے نیزہ دار (۱۴۲)　　توڑی اگر یہ صف تو جمی دوسری قطار
تنہا سنبھالے مشک و علم یا وغا کرے
بلوہ ہو ساری فوج کا جس پر وہ کیا کرے

مشہور ہے کہ ایک پہ بھاری ہیں دو بشر　　پیاسے تھے ان کے خون کے دو لاکھ اہلِ شر
کھائے ادھر سے زخم جو کی اُس طرف نظر (۱۴۳)　　کس کس کا وار رد کریں دیکھیں کدھر کدھر
جب دم لیا تو سینے پہ سو تیر چل گئے
پہلو کو توڑ توڑ کے نیزے نکل گئے

سینہ سپر تھا مشک پہ روکے ہوئے تھے ڈھال　　لڑنے میں بھی حسینؑ کے بچوں کا تھا خیال
کہتا تھا ڈگمگا کے فرس پر وہ خوش خصال (۱۴۴)　　فرزند کو سنبھالیے یا شیر ذوالجلال
جا پہونچوں مشک لے کے جو تھوڑی سی راہ ہو
ایسا نہ ہو کہ پیاسوں کی کشتی تباہ ہو

※ [illegible]

یہ کہتے تھے کہ ٹوٹ پڑا لشکرِ کثیر　　بس چور ہو گیا پسرِ شاہ قلعہ گیر
آکر لگا میانِ دو ابرو جو ایک تیر (۱۴۵)　　تیورا گیا علی ولی کا مہ منیر
چھوٹی جو باگ پاؤں فرس کے بھی رک گئے
پھیلا کے ہاتھ مشک سکینہ پہ جھک گئے

اب یاں تو خاتمہ ہے سنو اس طرف کا حال　　ڈیوڑھی پہ ننگے سر ہے رسولِ خدا کا لال
غم سے کمر جھکی ہوئی رخ زرد جی نڈھال (۱۴۶)　　یہ کرب ہے کہ ہوتا ہے جو وقت انتقال
گر گر اُٹھے تڑپ کے اِدھر سے اُدھر گئے
جب آہ کی تو سب نے یہ جانا کہ مر گئے

فریاد کر کے دل کبھی تھاما جگر کبھی　　پکڑی طناب خیمہ کبھی اور کمر کبھی
گھبرا کے پیارے بھائی کی پوچھی خبر کبھی (۱۴۷)　　روئے پسر کے دوش پہ رکھ کے سر کبھی
کی آہ سامنے کبھی زہرا کی جائی کے
رو کر کبھی لپٹ گئے بیٹے سے بھائی کے

فرماتے تھے کراہ کے بیٹے سے بار بار　　شانہ دبا دو اے علی اکبر پدر نثار
کیسا یہ درد ہے کہ جگر کو نہیں قرار (۱۴۸)　　بازو کا زور لے گئے عباس نامدار
واحسرتا کہ بیکس و بے یار ہو گئے
سر پیٹیں کس سے ہاتھ تو بیکار ہو گئے

چلّاتے تھے کہ جانِ برادر بس اب پھر آؤ　　پہونچا ہے دم لبوں پہ یہیں آ کے دیکھ جاؤ
بھیّا خدا کے واسطے اب برچھیاں نہ کھاؤ (۱۴۹)　　عباس ہم اخیر ہیں تشریف جلد لاؤ
پیاری تمھاری ننھے سے ہاتھوں کو ملتی ہے
لو تم کو ڈھونڈھنے کو سکینہ نکلتی ہے

حضرت تو پیٹتے ہیں یہ کہہ کر بصد ملال   خیمے میں غش ہے زوجۂ عباسؑ خوش خصال
ڈیوڑھی پہ اہلبیتؑ ہیں سب کھولے سر کے بال (۱۵۰)   پردے سے مُنہ نکالے ہیں اطفال خورد سال
لب اُن کے اودے اودے ہیں مُنہ گورے گورے ہیں
آنکھوں میں اشک ہاتھوں میں خالی کٹورے ہیں

کہتے ہیں سب لبوں پہ زبانوں کو پھیر کر   اب پانی لے کے آتے ہیں عباس نامور
حضرت سے پوچھتی ہے سکینہ بہ چشم تر (۱۵۱)   میرے چچا کب آئیں گے یا شاہ بحر و بر
کیا میں سفر کروں گی جہاں سے تب آئینگے
بہلاتے ہیں حسینؑ کہ بی بی اب آئیں گے

گھیرے ہیں اُن کو لاکھ ستمگار ہائے ہائے   مانگو دعا کہ بھائی کو میرے خدا بچائے
وہ کہتی ہے میں پانی سے گذری نہ مشک آئے (۱۵۲)   ہو ہو بس اب چچا کو مرے کوئی پھیر لائے
رکھے خدا جہاں میں علیؑ کی نشانی کو
میں کیا کروں گی آگ لگے ایسے پانی کو

یہ ذکر تھا کہ فتح کے باجے بجے ادھر   تڑپے زمیں پہ گر کے شہنشاہ بحر و بر
چلائے بڑھ کے فوج سے دو چار اہل شر (۱۵۳)   حضرت کہاں ہیں مر گئے عباسؑ نامور
کیا کیا چلی ہیں تیغوں پہ تیغیں لڑائی میں
وہ زخم کھائے شیر پڑا ہے ترائی میں

افشاں ہے سر کے خون کے چھینٹوں سے نشان   عباسؑ کانپ جاتے تھے جھکتا تھا جب نشان
نام آوروں نے آج مٹایا عجب نشان (۱۵۴)   کیوں اے حسین کون اُٹھائے گا اب نشان
لاش ان کی پائمال ہوئی زخم پھٹ گئے
جن میں علی کا زور تھا وہ ہاتھ کٹ گئے

آئی صدا یہ نہر کی جانب سے ایک بار — آقا تمام ہوتا ہے یہ عبد جاں نثار
تن سے نکل کے آنکھوں میں اٹکی ہے جانِ زار (۱۵۵) اب ہے فقط حضور کے آنے کا انتظار
بابا کے ساتھ خلد سے تشریف لائی ہیں
حضرت کی والدہ مرے لینے کو آئی ہیں

شہ دوڑ کر پکارے کہ آتا ہوں بھائی جان — گھر لُٹ گیا ہے خاک اُڑاتا ہوں بھائی جان
طاقت بدن میں اب نہیں پاتا ہوں بھائی جان (۱۵۶) اک اک قدم پہ ٹھوکریں کھاتا ہوں بھائی جان
دستِ شکستہ بیٹے کی گردن میں ڈالے ہیں
بھیّا ہمیں تو اکبرِ مہ رو سنبھالے ہیں

دیکھا جو در سے بنتِ علیؑ نے یہ شہ کا حال — ڈیوڑھی سے نکلی چند قدم کھولے سر کے بال
چلائی کون قتل ہوا اے علیؑ کے لال (۱۵۷) مُڑ کر کہا حسینؑ نے عباسؑ خوش خصال
دریا پہ فوج شام نے مارا دلیر کو
زینبؑ اجل نے چھین لیا میرے شیر کو

خورشید مشرقین زمانے سے اُٹھ گیا — حیدرؑ کا نور عین زمانے سے اُٹھ گیا
وہ عاشقِ حسینؑ زمانے سے اُٹھ گیا (۱۵۸) زینبؑ ہمارا چین زمانے سے اُٹھ گیا
آتا نہیں قرار دلِ بے قرار کو
دریا پہ رونے جاتے ہیں خدمت گذار کو

اکبر کو ہاتھ اُٹھا کے پکاری وہ سوگوار — ہے ہے حسینؑ ہو گئے بے یار و غمگسار
ماتم جوان بھائی کا ہے تم پہ میں نثار (۱۵۹) اکبر خدا کے واسطے بابا سے ہوشیار
گرنے لگیں تو حیدرِ صفدر کا نام لو
بیٹا پدر کے ہاتھ کو مضبوط تھام لو

اکبر پدر کو تھامے ہوئے نہر پر جو لائے   غلطاں لہو میں بازوئے سرورؑ کے ہاتھ پائے
چلائے شاہ لاش کدھر ہے کوئی بتائے (۱۶۰)   فرق آگیا ہماری بصارت میں ہائے ہائے
رولیں گلے لگا کے تنِ پاش پاش کو
اکبر تمھیں دکھا دو برادر کی لاش کو

اکبرؑ نے شہ کے ہاتھ پکڑ کر بصد بکا   رکھے چچا کے سینے پہ اور رو کے یہ کہا
لیجیے یہی ہے لاشِ علمدارِ باوفا (۱۶۱)   چلائے جھک کے لاش پہ سلطانِ کربلا
ٹوٹی ہوئی کمر ہے سنبھالو حسینؑ کو
بھیا ذرا گلے سے لگالو حسینؑ کو

عباسؑ ہاتھ کٹ گئے شانوں سے ہے غضب   ریتی پہ دو طرف یہ تمھارا لہو ہے سب
لوٹا ہمیں رسولؐ کی اُمت نے بے سبب (۱۶۲)   بھیا ہماری جان نکلتی ہے تن سے اب
مر جائیں گے جِلا دو ہمیں مُنہ سے بول کر
دو باتیں کر لو بھائی سے آنکھوں کو کھول کر

کیوں خاک پر دھرے ہو یہ رخسار خوں میں تر   آؤ ہم اپنے زانو پہ رکھیں تمھارا سر
لیتے ہو کیوں کراہ کے کروٹ اِدھر اُدھر (۱۶۳)   ثابت ہوا کہ جلد ہے دُنیا سے اب سفر
ہے ہے دلیلِ مرگ ہے لکنت زبان کی
ہچکی نہیں یہ جسم سے رخصت ہے جان کی

غش میں سُنی جو گریۂ شبیر کی صدا   چونکے تڑپ کے حضرتِ عباسؑ باوفا
آہستہ کی یہ عرض کہ اے سبطِ مصطفاؐ (۱۶۴)   اس پیار کے نثار اِس الطاف کے فدا
زیبا ہے نکلے جان اگر پیشوائی کو
گویا رسول آئے ہیں مشکلکشائی کو

یہ کہہ کے روئے شہ کی طرف کی نظر بغور　　جھک کر پکارے شاہ کہ بھیا کہو کچھ اور
تڑپا قدم پہ شہ کے وہ مقتولِ ظلم و جور (۱۶۵) بس ہچکیاں بگڑنے لگے تیوروں کے طور
پتھرا کے چشمِ اشک فشاں بند ہو گئی
تھرّائے دونوں ہونٹھ زباں بند ہو گئی

قدموں کو کھینچ کر جو کراہا وہ تشنہ کام　　گودی میں پاؤں لے کے دبانے لگے امام
آقا سے جاں کنی میں نہ کچھ کر سکے کلام (۱۶۶) تھرائی لاش مر گئے عباسؑ نیک نام
گردن پھری ہوئی سوئے سبطِ نبی رہی
سوکھی زبان دانتوں کے نیچے دبی رہی ٭

ہاں روؤ مومنو یہ بکا کا مقام ہے　　تم میں شریک روحِ رسولِ انام ہے
اب رخصتِ حسین علیہ السلام ہے (۱۶۷) تاریخ آٹھویں ہے محرم تمام ہے
موت آئی تو شریکِ عزا کون ہوئیگا
جو سال بھر جیےگا وہ پھر شہ کو روئیگا

ہاں مومنو یہ شاہ کی ہے مجلسِ عزا　　زہرا ابھی ننگے سر ہیں قیامت کرو بپا
آ گے تمہارے مرتے جو عباسؑ باوفا (۱۶۸) پرسا نہ دیتے سبطِ رسولِ خدا کو کیا
سمجھو شریکِ بزم شہِ مشرقین کو
دے لو جوان بھائی کا پرسا حسینؑ کو

بس اے انیسؔ روک لے اب خامہ کی عناں　　یہ غم ہے جاں گزا نہ کبھی ہوئیگا بیاں
آنکھوں سے سامعین کے بھی اشک ہیں رواں (۱۶۹) خالق سے کر یہ عرض کہ خلاقِ انس و جاں
آنکھوں سے مس کروں میں مزارِ بتول کو
دکھلا دے جلد مرقدِ سبطِ رسول کو

مرثیہ

(۴)

کیا غازیانِ فوجِ خدا نام کر گئے — لاکھوں سے تشنہ کام لڑے کام کر گئے
اُمت کی مغفرت کا سر انجام کر گئے (۱) — فیض اپنا مثل ابر کرم عام کر گئے

پڑھتے ہیں سب درود جو ذکر اُنکے ہوتے ہیں
ایسے بشر وہ تھے کہ ملک جن کو روتے ہیں

دیندار و سر فروش و شجاع و خوش اعتقاد — ہاتھوں میں تیغیں اور دلوں میں خدا کی یاد
زخموں کو نخل قد پہ وہ سمجھے گل مراد (۲) — مردانگی یہ پیاس میں فاقوں میں یہ جہاد

تیغوں سے بند کون سا اُن کا کٹا نہ تھا
پر معرکے سے پاؤں کسی کا ہٹا نہ تھا

برسوں رہیگا چرخ میں گر آسمان پیر — لیکن نظر نہ آئیگا اُن کا کہیں نظیر
گورے نہ اُن کے پاؤں نہ روئے مہ منیر (۳) — خورشید جن کے سامنے اک ذرہ حقیر

پر خوں قبائیں جسم میں سینے تنے ہوئے
پہونچے ریاض خلد میں دولہا بنے ہوئے

رستم اُٹھا نہ سکتا تھا سر اُن کے سامنے — شیروں کے کانپتے تھے جگر اُن کے سامنے
پھیکی تھی روشنی قمر اُن کے سامنے (۴) — اُڑتا تھا رنگ روئے سحر اُن کے سامنے

بخشا تھا نور حق نے ہر اک خوش صفات کو
ہوتا تھا دن جو گھر سے نکلتے تھے رات کو

غلطی سے ۱۵۳ کو دوبارہ ۲۴۳ کے بعد دیکھیے

پیشانیوں پہ جلوہ نما اخترِ سجود دیکھیں جو اُن کا نور تو قدسی پڑھیں درود
رُخ سے عیاں جلال و جوانمردی و نمود (۵) شیدائے آلِ شیفتۂ واجب الوجود
جینے کی شاہِ دیں کو دعا دے کے مر گئے
ایماں کے آئینہ کو جلا دے کے مر گئے

تاثیر کر گئی تھی اُنھیں صحبتِ امام تھا نزع میں بھی خشک لبوں پر خدا کا نام
لبریز تھے محبتِ حیدرؑ سے دل کے جام (۶) ذی قدر و ذی شعور دلاور خجستہ کام
لشکر جو اُن پہ ٹوٹ پڑے شام و روم کے
تلواریں کھائیں جسم پہ کیا جھوم جھوم کے

لاکھوں میں انتخاب ہزاروں میں لاجواب تھا خشک و تر پہ جن کا کرم صورتِ سحاب
وہ نور وہ جلال وہ رونق وہ آب و تاب (۷) زہراؑ کے گھر کے چاند زمانے کے آفتاب
بس یک بہ یک جہاں میں اندھیرا سا چھا گیا
دن بھی ڈھلا نہ تھا کہ زوال اُن پہ آ گیا

گُل ہو گئے عقیلؑ کی تربت کے جب چراغ جعفرؑ کے لاڈلوں نے دیئے شہ کے دل کو داغ
ماتم سے بھانجوں کے ہوا تھا نہ انفراغ (۸) پامال ہو گیا حسنِ مجتبیٰ کا باغ
لاشے اُٹھائے جنگ کرے یا بکا کرے
جس پر گریں یہ کوہِ مصیبت وہ کیا کرے

صدمہ یہ تھا کہ لُٹنے لگی دولتِ پدر نکلے نبرد کو اسداللہ کے پسر
مارے گئے جہاد میں جس دم وہ شیرِ نر (۹) رخصت ہوئے حسینؑ سے عباسؑ نامور
دریا بہے لہو کے بڑا کشت و خوں ہوا
ڈھلتی تھی دوپہر کہ علم سرنگوں ہوا

پیری میں قہر ہے خبر مرگ نوجواں ریتی پہ تھرتھرا کے گرے شاہ انس و جاں
نکلیں سروں کو پیٹتی خیمے سے بیبیاں (۱۰) تھا خانۂ علیؑ میں تلاطم کہ الاماں
یوں گھر الٹ پلٹ تھا امامِ حجاز کا
جس طرح ٹوٹ جاتا ہے لنگر جہاز کا

غل تھا کہ خوں میں بھر گیا سقائے اہلبیت دنیا سے کوچ کر گیا سقائے اہلبیت
ہم لٹ گئے گذر گیا سقائے اہلبیت (۱۱) فریاد ہے کہ مر گیا سقائے اہلبیت
ہے ہے کہاں سے اپنے بہشتی کو لائیں گے
سوکھی زبان اب کسے بچے دکھائیں گے

ہلتا تھا خیمہ روتے تھے یوں اہلبیت شاہ صدمے سے حال زوجۂ عباس تھا تباہ
چلاتی تھی کہ نہر کی مجھ کو بتاؤ راہ (۱۲) ہے ہے میں لٹ گئی مرے بچے ہوئے تباہ
خم تھے گرا تھا کوہِ مصیبت حسینؑ پر
ماتم تھا بیبیوں میں سکینہ کے بین پر

ماتم اِدھر تھا جشن میں تھے اہل شر اُدھر بجتے تھے شادیانۂ فتح و ظفر اُدھر
انعام بانٹتا تھا ہر اک کو عمر اُدھر (۱۳) روتے تھے دیکھ دیکھ کے حضرتؑ ادھر اُدھر
غل تھا کہ بس حسین بہت رو لئے بھائی کو
کوئی جواں ہو اور تو بھیجو لڑائی کو

باقی نہیں کوئی تو وغا کو خود آئیے حیدرؑ کی ذوالفقار کے جوہر دکھائیے
زخم سنان و خنجر و شمشیر کھائیے (۱۴) گرمی بڑی ہے آج لہو میں نہائیے
آمادہ ہم تو دیر سے بہرِ ستیز ہیں
تیغیں بھی ہیں اپی ہوئی خنجر بھی تیز ہیں

کاٹے ہیں جس نے بازوے لختِ دلِ امیر　　　ہے خوب آبدار وہ شمشیرِ بے نظیر
چھیدا ہے جس سے مشک کو موجود ہے وہ تیر (۱۵)　　　یہ گرز وہ ہے ضرب سے جس کی ہوئے اسیر
تڑپے تھے جس سے مشک کو دانتوں سے چھوڑ کر
برچھی یہ ہے جو نکلی تھی پہلو کو توڑ کر

صابر بڑے ہیں آپ تو یا شاہِ انس و جاں　　　اِک بھائی کے فراق میں یہ نالہ و فغاں
رونے سے جی اُٹھینگے نہ عباس نوجواں (۱۶)　　　حضرت پکارتے ہیں کسے بھائی اب کہاں
ملتا ہے کب جہاں میں بھلا جو گذر گیا
اب فکر اپنی کیجیے وہ شیر مر گیا

اکبرؑ نے کی غضب کی نظر سوے فوجِ شام　　　کانپے یہ غیظ سے کہ اُگلنے لگی حسام
کی عرض ہاتھ جوڑ کے اے قبلۂ انام (۱۷)　　　سنتے ہیں آپ لشکرِ اعدا کے یہ کلام
خوں تن میں جوش کھاتا ہے ہنگامِ جنگ ہے
مولا بس اب تو حوصلۂ صبر تنگ ہے

اُن کے کلام سننے کی کس کے جگر میں تاب　　　خادم زبانِ تیغ سے دے گا اُنھیں جواب
کیا اپنے دل میں سمجھے ہیں یہ خانماں خراب (۱۸)　　　نعرہ کروں تو شیر کا زہرہ ہو آب آب
آداب شاہ سے نہیں ہم بول سکتے ہیں
زخمِ جگر پہ اب تو نمک یہ چھڑکتے ہیں

عمرو کو قتل کر کے بہت ہو گئے ہیں شیر　　　ان ظالموں کے زعم میں اب ہم نہیں دلیر
معلوم ہوگا لاشوں کے جب ان میں ہونگے ڈھیر (۱۹)　　　دیکھیں تو کون اب ہے زبردست کون زیر
مجمع جو ہے اُدھر ہمیں تنہا سمجھتے ہیں
اچھا یوں ہی سہی ہم اُنھیں کیا سمجھتے ہیں

جوہر دکھائیں ہم کو بہادر جو ہیں بڑے — تب جانیں ایک ایک نکل کر اگر لڑے
کیا لطف ہے جو ایک پہ سب مل کے گر پڑے (٢٠) چاہیں جو ہم تو نہر کو لے لیں کھڑے کھڑے
دبتے ہیں سرکشوں سے کوئی جو دلیر ہیں
فاقہ ہو یا کہ پیاس ہو پھر شیر شیر ہیں

ہم کو یہ طعن و طنز کی باتیں نہیں پسند — کوفے میں لیں گے دم جو اٹھائینگے پھر سمند
ہونٹوں پہ غم سے اب ہی یہاں جان دردمند (٢١) کاٹیں تبر سے تیغ سے خنجر سے بند بند
ہنس ہنس کے جسم پر تبر و تیر کھائیں گے
تیغ زباں کے زخم اٹھائے نہ جائیں گے

گھبرا کے دیکھنے لگے بیٹے کے منہ کو شاہ — فرمایا خیر کہہ لیں جو کہتے ہیں روسیاہ
کیوں کانپتے ہو غیظ سے اے میرے رشکِ ماہ (٢٢) لازم ہے صبر و شکر کہ راضی رہے اللہ
غصہ اسی طرح اگر آئے گا آپ کو
خنجر کے نیچے دیکھو گے کس طرح باپ کو

برہم نہ ہو تمھیں سرِ شبیر کی قسم — لو گھر میں جاؤ خیر سمجھ لیں گے ان سے ہم
دیکھو ہمیں کہ بھائی کے بازو ہوئے قلم (٢٣) تلوار دل پہ چل گئی مارا نہ ہم نے دم
سب جل کے خاک ہوں جو ابھی بددعا کروں
پر امتِ نبی ہے بجز صبر کیا کروں

یہ سن کے زرد ہو گئے ہمشکل مصطفےٰ — رو کر کہا یہ کرتے ہیں ارشاد آپ کیا
وہ وقت وہ گھڑی نہ دکھائے ہمیں خدا (٢٤) بابا نہ ہو تو بیٹے کے جینے کا کیا مزا
آمادۂ فنا ہیں خوشی دل سے فوت ہے
پھر خضر کی حیات ملے گر تو موت ہے

کیا پہلے سر کٹائیے گا یا شہِ زماں   کس اشتیاق سے شہِ دیں نے کہا کہ ہاں
آگے جو کچھ رضائے خدا اے پدر کی جاں   (۲۵)   جیتے ہیں پیر سامنے مرتے ہیں نوجواں
دیکھو کہ چھوٹے بھائی کے ماتم میں روتے ہیں
پالا تھا جن کو ہم نے وہ دریا پہ سوتے ہیں

یہ کہہ کے اُٹھ کھڑے ہوئے سلطانِ بحر و بر   پٹکے سے باندھنے لگے ٹوٹی ہوئی کمر
قدموں پہ گر پڑے علی اکبرؑ بہ چشمِ تر   (۲۶)   کی عرض رحم کیجیے مر جائے گا پسر
آگے مرے جو ہو گی شہادت امام کی
دُنیا میں آبرو نہ رہیگی غلام کی

چھوٹے تھے جو کہ سن میں بڑے کر گئے وہ کام   یا شاہ کیا لڑائی کے قابل نہیں غلام
عموؑ کے خوں کا لیں گے لعینوں سے انتقام   (۲۷)   ہم نے بھی تیغ باندھی ہے بچپن سے یا امام
عزت ملی ہے خلق میں صدقے سے آپ کے
بیٹا وہی جو رنج میں کام آئے باپ کے

انصاف آپ کیجیے یا سرورِ عرب   بیٹا تو گھر میں بیٹھے لڑے باپ تشنہ لب
مارا گیا نہ آج تو کل یہ کہیں گے سب   (۲۸)   کیسا لہو سفید ہے دُنیا کا ہے غضب
سر کو کٹا کے باپ جہاں سے گذر گیا
بیٹا جوان باپ کے آگے نہ مر گیا

بہرِ رسولؐ رن کی رضا دیجیے مجھے   صدقہ علی کا اذنِ وغا دیجیے مجھے
مرتا ہوں یا امام جِلا دیجیے مجھے   (۲۹)   یادِ خدا میں دل سے بھلا دیجیے مجھے
کھولیں کمر حضور تو دل کو قرار ہو
کہہ دیجیے کہ جا علی اکبر نثار ہو

شہ نے کہا تمھیں مرے دل کی نہیں خبر　　پیارے کہاں سے لاؤں میں اس طرح کا جگر
ہے باپ کا عصائے ضعیفی جواں پسر　(٣٠)　جب تم نہ ہوگے پاس تو مر جائے گا پدر
ایسے ہنسنے نہ تھے کہ ہمیں تم رُلاتے ہو
شادی کے دن جو آئے تو مرنے کو جاتے ہو

راتیں یہ عیش کی ہیں مرادوں کے ہیں یہ دن　　پورے جواں نہیں ابھی کیا ہے تمھارا سن
اکبر تری جوانی پہ روئیں گے انس و جن　(٣١)　کیونکر قرار آئے گا ماں کو تمھارے بن
کیسی ہوا چلی چمن روزگار میں
سیّد کا باغ لُٹتا ہے فصلِ بہار میں

دیتا اگر تمھیں کوئی فرزند ذوالجلال　　ہوتی پدر کی قدر سمجھتے ہمارا حال
رخصت کا آپ سے یونہیں کرتا وہ جب سوال　(٣٢)　تب جانتے کہ دیتے اُسے رخصت جدال
کیا جانے وہ مزا جسے اِس کا ملا نہیں
اچھا سدھارو تم سے ہمیں کچھ گلا نہیں

تسلیم کرکے بولے علی اکبرِ غیور　　لاکھوں برس جہاں میں سلامت رہیں حضور
فرمایا شہ نے خیر اجل بھی نہیں ہے دور　(٣٣)　برچھی لگا کے دل پہ خوش آمدید کیا ضرور
تقریر میں پدر کو نہ اب بند کیجیے
خیمے میں جاکے ماں کو رضامند کیجیے

ہیں مبتلائے رنج بھلا کیا ہمارا پیار　　تم سے جو سَو پسر ہوں تو اس راہ میں نثار
ہر دم خدا سے خیر کا ہوں میں امیدوار　(٣٤)　ہاں ماں نہ جانے دے تو مرا کیا ہے اختیار
سینے میں دل ہلیگا بدن تھرتھرائیگا
رخصت کا نام سنتے ہی غش اُس کو آئیگا

سب جانتے ہیں جو ہے پھوپھی کو تمھاری چاہ　　معلوم ہو گا جاؤ گے جب سوئے خیمہ گاہ
باہیں گلے میں ڈالیگی زینب باشک و آہ (۳۵) قدموں پہ گر کے آپ کے ماں ہو گی سدِ راہ
یہ مرحلہ بھی کم نہیں زنجیر و طوق سے
دونوں رضا جو دیں تو چلے جاؤ شوق سے

حسرت یہ ایک کو ہے کہ دولھا بنے پسر　　آئے دلھن جو چاند سی آباد ہو یہ گھر
پوتے کی آرزو میں ہے ایک سوختہ جگر (۳۶) نخلِ مراد کا یہی دنیا میں ہے ثمر
ہر دم یہی ہے ذکر جو فضلِ الٰہ ہو
اُنیسویں برس علی اکبرؑ کا بیاہ ہو

ماں کہتی تھی بناؤں گی دولہا اسی برس　　مرنے کی تم کو عین جوانی میں ہے ہوس
کچھ اس میں زور ہے نہ ہمارا نہ اُنکا بس (۳۷) ہم بھی مریں گے خیر نہیں اتنا پیش و پس
شکوہ نہ چرخ کا نہ شکایت ہے آپ کی
پیری میں یہ بھی رنج تھا قسمت میں باپ کی

روتے ہوئے چلے علی اکبر سوئے خیام　　کانپا یہ دل کہ بیٹھ گئے خاک پر امام
روتا ہوا جو ڈیوڑھی سے آیا وہ نیکنام (۳۸) دوڑی پسر کو دیکھ کے بانوئے تشنہ کام
دامن سے آکے بالی سکینہ چمٹ گئی
زینب بلائیں لے کے گلے سے لپٹ گئی

ماں گرد پھر کے بولی کہ اے میرے گلعذار　　تم صبح سے گئے تھے اب آئے یہ ماں نثار
در پر تڑپ تڑپ کے میں جاتی تھی بار بار (۳۹) کھولو بس اب کمر کہ مرا دل ہے بیقرار
گرمی یہ اور قحط کئی دن سے آب کا
رُخ تمتما گیا ہے مرے آفتاب کا

(۴۰)
تر ہے قبا پسینے میں پنکھا کوئی ہلاؤ   سونلا گئے ہو دھوپ میں واری ہوا میں آؤ
جھاڑوں ردا سے گرد میں زلفوں کی بٹھ جاؤ   گھٹ جائے گا لہو مرا آنسو نہ تم بہاؤ
صدمہ جو دل پہ ہو اُسے کچھ منھ سے کہتے ہیں
کیا ہے جو اشک نرگسی آنکھوں سے بہتے ہیں

(۴۱)
صغرا کی تو وطن سے کچھ آئی نہیں خبر   جلدی کہو کہ منھ سے نکلتا ہے اب جگر
اکبر نے عرض کی کہ ہیں سب خیر سے مگر   لُٹتا ہے کوئی آن میں خیر النسا کا گھر
ملتی نہیں رضا ہمیں آنسو بہاتے ہیں
بابا گلا کٹانے کو میداں میں جاتے ہیں

(۴۲)
اِس وقت کس سے دردِ دل اپنا کہوں میں آہ   تم بھی ہو سدِّ راہ پھوپھی بھی ہیں سدِّ راہ
چھائی ہے واں گھٹا کی طرح شام کی سپاہ   اماں مدد کرو کہ کمر باندھتے ہیں شاہ
اب زندگی ہے تلخ بہت دق ہیں جان سے
الفت نے آپ کی ہمیں کھویا جہان سے

(۴۳)
دیتے نہیں رضا جو امامِ فلک اساس   خاطر فقط یہ آپ کی ہے اور پھوپھی کا پاس
اب غیر یاس کوئی نہیں اُن کے آس پاس   ناطاقتی ہے ضعف ہے فاقہ ہے اور پیاس
کیونکر لڑیں گے وہ کہ سراپا ضعیف ہیں
پیری میں دل ضعیف ہے اعضا ضعیف ہیں

(۴۴)
عباسؑ جب سے مر گئے روتے ہیں دمبدم   رُخ زرد ہے کماں کی طرح ہو گئے ہیں خم
چلّوں میں تیر جوڑے ہیں واں بانیِ ستم   قرباں ہوں کس طرح پسرِ فاطمہ پہ ہم
سب روکتے ہیں اُن کی طرف جائیں کس طرح
ماں کو پھوپھی کو بہنوں کو سمجھائیں کس طرح

بابا کا حکم ہے کہ رضا جاکے ماں سے لاؤ — راضی پھوپھی ہوں جب تو لڑو اور زخم کھاؤ
مرضی ہے آپ کی کہ مرے پاس سے نہ جاؤ (۴۵) یا فاطمہ تمھیں علی اکبر کے کام آؤ
چلنے لگیں نہ تیر رشہ مشرقین پہ
نرغہ ہے ظالموں کا تمھارے حسین پہ

دیکھی گئی نہ ماں سے یہ بیتابی پسر — وارث کی بیکسی پہ لگا کانپنے جگر
ہاتھوں سے دل کو تھام کے بولی وہ نوحہ گر (۴۶) دولت پہ فاطمہ کی تصدق تمام گھر
پہلے نہ کچھ کہا تھا نہ اب روکتی ہوں میں
روتے ہو کس لیے تمھیں کب ٹوکتی ہوں میں

زہرا کے لال پر مرے مادر پدر نثار — عابد نثار اصغر تشنہ جگر نثار
جانیں ہزار ہوں تو فدا لاکھ سر نثار (۴۷) قربان گھر کنیز تصدق پسر نثار
کسرائی گو کہ ہوں پہ بہو میں علی کی ہوں
مانگو گے جو وہ دونگی کہ لونڈی سخی کی ہوں

۱۰۱ مجھ پر حوالہ کرتے ہیں گر شاہ خوش خصال — رخصت نہ تم کو دوں یہ بھلا کیا مری مجال
صدقہ انھیں کا ہے کہ ملا تم سا نونہال (۴۸) رخصت کا صدقے جاؤں پھوپھی سے کرو سوال
ہم سب کنیزیں بنتِ امیرِ عرب کی ہیں
اصغر ہو یا کہ تم وہی مختار سب کی ہیں

کہنے کو یوں ہیں چاہنے والے تمھارے سب — لیکن ہے اُن کے عشق سے نسبت کسی کو کب
دن کو انھوں نے دن کبھی جانا نہ شب کو شب (۴۹) لیجیے انھیں سے آپ کو جس شے کی ہے طلب
مجھ سے نہ کچھ نہ سیدِ عالی سے پوچھیے
گر پوچھیے تو پالنے والی سے پوچھیے

روتے ہوئے گئے علی اکبر پھوپھی کے پاس — دیکھا کہ غش پڑی ہے زمیں پر وہ حق شناس
(۵۰)
زانو پہ سر لئے ہوئے کبرا ہے بے حواس — اِس حال میں بھی لب پہ یہی ہیں کلام یاس
آب تاب و طاقت جسد روح و دل گئی
کیوں صاحبو رضا علی اکبر کو مل گئی

اکبرؑ سے مجھ کو یہ نہ توقع تھی ہے غضب — اتنا نہیں خیال کہ ہے کون جاں بلب
(۵۱)
اس گل نے ہائے میری ریاضت بھلائی سب — نامِ خدا جواں ہوئے کیا ہم سے کام اب
ہیں محو رن کے شوق میں رخصت کے دھیان میں
سچ ہے کسی کا کون ہوا ہے جہان میں

یا بے ہمارے چین نہ آتا تھا کوئی دم — مالک آپ اور ہو گئے کوئی ہوئے نہ ہم
(۵۲)
کیا دخل تھا جو ڈیوڑھی سے باہر رکھیں قدم — ہے ہے وہ میرا درد و مصیبت وہ رنج و غم
جاگی ہوں میں جو چونک کے راتوں کو روئے ہیں
پوچھو تو کس کی چھاتی پہ بچپن میں سوئے ہیں

کنگھی کسی کے ہاتھ کی بھاتی نہ تھی کبھی — بے میرے لیٹے نیند انھیں آتی نہ تھی کبھی
(۵۳)
بے اُن کے ماں کی قبر پہ جاتی نہ تھی کبھی — روئیں بسیرے پہ اُن کو رُلاتی نہ تھی کبھی
میرے سوا کسی کو کبھی جانتے نہ تھے
جو تھی سو میں تھی ماں کو تو پہچانتے نہ تھے

ہر چند دونوں تھے مرے فرزند خرد سال — پر اِن کے آگے اُن کا مجھے کچھ نہ تھا خیال
(۵۴)
راتوں کو جب لپٹتے تھے مجھ سے وہ نونہال — میں کہتی تھی ہٹو علی اکبرؑ ہے میرا لال
وہ دونوں مرنے والے تو پہلو میں رہتے تھے
پھیلا کے پاؤں یہ مری چھاتی پہ سوتے تھے

چھوٹا تو ضد بھی کرتا تھا راتوں کو بار ہا — پر عون کیا عقیل تھا بخشے اُسے خدا
دن رات تھی خوشامدِ ہمشکلِ مصطفیٰ (۵۵) سینے پہ جب یہ سوئے تو اُس نے یہی کہا
آقا کے نورِ عین ہیں عالی مقام ہیں
آماں یہ شاہزادے ہیں اور ہم غلام ہیں

رہتے تھے پاس باپ کے وہ غیرتِ قمر — اُلفت میں ان کی مجھ کو کچھ اُن کی نہ تھی خبر
قرآن پڑھنے بیٹھتی تھی جب دمِ سحر (۵۶) صورت پہ تھی انھیں کی تلاوت میں بھی نظر
غافل نہ ان کے پیار سے میں ایک آن تھی
قرآں تو رحل پر تھا حمائل میں جان تھی

میں نے انھیں پہ صدقے کیے اپنے دونوں لال — تسکین تھی کہ باقی ہے اکبر سا نونہال
مانگے تو آکے مجھ سے بھلا رخصتِ جدال (۵۷) نکلوں گی ساتھ خیمے سے بکھرا کے سر کے بال
کیا خوب جیتے جی مرے جائینگے مرنے کو
تلوار باندھ لی ہے انہیں ذبح کرنے کو

بچپن میں تھا نہ ہم سے زیادہ کسی کا پیار — اب کیا غرض گذر گئی وہ فصل وہ بہار
بھیگیں مسیں نمود ہوا سبزۂ عذار (۵۸) مالک ہیں خود بھلا مرا اب کیا ہے اختیار
ثابت ہوا اِدھر سے اُدھر مرنے جائینگے
میں مر بھی جاؤں گی تو وہ یاں تک نہ آئینگے

باہر سدھارے یا ابھی ہیں ماں سے کچھ کلام — بھابھی نے کیوں لیا تھا ابھی رو کے میرا نام
سینے پہ منہ کو رکھ کے یہ بولا وہ لالہ فام (۵۹) آنکھیں تو آپ کھولیے حاضر ہے یہ غلام
خادم جدا نہ تھا شہ گردوں سریر سے
کس جرم پر حضور خفا ہیں حقیر سے

کیا ہے قصور جس پہ یہ غصہ ہے یہ عتاب — کرتا ہوں بات میں کوئی بے مرضیِ جناب
روتا ہوں یہ کہ صبر کی مجھکو نہیں ہے تاب — شکوہ یہ خاکسار کا اے بنتِ بوتراب (۶۰)
ہر دُکھ میں ہر بلا میں مددگار آپ ہیں
پالا ہے مجھکو مالک و مختار آپ ہیں

پیدا ہُوا تو آپ کی صحبت مجھے ملی — کرتی ہے روح شکر وہ راحت مجھے ملی
یوسفؑ کو کب ملی تھی جو دولت مجھے ملی — رکھا عزیز آپ نے عزّت مجھے ملی (۶۱)
صدقہ ہے اس قدم کا جو سرتا فلک گیا
کی مہرِ آفتاب نے ذرّہ چمک گیا

مرضی نہ ہو تو رَن کو بھی جائے نہ یہ غلام — بندے ہیں ہم اطاعتِ مالک سے ہم کو کام
تکرار کی مجال نہ اصرار کا مقام — مرتے اگر تو اس میں بھی تھا آپ ہی کا نام (۶۲)
روتی ہیں آپ کس لیے اچھا نہ جائینگے
پر یاد رکھیے منھ نہ کسی کو دکھائینگے

یہ کہکے جھک گیا جو قدم پر وہ ذی وقار — بس ہو گئیں محبتِ قلبی سے بے قرار
پھیلا کے دونوں ہاتھوں کو اُٹھیں بحالِ زار — شکوے کے بدلے منھ سے یہ نکلا کہ میں نثار (۶۳)
اُمڈا یہ دل کہ چشم کے ساغر چھلک پڑے
دیکھا جو آفتاب کو آنسو ٹپک پڑے

لے کر بلائیں بولیں کہ واری خفا نہ ہو — صدقے ہے تم پہ جان ہماری خفا نہ ہو
باتیں تھیں یہ تو پیار کی ساری خفا نہ ہو — روتے ہو کیوں منگا دُوں سواری خفا نہ ہو (۶۴)
آئے بلا حسینؑ پہ جو اُس کو رد کرو
اچھا سدھارو دُکھ میں پدر کی مدد کرو

الفت کے جوش میں تو یہ مُنھ سے کہا مگر   اُٹھا یہ دل میں درد کہ تھرا گیا جگر
اکبر کو روتے دیکھ کے بولی وہ نوحہ گر   (٦٥) کیا ماجرا ہوا مجھے مطلق نہیں خبر
میں روکنے نہ پائی کہ وار اُنکا چل گیا
کیا میں نے کہہ دیا کہ کلیجہ نکل گیا

کیا جا کے اب نہ آئیگا گھر میں یہ نونہال   ہے ہے مری کمائی پہ آ جائے گا زوال
جس وقت سے شہید ہوئے رن میں نونہال   (٦٦) بیہوش ہوں حواس میں ہے میرے اختلال
ایسا ہے اضطراب کہ کچھ جس کی حد نہیں
جو آپ میں نہ ہو سخن اُس کا سند نہیں

میں ہوش میں نہ تھی یہ قدم پر گرے تھے جب   میں بھی کہوں یہ پاؤں پہ گرنے کا کیا سبب
لو مجھ پہ اب کھُلا کہ یہ رخصت کی تھی طلب   (٦٧) اکبر کو میں نے ہاتھ سے کھویا تھا ہے غضب
اصلا خبر نہیں مرے دلبر نے کیا کہا
میں نے جواب کیا دیا اکبر نے کیا کہا

کیا کہہ دیا تھا مرنے کو جائے یہ گلبدن   راضی ہوئی تھی میں کہ خزاں ہو مرا چمن
بیخود ہوں جب سے رن میں سدھارے ہیں شیر من   (٦٨) کہتی ہوں کچھ زباں سے نکلتا ہے کچھ سخن
اتنی خبر نہیں علی اکبرؑ کے پیار میں
قابو میں ہے نہ دل نہ زباں اختیار میں

زندوں میں ہوتی گر تو یہ کہتی کہ مرنے جائیں   اس بیاباں میں شہید ہوں فاقوں میں زخم کھائیں
اٹھارھواں برس ہے دُلھن تو مجھے دکھائیں   (٦٩) پالا ہے منتوں سے مُرادیں مری بر آئیں
مرتی ہوں اشتیاق میں سہرا تو دیکھ لوں
سہرے کے نیچے چاند سا چہرا تو دیکھ لوں

(60)
ایسا نہ ہو کہ بانوئے بیکس کو ہو خبر — رخصت کے نام سے مرا پھٹتا ہو اب جگر
پیارا ہوا نہ بنت علیؑ کو مرا پسر — گر سن لیا تو دل میں کہیگی وہ نوحہ گر
سمجھی تھیں کیا جو دی اسے رخصت جدال کی
زینب نے ہائے قدر نہ کی میرے لال کی

(61)
ہوں لاکھ اُن کی چاہنے والی وہ پھر ہیں ماں — سچ ہے کہ اُس کی چاہ سے نسبت مجھے کہاں
آنچ آتا کی ہے وہ قیامت کہ الاماں — آنکھوں کا نور قلب کی طاقت بدن کی جاں
کیا سوچتے ہو صاحبو کچھ تم کو خیر ہے
ماں ہے تو ماں ہی خلق میں پھر غیر غیر ہے

(62)
غصہ ہو یا کہ سخت کہے دل میں ہے نثار — ماں کی نہ کم توجھی اور نہ کسی کا پیار
دُنیا میں عاشقوں کے دلوں کو کہاں قرار — بلبل فدا ہے گل پہ شکایت کرے ہزار
دیں ماں کا ساتھ نامِ خدا اب جوان ہیں
میرا ہے جب یہ حال پھر اُسکی تو جان ہیں

(63)
آئی قریب حضرتِ زینب وہ نیک نام — جس دم سنے یہ دُور سے بانو نے سب کلام
میں ہوں کنیز آپ کی اور یہ پسر غلام — کی عرض ہاتھ جوڑ کے اے خواہرِ امام
کس کی مجال ہے جو کہیگا یہ کیا کیا
بی بی نے دی غلام کو رخصت بجا کیا

(64)
ہو قطع وہ زبان جو کرے آپ کا گلا — لونڈی ہے فاطمہؑ کی کنیزوں میں باوفا
مالک ہیں آپ اس میں کسی کو ہے دخل کیا — حضرت کو ان کے سر پہ سلامت رکھے خدا
کچھ جائے گفتگو ہے نہ ماں کو نہ باپ کو
ہے دخل اذن دینے نہ دینے کا آپ کو

(۷۵)
غم کھائیے نہ خونِ جگر آپ پیجیے   عابد کو بھیج دیجیے اصغر کو بھیجیے
ہے اختیار دیجیے رخصت نہ دیجیے   قربان جاؤں جو ہو مناسب وہ کیجیے
شادی ہو یا کہ غم ہو شریکِ ثواب ہوں
ہر طرح سے میں تابعِ حکمِ جناب ہوں

(۷۶)
گھر میرا جب سے لٹ گیا اس گھر میں آئی ہوں   شکوے کا کوئی حرف کبھی لب پہ لائی ہوں
کسریٰ کی گو کہ پوتی ہوں سلطاں کی جائی ہوں   لونڈی ہوں آپ کی علی اکبر کی دائی ہوں
صدقہ یہ آپ کا ہے جو شہ کو عزیز ہوں
بھاوج نہ جانیے مجھے ادنیٰ کنیز ہوں

(۷۷)
آپ اس کی ماں ہیں آپ کا فرزند ہے یہ لال   دخل اس معاملے میں کوئی دے یہ کیا مجال
یہ عازمِ جدال ہے اور آپ کا یہ حال   قدموں کو چھوڑتا نہ کبھی نیکو خصال
آپ اس کو چاہتی ہیں یہ صدقے ہو آپ پر
پر کیا کرے کہ آج مصیبت ہے باپ پر

(۷۸)
قسمت بُری ہے اس میں کسی کا قصور کیا   اچھا رہیں کہ جائیں ہمارا بھی ہے خدا
پروا ہماری ہے نہ خیال ان کو آپ کا   تابع ہم آپ کے بھی ہیں ان پر بھی ہیں فدا
عابد ہوں یا کہ یہ سبھی آنکھوں کے تارے ہیں
پر اب تو یہ نہ آپ کے ہیں نہ ہمارے ہیں

(۷۹)
یہ سن کے کانپنے لگی زینب جگر فگار   آئی صدا اے فاطمہ بیٹی یہ ماں نثار
اللہ یہ محبتِ فرزند اور یہ پیار   تنہا ستم کی فوج میں ہے میرا گلعذار
رخصت نہ دے گی تو اگر اس نورِ عین کو
کون اب بچائے گا مرے بیکس حسین کو

آواز سُن کے کانپ گئی بنتِ مرتضیٰ بانو کے مُنھ کو دیکھ کے اکبر سے یہ کہا (۸۰)
واری سدھارو خیر جو کچھ مرضیِ خدا ترکِ ادب ہے تم کو اگر اب نہ دوں رضا
یاں والدہ بہشت سے تشریف لائی ہیں
بنتِ نبی تمھاری سفارش کو آئی ہیں

تسلیم کرکے خیمے سے وہ سیمبر چلا پیچھے حرم کا قافلہ سب ننگے سر چلا (۸۱)
بانو پکارتی تھی کہ پیارا پسر چلا چلاتی تھی پھوپھی مرا لختِ جگر چلا
لٹتے ہیں اہلبیت دوہائی امام کی
تصویر گھر سے جاتی ہے خیر الانام کی

بھائی کے غم سے عابدِ بیکس تھے بے قرار اُٹھتے تھے اور زمین پہ گرتے تھے بار بار (۸۲)
بہنیں پکارتی تھیں کہ بھیّا ترے نثار سینوں کو پیٹتی تھیں خواصیں بحالِ زار
اک حشر تھا جدا علی اکبر جو ہوتے تھے
جھولے میں پھوٹ پھوٹ کے اصغر بھی روتے تھے

ہلتا تھا خیمہ انڈول میں تھی دیہڑا دھڑی آہوں کی بجلیاں تھیں تو اشکوں کی تھی جھڑی (۸۳)
کوئی ادھر کو غش تھی کوئی تھی اُدھر پڑی آفت کا وقت تھا تو قیامت کی تھی گھڑی
ماتم تھا یہ حسین کے تازہ جوان کا
جاتا ہے گھر سے جیسے جنازہ جوان کا

نکلا حرم سرا سے جو وہ نورِ حق کا نور خادم نے دی صدا کہ برآمد ہوئے حضور (۸۴)
حضرت کھڑے تھے خیمے کی ڈیوڑھی سے کچھ جو دُور دستِ ادب کو جوڑ کے بولا وہ ذی شعور
رخصت ہوں اب جو حکمِ شہِ نامدار ہو
رو کر کہا حسین نے اچھا سوار ہو

گھوڑے پہ شاہزادۂ عالم ہوا سوار — گویا چلے جہاد کو محبوبِ کردگار
تھا ثانیِ براقِ فلک سیر راہوار (۸۵) صرصر سے تند و تیز تو بجلی سے بے قرار
یوں سامنے سے وہ دمِ جولاں نکل گیا
گویا ہوا پہ تختِ سلیماں نکل گیا

حضرت تو یاں زمیں پہ گرے تھام کر جگر — جاسوس نے یہ لشکرِ اعدا کو دی خبر
آتا ہے اک جوانِ حسیں غیرتِ قمر (۸۶) چہرے پہ جس کے نورِ محمد ہے جلوہ گر
شان و شکوہ سب اسدِ کبریا کی ہے
کہتے ہیں سب بشر نہیں قدرت خدا کی ہے

ہے دھوم ذرے ذرے میں اس آفتاب کی — خوشبو ہے زلف و جسم میں مشک و گلاب کی
سر تا قدم ہے شانِ رسالت مآب کی (۸۷) تصویر ہے رسولِ خدا کے شباب کی
گھوڑے کے گرد جن و ملک کا ہجوم ہے
صَلُّوْا عَلَی النَّبِی کی بیاباں میں دھوم ہے

روشن کیا ہے روئے منور نے راہ کو — رخ پر نہیں ٹھہرنے کا یارا نگاہ کو
حیراں ہے عقل دیکھ کے زلفِ سیاہ کو (۸۸) آغوش میں لئے ہے شبِ قدر ماہ کو
چہرے کے نور سے شبِ مہتاب ماند ہے
خالق گواہ ہے کہ اندھیرے کا چاند ہے

یہ ذکر تھا کہ نورِ خدا جلوہ گر ہوا — گویا رسولِ پاک کا رن میں گذر ہوا
چلائے اہلِ شام کہ طالع قمر ہوا (۸۹) ہنگام ظہر تھا یہ گمانِ سحر ہوا
جلوہ دکھایا برقِ تجلی طور نے
خورشید کو چھپا دیا چہرے کے نور نے

غش ہو گیا کوئی کوئی گر کر سنبھل گیا ۔۔۔ صلِّ علیٰ کسی کی زباں سے نکل گیا
(۹۰)
خجلت سے آفتاب کا نقشہ بدل گیا ۔۔۔ چمکا جو نور دھوپ کا جوبن بھی ڈھل گیا
دریائے نورِ حق کا فقط اوج موج تھا
سب پست تھے زمیں کے ستارے کا اوج تھا

صحرا کو شمعِ حسن نے تابندہ کر دیا ۔۔۔ جو مُردہ دل تھے دم میں اُنھیں زندہ کر دیا
(۹۱)
ذرّوں کو آفتاب درخشندہ کر دیا ۔۔۔ گردوں کو اس زمین نے شرمندہ کر دیا
پایہ زمیں کا عرش کے ہمدست ہو گیا
جلوے سے اوج کاہکشاں پست ہو گیا

اللہ رے نبیرۂ مشکلکشا کی شان ۔۔۔ تھی جس کے عضو عضو سے پیدا خدا کی شان
(۹۲)
حیراں تھے لوگ دیکھ کے اُس مہ لقا کی شان ۔۔۔ حمزہؑ کا رعب اور علیؑ مصطفیٰؐ کی شان
پاکیزگی نسب میں بزرگی صفات میں
شیرینیِ کلامِ حسنؑ بات بات میں

کچھ حسن بچپنے کا تو کچھ آمدِ شباب ۔۔۔ وہ گُل سا جسم اور وہ چہرے کی آب و تاب
(۹۳)
اپنی جگہ یہ خال کے نقطے ہیں انتخاب ۔۔۔ پُتلی کا نُور جن کی سیاہی سے بہرہ یاب
گردن کی ضو میں طورِ تجلی طور کے
سب عضوِ تن ڈھلے ہوئے سانچے میں نور کے

دل پاک روح پاک نظر پاک جسم پاک ۔۔۔ طینت میں آبِ خلد تھا اور کربلا کی خاک
(۹۴)
غرفوں سے جسکے حُسن کی حوریں جھانکتا تاک ۔۔۔ یوسفؑ جو دیکھ لے تو کہے روحنا فداک
نام اس کا لوح پر جو قلم نے رقم کیا
سَو بار پڑھ کے سورۂ نور اُس پہ دم کیا

کیا دخل چار ہو جو کسی بے ادب کی آنکھ ‏ ‏ رکھتی تھی رعب یہ نہ عجم نہ عرب کی آنکھ
(۹۵)
لاکھوں تھے اُس طرف پہ جھپکتی تھی سب کی آنکھ ‏ ‏ غصہ ستم کا قہر کی چتون غضب کی آنکھ
پانی تھا خوف جاں سے جگر ہر دلیر کا
آہو شکار کرتے تھے میداں میں شیر کا

غل تھا رسولِ پاک کے ثانی کو دیکھنا ‏ ‏ حسن بہار باغ جوانی کو دیکھنا
(۹۶)
کھلتے ہیں گل شگفتہ بیانی کو دیکھنا ‏ ‏ یہ سب تو ہے پہ غنچہ دہانی کو دیکھنا
نازک لب اس صفت کے دہن اس طریق کا
خاتم پہ جڑ دیا ہے نگینہ عقیق کا

کچھ عمر میں نہیں ابھی اٹھارواں ہے سال ‏ ‏ یہ باغ کس بہار میں ہوتا ہے پائمال
(۹۷)
قامت ہے یہ کہ سروِ گلستانِ اعتدال ‏ ‏ ماں باپ دیکھ دیکھ کے کیونکر نہ ہوں نہال
آنکھوں کے سامنے جو یہ قامت نہ ہوئیگی
بتلاؤ ماں کے دل پہ قیامت نہ ہوئیگی

زخمی جو ہوگی تیر سے یہ چاند سی جبیں ‏ ‏ پٹکے گی سر کو خاک پہ بانوے دل حزیں
(۹۸)
تیغوں سے جب کٹینگے یہ رخسار نازنیں ‏ ‏ پیٹینگے دونوں ہاتھوں سے منہ اپنا شاہ دیں
سینہ چھدے پسر کا تو کیا دل کو کل پڑے
ایوب بھی جو ہو تو کلیجہ نکل پڑے

ناگاہ فوج کیں سے عمر نے کیا کلام ‏ ‏ یہ وقت کارزار ہے اے ساکنانِ شام
(۹۹)
بس ہے یہی بساط شہنشاہ خاص و عام ‏ ‏ مارا گیا یہ شیر تو مر جائیں گے امام
لوٹو جناب فاطمۂ زہرا کے باغ کو
ٹھنڈا کرو حسین کے گھر کے چراغ کو

تصویر مصطفےٰ کی مٹائے گا آج جو
کہتا ہوں میں کہ صاحب جاگیر ہوگا وہ
(۱۰۰)
محبوب کبریا کے مشابہ ہے گر تو ہو
اب مصلحت یہی ہے کہ مہلت اُسے نہ دو
ہے اس سے کیا مراد حسین ہے کہ نیک ہے
دو لاکھ اس طرف ہیں دلاور وہ ایک ہے

دنیا نہ جائے دین کا گر ہو تو ہو ضرر
ٹکڑے کرو اسے کہ یہ دشمن کا ہے پسر
(۱۰۱)
تم آبدیدہ ہو لب خشک اُس کے دیکھ کر
قطرہ نہ دو میں گھٹنیوں اصغر بھی آئے گر
غیر از یزید اور کوئی حکمراں نہ ہو
اولاد مرتضیٰ میں کسی کا نشاں نہ ہو

ہاں غازیو نہ اس کی جوانی کا غم کرو
نیزے پہ نیزے مارو ستم پر ستم کرو
(۱۰۲)
برچھی اُٹھاؤ ہاتھوں میں تیغیں علم کرو
نخل مراد سبط نبی کو قلم کرو
بیٹا نہ جب رہا تو کدھر جائینگے حسینؑ
گھوڑے سے یہ گرے گا تو مر جائینگے حسینؑ

چھد جائیگا سناں سے جو اس شیر کا جگر
تڑپیں گے کیا زمیں پہ شہنشاہ بحر و بر
(۱۰۳)
ڈیوڑھی سے ماں پکارے گی ہے ہے مرا پسر
نکلے گی خیمہ گاہ سے زینب برہنہ سر
حضرت تو پیٹتے ہوئے لاشے پہ آئیں گے
ہم لوٹنے کو خیمۂ اقدس میں جائیں گے

یہ گلعذار دختر حیدر کی جان ہے
بہنوں کی زندگی ہے برادر کی جان ہے
(۱۰۴)
بابا کی روح ہے تن مادر کی جان ہے
بے جاں کرو اسے کہ یہ سب گھر کی جان ہے
جوشن یہی ہے بازوئے برنا و پیر کا
بعد اس کے خاتمہ ہے صغیر و کبیر کا

[illegible]

یہ سُن کے فوج کیں ہوئی آمادۂ نبرد — دردِ دلِ حسین کا تھا ایک کو نہ درد
غل سُن کے ہوگیا شہِ والا کا رنگ زرد — کانپے جو پانوں بیٹھ گئے بھر کے آہ سرد (۱۰۵)
ماں گر پڑی زمیں پہ پھوپھی بلبلا گئی
بدلی ستم کی واں علی اکبر پہ چھا گئی

قرنا پھنکی سپاہ میں طبل و غا بجا — باندھے پرے سواروں نے بڑھ بڑھ کے جابجا
پیدل چلے نبرد کو باجے بجا بجا — چلّائے اہلبیت کہ ہے ہے یہ کیا بجا (۱۰۶)
حضرت پکارے لال پہ اعدا کے ریلے ہیں
رانڈو دعا کرو علی اکبر اکیلے ہیں

لڑنے کو اس طرف سے عدو سب کے سب بڑھے — تنہا ادھر سے اکبرِ عالی نسب بڑھے
چوسے قدم نہیب نے جھک کر یہ جب بڑھے — گویا پئے جہاد امیرِ عرب بڑھے (۱۰۷)
دہشت سے فوجِ شام کی بدلی سمٹ گئی
قدرت خدا کی دن جو بڑھا رات گھٹ گئی

ڈھالوں کو رکھ کے چہروں پہ گر گر پڑے حسود — گو تھے کئی ہزار پہ کیا اُن کی ہست و بود
تھرا گیا تمام جنودِ سقر و رود — نورِ خدا کے سامنے ظلمت کی کیا نمود (۱۰۸)
عبرت سپاہِ شام پہ وہ چند ہوگئی
باجوں کی فوج کیں کے صدا بند ہوگئی

جرار کی زرہ پہ لگے جب کئی خدنگ — صفدر نے بڑھ کے ہاتھ لی تیغ شعلہ رنگ
چمکا اک آئینہ کہ ہوئی فوج شام دنگ — دکھلائے تیغ تیز نے بجلی کے رنگ ڈھنگ (۱۰۹)
تھی کس کو تاب صاعقۂ شعلہ بار کی
یاد آگئی ہر اک کو چمک ذوالفقار کی

تھم تھم کے یوں گیا صفِ اعدا پہ وہ دلیر — جاتا ہے داؤں کر کے غزالوں پہ جیسے شیر
غازی جو بھوک پیاس میں تھا زندگی سے سیر — (۱۱۰) کشتوں کے پشتے ہو گئے دم میں سروں کے ڈھیر
اک سیل زور و شور سے آئی گذر گئی
ثابت نہ یہ ہوا صفِ اوّل کدھر گئی

جب یہ بڑھے لہو تنِ اعدا کا گھٹ گیا — باقی تھا جو حساب وہ لاشوں سے پٹ گیا
لشکر میں فردِ فرد کا چہرہ جو کٹ گیا — (۱۱۱) بس دفعتہً سپاہ کا دفتر اُلٹ گیا
سر داخلِ خزانۂ سرکار ہو گئے
پہلا ہی جائزہ تھا کہ بیکار ہو گئے

چہرے پہ ایک کے نہ بحالی نظر پڑی — جو صف بھری ہوئی تھی وہ خالی نظر پڑی
سر پر سبھوں کے تیغ ہلالی نظر پڑی — (۱۱۲) سوئے جنوب فوجِ شمالی نظر پڑی
غل تھا کہ تیغ تیز نہیں موت آتی ہے
کیونکر قدم تھمیں کہ زمیں سرکی جاتی ہے

ٹکڑے پڑے تھے خاک پہ بھالے اِدھر اُدھر — چھپتے تھے ڈر کے برچھیوں والے اِدھر اُدھر
پیشِ نظر تھے خون کے تھالے اِدھر اُدھر — (۱۱۳) ابتر تھے دشتِ کیں میں رسالے اِدھر اُدھر
ملتا تھا فصل کا نہ ٹھکانا نہ باب کا
شیرازہ کھل گیا تھا ستم کی کتاب کا

بڑھ کر کسی نے وار جو روکا سپر کٹی — چار آئینہ کٹا زرہ خیرہ سر کٹی
نیزے کی ہر گرہ صفتِ نیشکر کٹی — (۱۱۴) سینہ کٹا جگر ہوا زخمی کمر کٹی
رہوار بھی دو نیم میانِ مصاف تھا
ان سب کے بعد منھ کو جو دیکھا تو صاف تھا

وہ گھاٹ باڑھ اور وہ اُسکی چمک دمک — کانپی کبھی زمیں کبھی تھرا گئے فلک
شعلہ میں یہ چمک تھی نہ بجلی میں یہ لپک — (۱۱۵) ہر ضرب میں سما سے تلاطم تھا تا سمک
کونین میں حواس بجا تھے نہ ایک کے
گاوِ زمیں سمٹتی تھی گھٹنوں کو ٹیک کے

سیدھی چلی وہ جب صفِ دشمن اُلٹ گئی — باقی بچی جتنی عمر تہِ تیغ کٹ گئی
آکر زمیں پہ جب سوئے گردوں پلٹ گئی — (۱۱۶) بجلی سے رعد رعد سے بجلی لپٹ گئی
گرتے تھے جن زمین پہ منہ ڈھانپ ڈھانپ کے
ہٹتے تھے جبرئیل امیں کانپ کانپ کے

ملتا نہ تھا صفوں میں علم کا نشاں کہیں — چلّے کہیں تھے شست کہیں اور کماں کہیں
نیزے کہیں تھے ڈانڈ کہیں اور سناں کہیں — (۱۱۷) جمدھر کہیں کمند کہیں برچھیاں کہیں
اک اک سیاہ رو کا جگر داغ داغ تھا
جنگل تمام ڈھالوں کے پھولوں سے باغ تھا

چمکی گری اٹھی ادھر آئی اُدھر گئی — خالی کیے پرے تو صفیں خوں میں بھر گئیں
کاٹے کبھی قدم کبھی بالائے سر گئی — (۱۱۸) ندی غضب کی تھی کہ چڑھی اور اُتر گئی
اک شور تھا یہ کیا ہے جو قہرِ صمد نہیں
ایسا تو رودِ نیل میں بھی جزر و مد نہیں

سر خود سروں کے چنبرِ گردن سے اُڑ گئے — ہاتھ آستیں سے اُڑ گئے سر تن سے اُڑ گئے
ڈر ڈر کے سب پرند نشیمن سے اُڑ گئے — (۱۱۹) پائے جو راہ طائرِ جاں تن سے اُڑ گئے
تھے قتلِ عام پر علی اکبر تلے ہوئے
رستے تھے بند زخموں کے کوچے کھلے ہوئے

اللہ رے دو آبۂ تیغ دو دَم کا کاٹ — آفت تھی جسکی باڑھ قیامت تھا جسکا گھاٹ
مقتل سے تا بہ نہر تھا دریائے خوں کا پاٹ (۱۲۰) ہر دَم تھی اس کو تازہ لہو چاٹنے کی چاٹ
سختی کو جوڑ بند کے کب مانتی تھی وہ
ہر استخواں کو مغزِ قلم جانتی تھی وہ

آئی جدھر پلٹ کے صفوں کو بچھا گئی — تن سے اُڑا دیا وہیں سر جس کو پا گئی
ہر اک کڑی کو نرم سمجھ کر چبا گئی (۱۲۱) فولاد کی زرہ کو اشارے میں کھا گئی
چار آئنہ کا کاٹ اسی کے حوالہ تھا
ذکر اُس کا کیا ہے خود تو منھ کا نوالہ تھا

یارا قرار کا تھا نہ صورت فرار کی — پیدل کی موت تھی تو خرابی سوار کی
روئیں تنوں کو تاب نہ تھی ایک وار کی (۱۲۲) ٹکڑے تھے دو کے ہاتھ یہ گھائی تھی چار کی
آگے بڑھے تو منھ وہیں کٹ جائے گیو کا
بجلی کی تھی کڑک کہ طمانچہ تھا دیو کا

اُتری زمیں پہ وہ سرِ دشمن پہ جب چڑھی — دم بھر میں آبِ تیغ کی ندی غضب چڑھی
اک شور تھا صفوں میں کب اتری یہ کب چڑھی (۱۲۳) سب کو بخارِ تیغ سے لرزے کی تپ چڑھی
مقتل سے بھاگنے پہ تنک ظرف تُل گئے
کانپے یہ نیزہ باز کہ سب بند کھل گئے

زندہ کسی کو تیغ دو دم چھوڑتی نہ تھی — پیاسی یہ تھی کہ جسم میں دم چھوڑتی نہ تھی
بے دم لیے گلا کوئی دم چھوڑتی نہ تھی (۱۲۴) بھاگیں کہاں کہ موت قدم چھوڑتی نہ تھی
خود دو دبے جو لڑتے تھے گھوڑوں کو داب کے
بیڑی قدم میں بن گئے حلقے رکاب کے

قعرِ سقر میں کشتۂ ضربِ نخست تھے　　بے سر ہوئے بہت جو لڑائی میں چُست تھے
قبضے میں تھا نہ زور نہ بازو درست تھے　(۱۲۵)　کھینچیں کسے کمانوں کے بازو بھی سُست تھے
ہر کج نہاد تیرِ اجل کا نشانہ تھا
شانے بھی تھے قلم یہ نیا شاخسانہ تھا

تیغوں کو ڈر کے عربدہ جو پھینکنے لگے　　مغفر سروں سے مثلِ سبو پھینکنے لگے
حلقے کماں کے سب لبِ جو پھینکنے لگے　(۱۲۶)　تنکا سمجھ کے تیر عدو پھینکنے لگے
ترکش بھی اہلِ ظلم کے آفت رسیدہ تھے
چلّے بھی کش مکش میں کماں سے کشیدہ تھے

کرتے تھے فتحِ جنگ کو جو ایک آن میں　　رعشہ تھا اُن کے ہاتھ میں لکنت زبان میں
اُلجھاتے تھے کمند کمینے کمان میں　(۱۲۷)　ترکش میں تیغیں رکھتے تھے نیزوں کو میان میں
تلوار رکھ کے ہاتھ سے مُنھ ڈھانپ لیتے تھے
آتی تھی تیغ جب تو سپر پھینک دیتے تھے

بڑھتے تھے جو پرے سے بڑے بول بول کے　　پہلے انھیں کو مار لیا رول رول کے
حملہ کیا جو تیغِ دو دم تول تول کے　(۱۲۸)　ہتھیار سب نے پھینک دیئے کھول کھول کے
اِس شان سے کبھی نہ عجم نہ عرب لڑے
دو دن کی پیاس میں علی اکبر غضب لڑے

وحشت سے کتنے ڈوب کے دریا میں مر گئے　　اِس گھاٹ پر جو آئے سر اُن کے اُتر گئے
رستہ تھا ایک اِدھر وہ گئے یا اُدھر گئے　(۱۲۹)　ہر پھر کے ہر طرف سے میانِ سقر گئے
نار اُن کے اشتیاق میں آب اُن کی لاگ میں
پھینکا ہوا نے پانی میں پانی نے آگ میں

وہ حرب وہ شکوہ وہ شانِ پیمبری　　نعرے وہ زور و شور کے وہ ضربِ حیدری
وہ تیغ خونچکاں وہ جلالِ غضنفری (١٣٠)　　راکب جو رشکِ حور تو رہوار بھی پری
چالاک آہوانِ ختن اِس قدر نہ تھے
اُڑ جاتا تھا ہُما کی طرح اور پر نہ تھے

باریک جلد وہ کہ نظر آئے تن کا خوں　　گنڈے کو دیکھ کر مہ نو ہوئے سرنگوں
رفتار میں وہ سحر کہ پریوں کو ہو جنوں (١٣١)　　غنچے بھی کچھ بڑے ہیں کنوتی کو کیا کہوں
قرباں ہزار جاں فرس بے نظیر پر
سو فار دو چڑھے ہوئے ہیں ایک تیر پر

کوتاہ و گرد و صاف کنوتی کمر کفل　　کیا خوشنما کشادگیِ سینہ و بغل
سیماب کی طرح نہیں آرام ایک پل (١٣٢)　　پھرتا تھا اِس طرح کہ پھرے جس طرح سے کل
راکب نے سانس لی کہ وہ کوسوں روانہ تھا
تازیِ نفس بھی اُس کے لئے تازیانہ تھا

وہ جست و خیز و سُرعت و چالاکی سمند　　سانچے میں تھے ڈھلے ہوئے سب اس کے جوڑ بند
سُم قرص ماہتاب سے روشن ہزار چند (١٣٣)　　نازک مزاج و شوخ و سیہ چشم و سربلند
گر ہل گئی ہوا سے ذرا باگ اُڑ گیا
پتلی سوار کی نہ پھری تھی کہ مُڑ گیا

آہو کی جست شیر کی آمد پری کی چال　　کبک دری خجل دلِ طاؤس پائمال
سبزہ سبک روی میں قدم کے تلے نہال (١٣٤)　　اک دو قدم میں بھول گئے چوکڑی غزال
جو آگیا قدم کے تلے گرد برد تھا
چھل بل غضب کی تھی کہ چھلاوا بھی گرد تھا

بجلی کبھی بنا کبھی رہوار بن گیا　　آیا عرق تو ابر گہربار بن گیا
گہہ قطب گاہ گنبدِ دوار بن گیا　(١٣٥)　نقطہ کبھی بنا کبھی پرکار بن گیا
حیراں تھے اسکی گشت پہ لوگ اس ہجوم کے
تھوڑی سی جا میں پھرتا تھا کیا جھوم جھوم کے

جب اِس جری نے قتل کئے پانچ سو جواں　　ہر صف سے ہر پرے سے اُٹھا شورِ الاماں
چلاّیا ابن سعد سیہ قلب و سخت جاں　(١٣٦)　نکلیں وہ دس ہزار کماندار ہیں کہاں
برچھی کا اب ہے کام نہ تلوار چاہیے
اِس نوجواں پہ تیروں کی بوچھار چاہیے

فاقہ ہے تین روز کا سولہ پہر کی پیاس　　دیکھے نبیرۂ اسد اللہ کے حواس
دریا سے تم قریب ہو اور اس قدر ہراس　(١٣٧)　برساؤ تیر دُور سے جاؤ نہ اُس کے پاس
بپھرے ہوئے اسد کہیں تلوار کھاتے ہیں
جب اُٹھ سکے نہ شیر تو نزدیک جاتے ہیں

یہ سُن کے تشنہ لب پہ چلے چار سو سے تیر　　پیچھے عقب سے پڑنے لگے روبرو سے تیر
آتے تھے فوج فوج سپاہِ عدو سے تیر　(١٣٨)　سب سرخ تھے شبیہ نبیؐ کے لہو سے تیر
مقتل میں کیا ہجوم تھا اُس نورِ عین پر
پروانے گر رہے تھے چراغِ حسینؑ پر

سینے پہ تیر کھا کے اُٹھایا جو راہوار　　بجلی چمک کے ہوگئی گویا فلک کے پار
سر خاک پر گرانے لگی تیغ آبدار　(١٣٩)　تیروں کو پھینک پھینک کے بھاگے خطا شعار
حملہ کیا تھا جن پہ رُخ اُن کے تو پھر گئے
پر یہ پلٹ کے برچھیوں والوں میں گھر گئے

یوں آگیا سنانوں میں وہ آسماں جناب   ہو جس طرح خطوطِ شعاعی میں آفتاب
(١٤٠)
سوکھی زباں پہ پڑ گئے کانٹے بغیر آب   طاقت بھی فرطِ ضعف سے دینے لگی جواب
آمد ہوئی جو غش کی سرِ پاک جھک گیا
واحسرتا کہ ہاتھ بھی لڑنے سے رک گیا

اس حال میں بھی تیغ سے کیں برچھیاں قلم   لیکن جگر پہ لگ گیا اک نیزۂ ستم
(١٤١)
زخمِ جگر سے بہنے لگا خون دمبدم   نکلے ہوئے رکابوں سے تھرّاتے تھے قدم
کھینچا جو اُس نے سینے سے نیزہ تکاں کے ساتھ
دو پارۂ جگر نکل آئے سناں کے ساتھ

نیزہ لگا کے بھاگ چلا تھا وہ نابکار   قربان جراتِ پسرِ شاہ نامدار
(١٤٢)
زخمِ سناں تھا سینۂ انور کے وار پار   ماری شقی کو دوڑ کے اک تیغ آبدار
پہونچوں سے اُسکے ہاتھ قلم ہو کے گر پڑے
لیکن فرس سے آپ بھی خم ہو کے گر پڑے

گرنا تھا بس کہ سر پہ لگا گرز ہے ستم   یوں جھک گئے کہ ہوتے ہیں سجدے میں جیسے خم
(١٤٣)
رکھ دی گلے پہ شیث نے شمشیرِ تیز دم   تلوار اک پڑی کہ ہوئیں پسلیاں قلم
غل تھا کرو نہ رحم تنِ پاش پاش پر
دوڑا دو گھوڑے اکبرِ مہرو کی لاش پر

حضرت کھڑے تھے خیمے کی پکڑے ہوئے طناب   سُن کر یہ غل رہی نہ دلِ ناتواں کو تاب
(١٤٤)
ناگاہ آئی رن سے صدا اے فلک جناب   بیٹا جہاں سے جاتا ہے آپ آئیے شتاب
لاشے پہ ظلم و جور بد افعال کرتے ہیں
گھوڑوں سے اہلِ کیں ہمیں پامال کرتے ہیں

سن کر یہ استغاثہ، فرزند خوش خصال — سید نے آہ کی کہ ہلا عرش ذوالجلال
کھولے جناب فاطمہؑ کی بیٹیوں نے بال (۱۴۵) بانو پکاری خیر تو ہے اے علیؑ کے لال
ہے ہے پسر سے کون سی مادر بچھڑ گئی
صاحب بتاؤ کیا مری بستی اُجڑ گئی

نیزے سے کس کے لال کا زخمی ہوا جگر — کرتے ہیں کس کی لاش کو پامال اہلِ شر
کہتا ہے کون رن میں تڑپ کر پدر پدر (۱۴۶) آپ گھر سے میں نکلتی ہوں ہو ہو مرا بسر
پردا نہ مجھ سے کیجیے سب جانتی ہوں میں
آواز یہ اُسی کی ہے پہچانتی ہوں میں

بانو کو قسمیں دے کے چلے شاہِ نامدار — وہ پیاس اور وہ دھوپ کا صدمہ وہ اضطرار
دل تھا اُلٹ پلٹ تو کلیجہ تھا بے قرار (۱۴۷) اُٹھتے تھے اور زمین پہ گرتے تھے بار بار
چلاتے تھے شبیہ پیمبر ہم آتے ہیں
گھبرائیو نہ اے علی اکبر ہم آتے ہیں

بیٹا پکارو پھر کہ بصارت میں فرق ہے — اے نورِ عین جسم کی طاقت میں فرق ہے
تم یہ نہ جانیو کہ محبت میں فرق ہے (۱۴۸) زخمی ہے قلب روح کی راحت میں فرق ہے
داغِ جگر ملا ہمیں گودی میں پال کے
کس کو دکھاؤں اپنا کلیجہ نکال کے

آؤں کدھر کو اے علی اکبر جواب دو — چلا رہی ہے ڈیوڑھی پہ مادر جواب دو
اکبر برائے خالقِ اکبر جواب دو (۱۴۹) بیٹا جواب دو مرے دلبر جواب دو
گرتے ہیں ہم ثواب کا ہاتھوں سے کام لو
بیٹا ضعیف باپ کے بازو کو تھام لو

کچھ سوجھتا نہیں میں کدھر جاؤں کیا کروں — اے نورِ چشم تجھ کو کہاں پاؤں کیا کروں
مضطر ہے جان و دل کسے سمجھاؤں کیا کروں — (۱۵۰) کیونکر پسر کو ڈھونڈ کے میں لاؤں کیا کروں
پایا تھا مدتوں میں جسے خاک چھان کے
وہ لعل ہم نے کھو دیا جنگل میں آن کے

بس اب خبر حسینؑ کی لے جلد اے اجل — اے جسمِ زار زیست کا باقی نہیں محل
اے جانِ ناتواں تنِ مجروح سے نکل — (۱۵۱) ہاں اے نفس چھری کی طرح سے گلے پہ چل
چھوٹے نہ اسکا ساتھ جو پیری کی آس ہو
لاشہ بھی لاشۂ علی اکبر کے پاس ہو

جنگل سے بے حواس پھرے نہر پہ گئے — واں بھی جو وہ گہر نہ ملا سوئے بر گئے
دوڑے کسی طرف تو کسی جا ٹھہر گئے — (۱۵۲) تھالے ملے لہو کے برابر جدھر گئے
ٹپکا ہوا زمیں پہ جگر کا لہو ملا
لیکن کہیں نہ وہ پسرِ ماہرو ملا

جا کر صفوں کے پاس پکارے با شکِ آہ — ہے کس طرف مرے علی اکبر کی قتل گاہ
اے ظالمو یہ شب ہے کہ دن ہو گیا سیاہ — (۱۵۳) کس ابر میں چھپا ہے مرا چودھویں کا ماہ
بتلاؤ جان ہے کہ نہیں جسمِ زار میں
زخمی پڑا ہے شیر مرا کس کچھار میں

لاشِ پسر کو ڈھونڈھتے تھے شاہِ بحر و بر — سر پیٹنے کی جا ہے کہ ہنستے تھے اہلِ شر
کہتا تھا شمر اے پسرِ سیدالبشر — (۱۵۴) کس کو حضور ڈھونڈھتے ہیں مر گیا پسر
خود ڈھونڈھ لیجیے جسدِ پاش پاش کو
بتلائیں گے نہ ہم علی اکبر کی لاش کو

یہ سُن کے کھینچ لی شہ والا نے ذوالفقار چمکی جو برق تیغ تو بھاگے ستم شعار
شہ کو نظر پڑا علی اکبرؑ کا راہوار (۱۵۵) چلّائے اسے عقاب کدھر ہے ترا سوار
دکھلا دے مجھ کو لاش مرے نور عین کی
کس دشت میں پڑی ہے بضاعت حسینؑ کی

ملنے دے ان رکابوں کے حلقوں سے چشم نم ہے ہے اسی میں تھے مرے فرزند کے قدم
بوسے تری لگام کے لوں میں اسیر غم (۱۵۶) اکبر کے ہاتھ میں تھی یہی باگ ہے ستم
ہے ہے وہ ہاتھ پاؤں مرے آفتاب کے
قرباں تری لگام کے صدقے رکاب کے

گھوڑے نے ہنہنا کے سوئے دشت کی نظر یعنی کہ لاش آپ کے پیارے کی ہے اُدھر
جاتا تھا آگے آگے وہ تازی بہ چشم تر (۱۵۷) گھوڑے کے پیچھے پیچھے تھے سلطان بحر و بر
جنگل میں لاشۂ پسر نوجواں ملا
وہ مہ لقا ملا تو مگر نیم جاں ملا

دیکھی عجیب حالتِ فرزند نوجواں پیکاں گلے میں ہونٹوں پہ نکلی ہوئی زباں
تن پر جراحت تبر و خنجر و سناں (۱۵۸) گردن تھی کج پھری ہوئی آنکھوں کی پتلیاں
ٹاپوں سے مرکبوں کی جراحت پھٹے ہوئے
چہرہ سفید خاک میں گیسو اٹے ہوئے

ہچکی کے ساتھ کہتے ہیں وا کر کے چشم تر اے جانِ جسم زار میں اور ایک دم ٹھہر
اے موت بے وطن کی جوانی پہ رحم کر (۱۵۹) اے درد تھم ذرا کہ پھٹا جاتا ہے جگر
پھر ایک بار سیّدِ والا کو دیکھ لوں
مہلت بس اتنی دے کہ میں بابا کو دیکھ لوں

دشمن کو بھی نہ بیٹے کا لاشہ خدا دکھائے   حضرت زمیں پہ گر کے پکارے کہ ہائے ہائے
زندہ رہے یہ پیر جواں یوں جہاں سے جائے (۱۶۰) اے لال تین روز کے فاقے میں زخم کھائے
شاید جگر کے زخم سے تم بے قرار ہو
زخمی تمہاری چھاتی پہ بابا نثار ہو

کیوں کھینچتے ہو پاؤں کو اے میرے گلعذار   کیوں ہاتھ اُٹھا اُٹھا کے پٹکتے ہو بار بار
آنکھیں تو کھول دو کہ مرا دل ہے بیقرار (۱۶۱) بیٹا تمھاری ماں کو تمھارا ہے انتظار
بہنیں کھڑی ہیں در پہ بڑے اشتیاق میں
اکبر تمھاری ماں نہ جیے گی فراق میں

غش میں سُنا جو ہیں علی اکبرؑ نے ماں کا نام   کس یاس کی نگاہ سے دیکھا سوئے خیام
سوکھی زباں دکھا کے یہ بولا وہ تشنہ کام (۱۶۲) شدت یہ پیاس کی ہے کہ دشوار ہے کلام
اب اور کوئی دم کا پسر میہماں ہے
امداد یا حسینؑ کہ پانی میں جان ہے

فرمایا شہ نے اے علی اکبر میں کیا کروں   پانی نہیں ہے مجھ کو میسر میں کیا کروں
گھیرے ہیں نہر کو یہ ستمگر میں کیا کروں (۱۶۳) کچھ بس نہیں مرا مرے دلبر میں کیا کروں
اعدا نہ دیں گے بوند اگر لاکھ کد کریں
بیٹا تمھاری ساقیِ کوثر مدد کریں

حضرت یہ کہتے تھے کہ چلا خلق سے پسر   اتنی زباں ہلی کہ خدا حافظ اے پدر
ہچکی جو آئی تھام لیا ہاتھ سے جگر (۱۶۴) انگڑائی لے کے رکھ دیا شہ کے قدم پہ سر
آباد گھر لٹا شہ والا کے سامنے
بیٹے کا دم نکل گیا بابا کے سامنے.

لکھتا ہے ایک ادمی غمگین و پُر ملال   یعنی ادھر ہوا علی اکبر کا انتقال
نکلی حرم سے ایک زنِ فاطمہ جمال (١٦٥) گویا جناب سیدہ کھولے ہوئے تھیں بال
تھی اس طرح سے رُخ پہ ضیا اُس جناب کے
حلقہ ہو جیسے نور کا گرد آفتاب کے

چلاتی تھی ارے مرا پیارا ہے کس طرف   اے آسماں وہ عرش کا تارا ہے کس طرف
اے ابر شام چاند ہمارا ہے کس طرف (١٦٦) اے ارض کربلا وہ سدھارا ہے کس طرف
ہے ہے سناں سے جان گئی میہمان کی
میت کدھر کو ہے مرے کڑیل جوان کی

اے میرے لمبے گیسوؤں والے کدھر ہے تو   ہے ہے مرے غریبی کے پالے کدھر ہے تو
واری کہاں لگے تجھے بھالے کدھر ہے تو (١٦٧) کیونکر پھوپھی جگر کو سنبھالے کدھر ہے تو
اٹھارواں برس تھا کہ موت آگئی تجھے
اے نور عین کس کی نظر کھا گئی تجھے

ہے ہے مرے سعید و رشید و متیں جواں   خوش رو جواں غریب جواں مہ جبیں جواں
صفدر جواں شکیل جواں نازنیں جواں (١٦٨) کس نے تجھے مٹا ڈالا اے حسیں جواں
آغاز تھیں مسیں ابھی ایسے سن نہ تھے
بچے مرے ابھی ترے مرنے کے دن نہ تھے

یہ بین کرتی جاتی تھی وہ سوختہ جگر   سیدانیوں کا غول تھا پیچھے برہنہ سر
جاتی تھی بے حواس ادھر سے وہ نوحہ گر (١٦٩) آئے اُدھر سے لاش لیئے شاہ بحر و بر
دیکھا لہو رواں جو تن پاش پاش سے
سب بی بیاں لپٹ گئیں اکبر کی لاش سے

ہاں شاہِ دیں کے تعزیہ دارو بکا کرو　　ہاں اے خدا کے دوست کے پیارو بکا کرو
ماتم میں ہاتھ سینہ پہ مارو بکا کرو　(۱۷۰)　اکبر جہاں سے اُٹھ گئے یارو بکا کرو
سمجھو شریک بزم شہ مشرقین کو
دے لو جوان بیٹے کا پُرسا حسینؑ کو

اولاد والو درد کرو شہ کے دل کا یاد　　نہ آج کی خبر ہے نہ ہے کل کا اعتماد
کیسا تڑپتے ہوئیں گے شبیر خوش نہاد　(۱۷۱)　بیٹا جہاں سے اُٹھ گیا ناشاد و نامراد
خوش رو تھے خوش مزاج تھے شیریں بیان تھے
بیٹو جوانو اکبرِ مہرو جوان تھے

ہے ہے حسینؑ آپ کا دلبر بچھڑ گیا　　فریاد ہے شبیہ پیمبر بچھڑ گیا
واحیف وا دریغ دلاور بچھڑ گیا　(۱۷۲)　دردا و حسرتا علی اکبر بچھڑ گیا
مظلومیت پہ تشنہ دہانی پہ روئینگے
جب تک جیئنگے اُس کی جوانی پہ روئینگے

آقا انیسؔ ہند میں کب تک پھرے تباہ　　گھٹتی ہے عمر بڑھتے چلے جاتے ہیں گناہ
ضعف اس برس بہت ہے اجل آنہ جائے آہ　(۱۷۳)　بُلوائیے غلام کو اے میرے بادشاہ
قربِ مزار شاہ دوعالم نصیب ہو
بس کربلا میں ابکی محرّم نصیب ہو

مرثیہ

(۵)

جب نوجواں پسر شہِ دیں سے جدا ہوا — روشن قمر سپہرِ بریں سے جدا ہوا
نورِ نظر امامِ مبیں سے جدا ہوا — (۱) لختِ جگر حسینؑ حسیں سے جدا ہوا

دل داغ ہو گیا دل و جانِ بتول کا
گھر بے چراغ ہو گیا سبطِ رسولؐ کا

برچھی سے ٹکڑے ہو گیا لختِ جگر کا دل — خود باپ نے چھدا ہوا دیکھا پسر کا دل
ہوتا ہے آبگینے سے نازک بشر کا دل — (۲) پتھر کا دل نہیں ہے یہ دل ہے پدر کا دل

ایوبؑ بھی اگر ہوں تو دَم بھر نہ کل پڑے
آنسو تھمیں تو مُنھ سے کلیجہ نکل پڑے

پیری میں آفتِ غمِ اولاد الاماں — دل اور زخمِ خنجرِ بیداد الاماں
وہ اضطرابِ خاطرِ ناشاد الاماں — (۳) وہ اشک شور اور وہ فریاد الاماں

بیٹا نہ ہو تو زیست کا پھر کیا مزا رہا
جب گھر اُجڑ گیا تو زمانے میں کیا رہا

بسمل کے لوٹنے کی کسی دل کو کیا خبر — غربت میں کون لُٹ گیا منزل کو کیا خبر
کشتی کے ڈوب جانے کی ساحل کو کیا خبر — (۴) کس پر چُھری یہ چل گئی قاتل کو کیا خبر

خاروں سے پوچھیے نہ کسی گُل سے پوچھیے
صدمہ چمن کے لٹنے کا بلبل سے پوچھیے

بچھڑا وہ لال جس کا گوارا نہ تھا فراق   فرماتے تھے کہ لوٹ لیا تو نے اے عراق
(۵)
اے موت جلد آ کہ بس اب زندگی ہے شاق   خنجر کی آرزو ہے شہادت کا اشتیاق
برباد اس طرح کوئی آباد گھر نہ ہو
کیا زندگی کا لطف جب ایسا پسر نہ ہو

بچھڑے پدر سے اکبرِ مہرو ہزار حیف   اب رو ہے سامنے نہ وہ ابرو ہزار حیف
(۶)
کیا خوشنما تھے دوش پہ گیسو ہزار حیف   وہ بھینی بھینی جسم کی خوشبو ہزار حیف
وہ زلف و رخ وہ پیار کی باتیں کدھر گئیں
وہ دن کہاں ہیں آہ وہ راتیں کدھر گئیں

سب چاہیں جسکی زیست وہ شیر زیاں مرے   افسوس نیجاں جیسے جانِ جہاں مرے
(۷)
پیدا تو کس جگہ ہوئے آکر کہاں مرے   قدرت خدا کی پیر جیئے نوجواں مرے
اِس عمر میں جہاں سے گذرنے کے دن نہ تھے
کہتا ہے خود شباب کہ مرنے کے دن نہ تھے

پھولے پھلے نہ وہ چمنِ روزگار میں   جھونکا چلا ہوائے خزاں کا بہار میں
(۸)
دیکھا کبھی نہ ایک گل ایسا ہزار میں   کیا زور ہے امانت پروردگار میں
بے بس تھے وہ کہ ساتھ کسی کو نہ لے گئے   پدر
جس دم طلب ہوئی تو اکیلے چلے گئے

روتے ہوئے حرم میں گئے قبلۂ انام   تر تھی لہو سے لختِ جگر سے قبا تمام
(۹)
رخ زرد دل میں درد بدن سرد تشنہ کام   طاقت نہ قلب میں نہ بدن میں لہو کا نام
یہ درد تھا بکا میں کہ دل ٹکڑے ہوتے تھے
یہ حال تھا کہ رونے پہ دشمن بھی روتے تھے

پیارے نہ تھے حسینؑ علیہ السلام کے — لائی حرم سرا میں بہن ہاتھ تھام کے
تھرا رہے تھے پاؤں شہ تشنہ کام کے — سر دوش پر تھا زینبِ عالی مقام کے (۱۰)
فرماتے تھے بہن علی اکبرؑ گذر گئے
ہم ایسے سخت جاں تھے کہ اب تک نہ مر گئے

پرسا تمھیں شہیدوں کا دینے کو آئے ہیں — کس کس کے داغ آج جگر پر اٹھائے ہیں
پیٹے ہیں خاک اڑائی ہے آنسو بہائے ہیں — یہ ہم تمھارے لال کے خوں میں نہائے ہیں (۱۱)
سر تھا حسینؑ بیکس و تنہا کی گود میں
بیٹے کی جان نکلی ہے بابا کی گود میں

سر بار دوش ہے ہمیں رخصت کرو بہن — اب عنقریب خیمۂ عصمت ہے تیغ زن
مردے پڑے ہوئے ہیں عزیزوں کے بے کفن — پامال ہو نہ لاشۂ فرزندِ صف شکن (۱۲)
محجوب ہم ہیں قاسمِ بے پر کی روح سے
شرمندگی نہ ہو علی اکبرؑ کی روح سے

یہ سن کے بی بیوں کے جگر پر چھری چلی — زینب زمیں پہ گر کے پکاری کہ یا علی
سرِ خفی جہاں کے ہیں سب آپ پر جلی — جاتا ہے ظالموں میں یہ کونین کا ولی (۱۳)
بیکس کو آسرا ہے پسر کا نہ بھائی کا
آقا یہی تو وقت ہے مشکل کشائی کا

صدقے گئی پسر کے بچانے میں کد کرو — فرزند فاطمہؑ کی بلاؤں کو رد کرو
دریا کو چھین لو حقِ زہرا سند کرو — یا شیرِ حق مقام مدد ہے مدد کرو (۱۴)
پانی پہ جنگ آگ لگی ہے یہ دہر میں
حصّہ پسر کا کیا نہیں مادر کے مہر میں

یا مصطفےٰ بلا میں پھنسا ہے تمھارا لال — یا شیر ذوالجلال دکھاؤ انھیں جلال
یا فاطمہؑ میں لٹتی ہوں بکھراؤ سر کے بال — یا رب الٹ دے آج یہ سب عرصۂ قتال (۱۵)
پھر کیا کسی سے کام ہے سب سے جدا رہوں
بھائی کو اپنے لے کے میں جنگل میں جا رہوں

فرمایا شہ نے صبر بہن چاہیے تمھیں — خالق کی یاد سر و علن چاہیے تمھیں
لب پر رضا رضا کا سخن چاہیے تمھیں — جو ماں کا تھا چلن وہ چلن چاہیے تمھیں (۱۶)
ہر بار پوچھتے تھے سبب آہ سرد کا
شکوہ کیا علیؑ سے نہ پہلو کے درد کا

درد شکم سے لوٹتی تھیں وہ نکو خصال — ٹوٹیں ہیں پسلیاں یہ ہمیں بھی تھا خیال
پوچھا کسی نے جب تو کہا شکر ذوالجلال — بازو کے نیل کا تو کھلا وقت غسل حال (۱۷)
رونے میں دن تڑپنے میں راتیں گذر گئیں
بستر تھا جس جگہ اسی حجرے میں مر گئیں

ظاہر ہیں جو علیؑ پہ کیے ظالموں نے جبر — اس غم سے تھا نہ چین نبیؐ کو میان قبر
حجرے میں بیٹھے بیٹھے کے روتے تھے مثل ابر — لیکن کبھی سنا کوئی کلمہ سوائے صبر (۱۸)
ہم کیا ہیں چیز ہاتھ بندھے یا گلا بندھے
جب ریسماں سے گردن مشکلکشا بندھے

عزلت گزیں تھے بعد علیؑ قبلۂ دوم — اس بیکسی میں سر پہ نہ جد تھے نہ اب نہ ام
مسموم کس خطا پہ ہوئے تھے حواس گم — ٹکڑے جگر کے گنتا تھا میں رو رہی تھیں تم (۱۹)
بعد از فنا بھی درپئے ایذا شریر تھے
فرزند فاطمہ کے جنازے پہ تیر تھے

ہیں موردِ بلا و مصیبت ازل سے ہم　　اِس غمکدے میں چین سے گذرا نہ ایک دم
غم ہے ہمارے واسطے ہم ہیں برائے غم　　(۲۰)　　سب اپنے اپنے عہد میں سہہ سہہ گئے ستم
اب آخری بہن یہ سواری ہماری ہے
بعد اُن بزرگواروں کے باری ہماری ہے

سچ ہے کہ تم کو مجھ سے محبت ہے اے بہن　　کیا کیجے ناگزیر یہ فرقت ہے اے بہن
پیارے تمہارے بھائی کی رخصت ہے اے بہن　　(۲۱)　　دُنیا مقام رنج و مصیبت ہے اے بہن
بھولے نہ یادِ حق کبھی گو حال غیر ہو
اُس کی ظفر ہے خاتمہ جس کا بخیر ہو

کیا کرتیں تم بہن اجل آتی وطن میں گر　　یکساں ہے مرنے والوں کو جنگل ہو یا کہ گھر
درپیش ہے سفر میں ہمیں خلق سے سفر　　(۲۲)　　اَب آرزو یہ ہے کہ کٹے تن سے جلد سر
ہر دُکھ میں خوش ہیں وہ جنھیں الفت خدا کی ہے
میرا نہیں یہ سر تو امانت خدا کی ہے

دیکھا یہ کہہ کے بالی سکینہ کو یاس سے　　لپٹی وہ دوڑ کر شہ گردوں اساس سے
طاقت نہ تھی کلام کی ہر چند پیاس سے　　(۲۳)　　بولی وہ تشنہ کام شہ حق شناس سے
کیا اِس بَلا کے بن سے تہیہ سفر کا ہے
صدقے گئی بتاؤ ارادہ کدھر کا ہے

فرمایا شہ نے ہاں یہ سفر ناگزیر ہے　　آؤ گلے لگو کہ یہ صحبت اخیر ہے
اَب آرزوئے قربِ خدائے قدیر ہے　　(۲۴)　　تنہا ہیں ہم سپاہ مخالف کثیر ہے
طے ہو یہ مرحلہ جو عنایت خدا کرے
جس کا نہ کوئی دوست ہو بی بی وہ کیا کرے

سُنکر مصیبتِ پدرِ بیکس و حزیں — بولی بلائیں باپ کی لے کر وہ مہ جبیں
(۲۵)
نکلو بلا کے بن سے کہیں یا امامِ دیں — آقا سوا حضور کے میرا کوئی نہیں
صدقے گئی مدینے چلو یا نجف چلو
للّٰہ ساتھ لے لو مجھے جس طرف چلو

شہ نے کہا کہ بند ہیں راہیں پدر نثار — پھیلی ہوئی ہے چار طرف فوجِ نابکار
(۲۶)
پیدل نکلنے پاتا ہے ناکوں سے نہ سوار — اِس دشتِ کیں میں قید ہے احمد کا یادگار
قاصد جو میرے نام کا خط لے کے آتے ہیں
سر کاٹ کر درختوں میں لٹکائے جاتے ہیں

عمّو تمھارے چھوڑ گئے ہم کو جاں بلب — بی بی قدم پہ گر کے ہمیں کون لیوے اب
(۲۷)
تلواریں چل گئیں بنے قاسم پہ بے سبب — مرنا شباب میں علی اکبر کا ہے غضب
تھی جن سے زندگی کی حلاوت وہ چھٹ گئے
دو تین گھر بھرے ہوئے اک دم میں لُٹ گئے

ہر چند صبح و شام ہے جاری یہ شاہراہ — پر کوئی قافلہ نہ ہوا ہوگا یوں تباہ
(۲۸)
پایا تھا عمر کھو کے جنھیں ہم نے آہ آہ — ڈھونڈھا کہاں کہاں نہیں ملتے وہ شکِ ماہ
کیا ہوگا لاکھ روئیں گے یا خاک اُڑائینگے
نہ عمر اب پھرے گی نہ وہ دوست آئینگے

بی بی یہاں سے اہلِ وطن ہیں قریب تر — پر میری بیکسی کی نہیں ایک کو خبر
(۲۹)
بھیجے ہیں شیعیانِ یمن نے بھی نامہ بر — لیکن حسینؑ تک نہ ہوا ایک کا گذر
قزلوں سے بھی مدد کو جو نکلا وہ گھر گیا
لشکر بنی اسد کا قریب آ کے پھر گیا

گھیرا ہے اِس لئے مجھے اِس بن میں بیگناہ — تا مجھ تک آسکے نہ کوئی میرا خیر خواہ
نہ دوست نہ عزیز نہ غمخوار نہ سپاہ (۳۰) — ساتھی تو سب عدم میں وطن دور گھر تباہ
مجھ سا بھی کوئی بیکس و بے پر بشر نہ ہو
مر کر نہ دفن ہوں تو کسی کو خبر نہ ہو

جانا ہے دور شب کو جو آنا نہ ہوا ادھر — ضد کر کے روئیو نہ ہمیں چاہتی ہو گر
پہلے پہل ہے آج شبِ فرقتِ پدر (۳۱) — سو رہیو ماں کی چھاتی پہ غربت سے رکھ کے سر
راحت کے دن گذر گئے یہ فصل اور ہے
اَب یوں بسر کرو جو یتیموں کا طور ہے

ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولی وہ تشنہ کام — بتلائیے مجھے کہ یتیمی ہے کس کا نام
آنکھوں سے خوں بہا کے یہ کہنے لگے امام (۳۲) — کُھل جائیگا یہ درد و الم تم پہ تا بہ شام
بی بی نہ پوچھو کچھ یہ مصیبت عظیم ہے
مَر جائے جس کا باپ وہ بچہ یتیم ہے

بُندے اُتارو طوق بڑھاؤ پدر نثار — چھپنا کہیں جو لوٹنے آئیں ستم شعار
چلّائیو نہ اَیْنَ اَبی کہہ کے بار بار (۳۳) — دشمن ہمارے نام کا ہے شمرِ نابکار
لو الوداع جاتے ہیں اَب قتل گاہ میں
سونپا تمھیں نبیؐ و علیؑ کی پناہ میں

یہ کہہ کے پیاری بیٹی سے دیکھا اِدھر اُدھر — پوچھا کدھر ہیں بانوے ناشاد و نوحہ گر
فضہ نے عرض کی کہ اُدھر بیٹھی ہیں بسر (۳۴) — رخصت کی بھی حضور کی اُن کو نہیں خبر
لب پر گھڑی گھڑی علی اکبر کا نام ہے
چلیئے ذرا کہ کام اب اُن کا تمام ہے

رکھی تھی لاکے لاش پسر آپنے جہاں (۳۵) مُنھ اُس زمیں پہ ملتی ہیں اور ہے لبوں پہ جاں
کرتی ہیں اُٹھ کے آہ تو ہلتا ہے آسماں نعرہ یہ ہے کہ ہائے علی اکبرِ جواں
واری گئے نہ قبر میں اماں کو گاڑ کے
جنگل بسا دیا مری بستی اُجاڑ کے

روتے ہوئے گئے جو وہاں شاہِ خوشخصال (۳۶) دیکھا کہ غش ہیں خاک پہ بکھرے ہوئے ہیں بال
شبیر بیٹھ کر یہ پکارے بصد ملال اے شہر بانو ہوش میں آؤ یہ کیا ہے حال
سچ ہے فلک نے تم کو بڑے دُکھ دکھائے ہیں
صاحب اُٹھو ہم آخری رُخصت کو آئے ہیں

سُن کر صدا حسین کی چونکی وہ نوحہ گر (۳۷) کی عرض سر جھکا کے قدم پر بہ چشمِ تر
تنہا حضور آئے ہیں باندھے ہوئے کمر صاحب کہاں ہیں منتوں والا مرا پسر
ایسے نہیں جو دُکھ میں جدا ہوں وہ باپ سے
اپنے مُرادوں والے کو لونگی میں آپ سے

اے جانِ فاطمہؑ مرا پیارا کدھر گیا (۳۸) اماں کی زندگی کا سہارا کدھر گیا
وہ تین دن کی پیاس کا مارا کدھر گیا سیدانیوں کی آنکھوں کا تارا کدھر گیا
مرتی ہوں اپنے سروِ سہی قد کو دیکھ لوں
اک بار پھر شبیہ محمد کو دیکھ لوں

وہ گورا گورا چاند سا مکھڑا دکھائیں پھر (۳۹) لے لوں میں گیسوؤں کی بلائیں تو جائیں پھر
مجھ کو تو خیریت سے غرض ہے نہ آئیں پھر خوشبوئیں تن کی سونگھ لوں جنگل بسائیں پھر
تڑپے گا دل تو لے کے اجازت حضور سے
میں دیکھ لوں گی در پہ کھڑی ہو کے دُور سے

بیخودیتھی میں جب آئے تھے میداں سے اِدھر — کیا دیکھتی مجھے تو کچھ آتا نہ تھا نظر
سنبھلا جو دل ذرا تو پھڑکنے لگا جگر (۴۰) کب آئے کب گئے مجھے مطلق نہیں خبر
آئے تو چھپ کے آئے گئے بے ملے ہوئے
باتیں نہ پیار کی ہوئیں نہ کچھ گلے ہوئے

گر ہیں خفا تو آئیں مَیں اُٹھ کر نثار ہوں — اُن کی خطا نہیں ہے میں تقصیروار ہوں
دائی ہوں اُن کی آپ کی خدمتگذار ہوں (۴۱) اَب رحم کیجیے کہ بہت شرمسار ہوں
تکلیف گرچہ ہوگی شہ مشرقین کو
لے آئیے مناکے مرے نورِعین کو

باتیں یہ سُن کے کہنے لگے شاہ بحر و بر — یا رب جدا نہ ہو کسی ماں سے جواں پسر
بانو کسے بلاؤں کہاں ہے وہ سیمبر (۴۲) ہمشکل مصطفےٰ تو گئے فاطمہؑ کے گھر
ہر دُکھ میں صبر کرتے ہیں جو حق شناس ہیں
جس نے تمھیں دیا تھا وہ اُب اُسکے پاس ہیں

جاگے ہوئے تھے رات کے نیند آگئی اُنھیں — لُٹنے ہے منافقوں کی نظر کھا گئی اُنھیں
مخفی بہت کیا پہ اجل پا گئی اُنھیں (۴۳) صحرائے کربلا کی فضا بھا گئی اُنھیں
زندہ نہ ہوگا لال اگر مَر بھی جاؤ گی
بانو کوئی گھڑی میں ہمیں بھی نہ پاؤ گی

جاتے ہیں ہم وہیں کہ جہاں ہیں وہ لالہ فام — دیدو جو اپنے لال کو دینا ہو کچھ پیام
سُن کر یہ ذکر ہوش میں آئی وہ تشنہ کام (۴۴) سمجھی کہ گھر تباہ ہوا اب چلے امام
خنجر سے حلق شاہ کے کٹنے کا طور ہے
بستی اُجڑ کے تخت اُلٹنے کا طور ہے

دامن پکڑ کے شاہ کا بولی وہ دلفگار　　اے ابنِ فاطمہ یہ کنیز آپ کے نثار
بعد آپ کے جو لوٹنے آئیں ستم شعار　(۴۵)　بیٹھے کہاں یہ بیکس و غمگین و سوگوار
کچھ حق میں اِس کنیز کے فرما کے جائیے
صاحب کوئی جگہ مجھے بتلا کے جائیے

مَیں وہ ہوں جو کہ قید میں آئی تھی یا امام　　مشہور ہوں کنیزِ امامِ فلک مقام
پاس آپ کے ہے نام کا اے قبلۂ انام　(۴۶)　گر قید ہو گئی تو کہیں گے یہ خاص و عام
بندی چلی ہے شام کو آلِ رسول کی
دیکھو یہی بہو ہے علیؑ و بتولؑ کی

فرمایا شہ نے حافظ و حامی ہے ذوالجلال　　زہرا کی بیٹیوں کی رہو تم شریکِ حال
زینب کو دیکھو سر پہ نہ بھائی نہ دونو لال　(۴۷)　صاحب تمھارے ساتھ ہو عابد سا خوش خصال
بے وارثوں کا وارث و والی اللہ ہے
دیکھو ڈگیں نہ پاؤں کہ مشکل کی راہ ہے

لو الوداع لاش پہ اب آکے روئیو　　لیکن نہ خاک اُڑا کے نہ چلّا کے روئیو
زانو پہ سر کو شرم سے نہوڑا کے روئیو　(۴۸)　قبرِ رسولِ پاک پہ ہاں جا کے روئیو
لٹنے میں صبر شکر تباہی میں چاہیے
رونا بشر کو خوفِ الٰہی میں چاہیے

یہ سُن کے حشر ہو گیا فریاد و آہ سے　　سیدانیاں لپٹ گئیں زہرا کے ماہ سے
ٹھہرا گیا نہ پھر شہِ عالم پناہ سے　(۴۹)　نکلے حسینؑ روتے ہوئے خیمہ گاہ سے
چوتھا فلک ضیا سے جلو خانہ بن گیا
خورشید شمعِ حُسن کا پروانہ بن گیا

مِل کر حرم سے در پہ جو شاہِ غیور آئے — اک غل ہوا حضور کرامت ظہور آئے
(۵۰)
لاؤ فرس کو ڈیوڑھی پہ جلدی حضور آئے — اعمیٰ بھی ہو تو آنکھ کی پتلی میں نور آئے
پھرتا تھا سر پہ چتر سلیماں جناب کے
سایہ تھا ایک بیچ میں دو آفتاب کے

نصرت کی تھی صدا کہ زہے حشمت و جلال — تاباں رہے یہ نیرِ اقبال بے زوال
(۵۱)
شوکت کی یہ دعا تھی کہ اے فاطمہ کے لال — سرسبز تیرے دوست عدو تیرے پائمال
یارب فساد خلق سے امن و اماں رہے
جب تک زمیں رہے یہ امامِ زماں رہے

بیٹا نہ تھا کوئی نہ برادر اِدھر اُدھر — پر قدسیوں کی صف تھی برابر اِدھر اُدھر
(۵۲)
مڑ مڑ کے دیکھتے تھے جو سرور اِدھر اُدھر — گرتی تھی برق حُسن چمک کر اِدھر اُدھر
جلوے دکھا رہی تھی ضیا ہاتھ پاؤں کی
اک چاندنی بچھی ہوئی تھی دھوپ چھاؤں کی

غل تھا فلک کا رنگ بدلتا ہے دیکھ لو — ذروں سے آفتاب بھی جلتا ہے دیکھ لو
(۵۳)
لو جوبن آج دن کا بھی ڈھلتا ہے دیکھ لو — قدموں پہ نور آنکھوں کو ملتا ہے دیکھ لو
نقش اس قدم کے چاند سے روشن دوچند ہیں
مجمر ہے آسماں تو ستارے سپند ہیں

آمد فرس کی تھی دُلھن آتی ہے جس طرح — تھم تھم کے نکہت چمن آتی ہے جس طرح
(۵۴)
تصویر آہوے ختن آتی ہے جس طرح — یا شمع سوے انجمن آتی ہے جس طرح
باہم طیور کہتے تھے کبکِ دری ہے یہ
گھوڑے چراغ پا تھے کہ بیشک پری ہے یہ

آیا عجب شکوہ سے اسپِ قمر رکاب   تھامے تھی فتح زین کا دامن ظفر رکاب
چشمک زنی ہلال پہ کرتی تھی ہر رکاب   حلقہ تھا نور مہر کا یا جلوہ گر رکاب
فتراک سے تھے کہ کھونٹے ہوئے تھا عقاب پر
زیں پر تھا گرد پوش کہ ابر آفتاب پر
(۵۵)

اختر خجل ہیں زین جواہر نگار سے   ذروں نے چُن لئے ہیں تارے غبار سے
تھمتا ہے کب سوار فراست شعار سے   گردن میں ہاتھ باگ نے ڈالے ہیں پیار سے
نازاں ہے خود رکاب کے پائے کو دیکھکر
بَل کھا رہا ہے خاک پہ سائے کو دیکھکر
(۵۶)

قربان اُس تلگا و ضیغم شکار کے   پامال کردے شیر کو ٹاپوں سے مار کے
شائستگی کو پوچھیے دل سے سوار کے   چاہے تو ایک طفل چڑھے باگ اُتار کے
رکھدے قدم تو رنگ نہ میلا ہو پھول کا
پیارا فرس ہے راکبِ دوشِ رسولؐ کا
(۵۷)

چاروں سموں سے بدر خجل نعل سے ہلال   کھیلیں شکار شیر یہ آنکھیں ہیں وہ غزال
کھینے نہ بال حور نے بکھرا دیے ہیں بال   پھرنے پہ جھوم جھوم کے صدقے پری کی چال
رستے ہیں یادگنبدِ نیلی رواق کے
دلدل کی تیزیاں ہیں طرارے براق کے
(۵۸)

سینہ کشادہ تنگ کمر چست جوڑ بند   گردن میں خم ہلال کا اور اُس پہ سر بلند
جاندار بُردبار عدو کش ظفر پسند   بجلی کسی جگہ کہیں آہو کہیں پرند
سرعت ہے ابر کی تو لطافت ہوا کی ہے
اتنے ہنر فرس میں یہ قدرت خدا کی ہے
(۵۹)

دونوں کنوتیاں جو بہم ہیں بہ شکل لا   سوچیں تو اہلِ بزم کہ مطلب ہوا اسکا کیا
ہاں بے زباں ہے گو پہ یہ کہتا ہے برملا (٦٠) آقا ہے میرا صاحبِ لاسیف و لافتا

افسوس اہل شام کو کچھ پیش و پس نہیں
آقا حسینؑ سا نہیں مجھ سا فرس نہیں

لو اب سوار ہوتا ہے زہرا کا یادگار   تھامے رکاب کون نہ یاور نہ غمگسار
رو کر فرس سے کہتے ہیں شبیرِ نامدار (٦١) اے ذوالجناح دیکھ یہ نیرنگ روزگار

سب دوپہر میں ابن علیؑ سے جُدا ہوئے
جو تیرے گرد رہتے تھے وہ دوست کیا ہوئے

سب دوست بے مثال تھے روؤں کسے کسے   خوش رو تھے باکمال تھے روؤں کسے کسے
حیدر کے پانچ لال تھے روؤں کسے کسے (٦٢) سات آٹھ خورد سال تھے روؤں کسے کسے

جب ذکر خیر پیاس میں مرنے کے ہوئینگے
سب میرے دوست میرے عوض انکو روئینگے

مرتا ہے ایک دوست کسی شخص کا اگر   وہ شخص اُسکے ہجر میں روتا ہے عمر بھر
اِک دن میں صاف ہوگیا میرا تو گھر کا گھر (٦٣) کیا دُور ہے جو مر کے بھی سیدھی نہ ہو کمر

اِس گھر میں جتنے گھر ہیں وہ سب بے چراغ ہیں   تھے
میرے تو اک کلیجے پہ اٹھارہ داغ ہیں

پیاسے مرے ہیں ساتھ جو میرے وہ تشنہ کام   گھر گھر میں ان کی نذر کے ہوویں گے اہتمام
جاری سبیلیں رکھیں گے رستوں پہ خاص و عام (٦٤) چلائینگے یہ پانی کے بھر بھر کے سرد جام

بھولو نہ تشنگی کو شہ تشنہ کام کی
پیا سو سبیل ہے یہ شہیدوں کے نام کی

ایسے کسے ملے ہیں رفیقانِ باوفا — پیشِ خدا جلیل ہے اِن سب کا مرتبا
ہوتے جہاں میں آج جو پیغمبرِ خدا (۶۵) کرتے ہر اک شہید کا ماتم جُدا جُدا
شانہ بتولؑ بالوں میں کرتی نہ عمر بھر
چادر سیاہ سر سے اُترتی نہ عمر بھر

یہ سُن کے ذوالجناح تو روتا تھا زار زار — چلّاتی تھی یہ زوجۂ عباس نامدار
صاحب اُٹھو ترائی سے ہیں آپ پرنثار (۶۶) آقا سوار ہوتے ہیں آیا ہے راہوار
یاں آکے ساتھ جاؤ امامِ غیور کے
سایہ کرو کہ دھوپ ہے سر پر حضور کے

بانو پکارتی تھی کہ اکبر کدھر ہو تم — بیٹا پدر کے کوچ کے دن بے خبر ہو تم
تھامو رکاب باپ کے پیارے پسر ہو تم (۶۷) اماں کا گھر اُجڑتا ہے دادی کے گھر ہو تم
بازو کو تھامو ہاتھ میں حضرت کے ہاتھ دو
بیٹا ضعیفی وقت میں بابا کا ساتھ دو

لکھا ہے یاں لجامِ فرس پر تھا دستِ شاہ — فریاد واحسینؑ سے ہلتی تھی قتل گاہ
خیمے سے نکلی اک زنِ بالا بلند آہ (۶۸) رُخ پر نقاب پاؤں میں موزے عبا سیاہ
حُسنِ رسولؐ و شانِ علیؑ کا ظہور تھا بتولؑ
گویا لباسِ کعبہ میں خالق کا نور تھا

پردہ تھا پر جھکی ہوئی آئی وہ دل کباب — تھامی لرزتے ہاتھوں سے سوار کی رکاب
گھوڑے پہ جلوہ گر ہوئے شاہِ فلک جناب (۶۹) بیت الشرف میں پھر گئی وہ مثلِ آفتاب
جس کا یہ ذکر تھا وہ نواسی نبی کی تھی
زینبؑ بہن حسینؑ کی بیٹی علیؑ کی تھی

(۷۰)
رن کو سواری شہ جن و بشر چلی — پیچھے تمام فوج ملک ننگے سر چلی
گھوڑے کے ساتھ فاطمہ تھامے جگر چلی — شبدیز کیا چلا کہ نسیم سحر چلی
طبقہ تمام نور سواری سے عرش تھا
سونے کی تھی زمیں تو ستاروں کا فرش تھا

(۷۱)
ذرّوں سے آفتاب کی ضو آشکار تھی — سرسبز تھے درخت زمیں لالہ زار تھی
ماتم میں اک سماں تھا خزاں میں بہار تھی — جنگل تھا مشک بیز ہوا عطر بار تھی
غل تھا نہ دُور دُور چلو نہ بہم چلو
ہاں خادمو اَدَب سے قدم با قدم چلو

(۷۲)
وہ شان وہ شکوہ وہ شوکت جناب کی — اللہ رمی ضو جھپکتی ہے آنکھ آفتاب کی
تصویر ہے جنابِ رسالت مآب کی — پیری دکھا رہی ہے لطافت شباب کی
بر میں نبی کا جامۂ عنبر شمامہ ہے
رنگت تو پھول سی ہے گلابی عمامہ ہے

(۷۳)
غل تھا فرس پہ سیدِ والا کو دیکھ لو — ہاں برق و شرقِ طورِ تجلّا کو دیکھ لو
پڑھ کر درود صورتِ مولا کو دیکھ لو — بالائے رحل مصحفِ زہرا کو دیکھ لو
پایہ کسی بشر نے یہ پایا ہے خلق میں
قرآں انھیں کے واسطے آیا ہے خلق میں

(۷۴)
حوریں ہیں گرد ساغرِ کوثر لیئے ہوے — قدسی جلو میں ہیں طبق زر لیئے ہوے
جبریل ہیں نجات کا دفتر لیئے ہوے — جھولی میں ہے نسیم گل تر لیئے ہوے
لٹتے ہیں پھول وادیِ عنبر سرشت میں
دولھا برات لے کے چلا ہے بہشت میں

(۷۵)
وہ روئے دلفروز وہ زلفوں کا پیچ و تاب گویا کہ نصف شب میں نمایاں ہے آفتاب
ابرو کی ذوالفقار سے زہرہ عدو کا آب آنکھیں وہ جن سے نرگسِ فردوس کو حجاب
پتلی کا رعب سب پہ عیاں ہے خدائی میں
بیٹھا ہے شیر پنجوں کو ٹیکے ترائی میں

(۷۶)
پہونچا جو اس شکوہ سے حیدر الورا کا لال کانپے جبل لرزنے لگا عرصۂ قتال
ٹوٹے جو مورچے تو پکارے یہ بدخصال بھاگو کہ آئے شیر الٰہی پئے جدال
دیکھا جو رعب قبلۂ عالی مقام کو
علموں نے جھک کے ہاتھ بڑھائے سلام کو

(۷۷)
بڑھ کر صدا نہیب نے دی روبرو نگاہ دشمن ترے ذلیل معاند ترے تباہ
آواز دی ظفر نے کہ اے معدلت پناہ تاباں رہے ستارۂ اقبال و عز و جاہ
زہرہ عدو کا آب کلیجہ لہو رہے
ہر معرکے میں تیغ علیؑ سرخرو رہے

(۷۸)
نیزہ زمیں پہ آپ نے گاڑا جو یک بیک ماہی سے دب کے گاؤ زمیں نے کہا سرک
شاید قیامت آئی زمیں پر گرا فلک بس یا حفیظ کہہ کے لرزنے لگی سمک
غل تھا الٹ چکے ہیں حسین آہنین کو
یا بوتراب آ کے بچا لو زمین کو

(۷۹)
دب دب کے مورچوں سے ادھر پہلوان ہٹے لشکر ہٹا نشانِ ضلالت نشاں ہٹے
سرکی زمیں مگر نہ امامِ زماں ہٹے سچ ہے کہ قطب دائرہ دیں کہاں ہٹے
سر بھی کٹے اگر تو نہ پیچھے قدم ہٹیں
کعبہ کبھی ہٹا ہو تو شاہِ امم ہٹیں

لو گونجتا ہے شیر رجز خواں ہیں شاہِ دیں   نعرہ یہ ہے کہ ہیں ہمیں پشت و پناہِ دیں
روشن ہمارے نور سے ہے شاہراہِ دیں   (۸۰)   دُنیا میں ہم ہیں تاج سرِ عز و جاہِ دیں
سجدے بتوں کو کرتے تھے سالکِ کنشت کے
ہم نے تمھیں بتا دیے رستے بہشت کے

خالی کیا علیؑ نے بتوں سے خدا کا گھر   عزیٰ کہاں ہے لات و ہبل آج ہیں کدھر
غل تھا علیؑ ہیں دوشِ محمدؐ پہ جلوہ گر   (۸۱)   مصحف پہ مصحف آج ہے اور نور نور پر
سب سے علیؑ کا مرتبہ اعلیٰ ہے دیکھ لو
شیرِ خدا کی شان دوبالا ہے دیکھ لو

زنّار گردنوں پہ تمھاری سوار تھی   شرکِ جلی یہ تھا کہ پرستش میں نار تھی
اسلام کے چمن میں کبھی یہ بہار تھی   (۸۲)   حق حق کی مسجدوں میں کس دن پکار تھی
چرچا تھا کفر و فسق و فجور و گناہ کا
یہ شور کب تھا اشہد ان لا الٰہ کا

کعبے میں ہم نے پہلے اذاں دی بلند و مد   دریائے رحمتِ صمدی ہیں ہمارے جد
ہم پر ازل سے ہے کرمِ مفضلِ احد   (۸۳)   سب ہم پہ منکشف ہے جو کچھ ہو گا تا ابد
تم لوگ جس طریق سے پھرتے ہو فرش پر
ہم یوں پلک جھپکنے میں جاتے ہیں عرش پر

گھر میں ہمارے وحیِ خدا لائے جبرئیلؑ   جب آئے خادموں کی طرح آئے جبرئیلؑ
مشہور ہم ہیں خلق میں آقائے جبرئیلؑ   (۸۴)   اس گھر کی خادمی ہے تمنائے جبرئیلؑ
شاگردیِ علیؑ سے سرافراز جب ہوئے
جبریلؑ تب مقربِ درگاہِ ربّ ہوئے

آٹھوں بہشت باغ ولایت کے پھول ہیں (۸۵) ہم سے ولا کرو کہ ہم آلِ رسول ہیں
اعمال دشمنانِ علیؑ نا قبول ہیں رونے ہوں یا نمازیں ہوں سب بے اصول ہیں
پھر کیا ادا زکوٰۃ بھی کر حج سمیت کی
شرطِ قبولیت ہے ولا اہلبیت کی

عزت جہاں میں سب کو ہماری ولا نے دی کفار کو شکست شہ لافتا نے دی
بیٹی نبی نے تیغ دو سر کبریا نے دی (۸۶) کعبے سے بھی سوا ہمیں حرمت خدا نے دی
دو پیکرِ خدا . رتبہ بلند سب سے خدا کے ولی کا ہے
سجدے ہیں اِس لئے کہ وہ مولد علیؑ کا ہے

کیوں ظالمو رسول کا پیارا نہیں ہوں میں کیوں عرش کبریا کا ستارا نہیں ہوں میں
کیوں مستحق لطف و مدارا نہیں ہوں میں (۸۷) کیوں جاہلو امام تمہارا نہیں ہوں میں
سیّد پہ ظلم کون سی یہ رسم و راہ ہے
کیا میہماں کو پانی کا دینا گناہ ہے

وہ نہر جس کو خلق میں جاری کرے اِلٰہ روکی ہے تم نے ظلم کی تیغوں سے اُسکی راہ
پانی پہ جنگ پیاسوں سے دریا پہ بغض واہ (۸۸) یہ کس ولی کا گھر تھا جسے کر دیا تباہ
سیراب گرگ و شیر ہوں اور اسپ و خر پئیں
اولادِ فاطمہؑ نہ پیئے جانور پئیں

کھنچ کھنچ کے جائے ساری زراعت میں آبِ نہر محروم ابنِ ساقیِ کوثر پہ کیا ہے قہر
اُس میں یہ نہر بھی ہے جو ہے فاطمہؑ کا مہر (۸۹) شہرہ ہے ناریوں کی تواضع کا شہر شہر
اُمّتِ نبیؐ کی آہ یہ سفاک ہو گئی
بس آج آبروئے فلک خاک ہو گئی

کرتا ہے پاسداری مہماں ہر اک بشر　　ملتے ہیں اُس سے جھک کے جو آتا ہے اپنے گھر (۹۰)
عاجز بھی لا کے سامنے رکھتا ہے ما حضر　　فاقہ ہے تیسرا ہمیں اور تم ہو بے خبر
بستانِ فاطمہ میں ہَوا یہ بری چلے
پانی طلب کریں تو گلے پر چھُری چلے

سُن کر بیانِ شاہ فصیحوں نے سر جھکائے　　کتنوں نے پھیر پھیر کے منہ اشک بھی بہائے (۹۱)
اکثر صفوں میں شور یہ اُٹھا کہ ہائے ہائے　　کیوں ہم رسول حق کے نواسے سے لڑنے آئے
خم کر کے گردنیں عمر و شمر ٹل گئے
فولاد موم ہو گیا پتھر پگھل گئے

نوفل سے بڑھ کے یہ پسرِ سعد نے کہا　　ہاں جلد حکم دے کہ بجیں طبل جا بجا (۹۲)
ہو سب صفوں میں نالۂ شہنا کا غل بپا　　تا فوج میں سنے نہ کوئی شاہ کی صدا
مظلومیِ حسینؑ پہ دل ٹکڑے ہوتے ہیں
انساں کا ذکر کیا ہے کہ گھوڑے بھی روتے ہیں

ناگہ بجے جلاجل و قرنا و طبل و دَفْ　　خاموش ہو گئے شہ مظلوم اِس طرف (۹۳)
چلّوں میں تیر جوڑ کے بڑھنے لگی جو صَفْ　　اُگلی ادھر نیام سے تیغ شہ نجف
بھاگو ہٹو بچو یہ صدا دی سپاہ نے
یا نبی سے مُنھ نکالا ہے مارِ سیاہ نے

تیغ دو سر کو روک کے حضرت نے یہ کہا　　بیکس سے کس طرح تمھیں منظور ہے وغا (۹۴)
آؤ عرب کی طرح جو ہے قصد جنگ کا　　سب مل کے گر لڑو تو پھر اس میں ہے دیر کیا
دُنیا سے وقت عصر گذرنا ہے ہر طرح
حاضر ہوں ہر طرح میں کہ مرنا ہے ہر طرح

مولا نے دی صدا

سر کو نہ سر نہ جان کو ہم جاں سمجھتے ہیں ہاں حکم کردگار کو ایماں سمجھتے ہیں
(۹۵)
مشکل ہزار ہو اُسے آساں سمجھتے ہیں ہم ایک اور لاکھ کو یکساں سمجھتے ہیں
اِس معرکہ میں کھیت پڑے ہیں اسی طرح
بچے ہمارے تم سے لڑے ہیں اسی طرح

لڑتا نکل کے ایک سے گر ایک نامدار برسوں بھی تم سے ختم نہ ہوتی یہ کارزار
(۹۶)
نکلا ادھر سے ایک اُدھر سے بڑھے ہزار اِس پر بھی الاماں کا غل اُٹھتا تھا بار بار
بے دیں کا ساتھ دے کے حمیت کو کھو دیا
تم نے تو آج نام عرب کا ڈبو دیا

یہ ذکر تھا کہ تیر چلے اُس سپاہ سے گیتی کو زلزلہ ہوا زہرا کی آہ سے
(۹۷)
پھر ضبط ہو سکا نہ شہ دیں پناہ سے بجلی گری صفوں پہ غضب کی نگاہ سے
چمکی علی کی تیغ جو دشتِ مصاف میں
پریاں چھپیں جزیروں میں سیمرغ قاف میں

کاٹھی سے اِس طرح ہوئی تیغ دو سر جُدا جیسے سوادِ شب سے بیاضِ سحر جُدا
(۹۸)
نصرت کا آئینہ تھا جدا اور گہر جُدا محمل جُدا تھا لیلیٰ فتح و ظفر جُدا
تیغ کشیدہ دست شہ بحر و بر میں ہے
طومار ہاتھ میں ہے لفافہ کمر میں ہے

ن
ناگاہ رن میں تیغ شہ لافتےٰ چلی گویا صفوں پہ کھولے ہوئے منھ بلا چلی
(۹۹)
بن میں سموم قہر و عتاب خدا چلی جھونکوں سے جسکے اُڑتے ہیں سرِ ہوا چلی
آوازِ الاماں کی سپہر بریں پہ تھی
بڑھ کر جو یوں پھرے صفِ اوّل زمیں پہ تھی
پھری

ن: تیغِ علی کی صف صف اہلِ دغا چلی
ن: جب دشتِ کیں میں تیغِ شہ لافتا چلی

(۱۰۰) پہونچے جو مثلِ شیر جھپٹ کر ادھر اُدھر سر گر پڑے حسام سے کٹ کر ادھر اُدھر
آیا گیا فرس جو سمٹ کر ادھر اُدھر ڈھالوں کا ابر رہ گیا پھٹ کر ادھر اُدھر
جاروب تھی کہ سیف میانِ مصاف تھی
دریا کی راہ حملۂ اوّل میں صاف تھی

(۱۰۱) ملتی تھی جائے امن نہ زیرِ فلک کہیں غل تھا کہ بچ نہ جائے سما و سمک کہیں
جنّات بے حواس کہیں تھے ملک کہیں سایہ کہیں تھا تیغ کہیں تھی چمک کہیں
پانی سے جل بجھا تھا کوئی کوئی نار سے
گرتی تھیں تین بجلیاں اک ذوالفقار سے

(۱۰۲) غل شش جہت میں تھا کہ نہ اِس سے دوچار ہو بھاگو کہیں یہ برق نہ پھر شعلہ بار ہو
کون اِس کے مُنھ پہ جا کے اجل کا شکار ہو جو ایک ہے وہ دو ہو جو دو ہے وہ چار ہو
بھاگیں کہ اِن صفوں کو ہم آراستہ کریں
مہلت جو تیغ دے تو دم آراستہ کریں

(۱۰۳) جب سَن سے فوج شام پہ وہ شعلہ خو چلی بس سر کے بَل سفر میں سپاہِ عدو چلی
ٹھہری بڑھی چمکتی ہوئی چار سو چلی آئی کس آب و تاب سے کیا سرخرو چلی
تیزی یوں ہی زباں میں سخنور کو چاہیئے
پاس آبرو کا صاحبِ جوہر کو چاہیئے

(۱۰۴) اَب دم نہ لیجیو یہ اجل اُس سے کہہ گئی ندّی لہو کی دشت پر آفت میں بہ گئی
کاٹی زرہ کڑی بھی پڑی جو وہ سہہ گئی بھاگا کوئی شقی تو لہو پی کے رہ گئی
غصے میں مثلِ برق قرار اُس نے کم لیا
لاکھوں میں ڈھونڈھ کر اُسے مارا تو دم لیا

(۱۰۵)
پھل آسکا سپر پہ نہ جوشن پہ رہ گیا — جس پر پڑی تڑپ کے وہ توسن پہ گیا
دو ٹکڑے ہو کے سر نہ فقط تن پہ رہ گیا — خوں بھی اجل گرفتہ کی گردن پہ رہ گیا
دَم میں نہ وہ غرور نہ وہ خود سری رہی
مجرم وہی رہا یہ خطا سے بَری رہی

(۱۰۶)
یکتا برش میں جوہرِ ذاتی میں قدر میں — چمکی اُحد میں خیبر و خندق میں بدر میں
تیزی وہی تھی مُنھ کی اس آشوب غدر میں — چل کر سپر سے سر میں گئی سر سے صدر میں
کھنچے ہوئے کمر سے نیا رنگ ڈھنگ تھا
راکب تھا نہ فرس تھا نہ زیں تھا نہ تنگ تھا

(۱۰۷)
مانند برق تیغ کا سایہ جدھر گرا — بیٹے پہ باپ باپ پہ مرکر پسر گرا
یہ ہاتھ اِس طرف تو وہ بازو اُدھر گرا — پرکالے اُڑ گئے وہ سپر کے وہ سر گرا
قبضے میں اب ہے تیغ نہ دستانے ہاتھ میں
کیوں دے دیا تھا ہاتھ کو بیگانے ہاتھ میں

(۱۰۸)
سرکش ہَوا پہ جو تھے وہ سب گرد ہو گئے — سُرخی رخوں سے اُڑ گئی منھ زرد ہو گئے
دعوائے مردمی تھا یہ نامرد ہو گئے — ہنگامہ جن سے گرم تھا وہ سَرد ہو گئے
مرنے پہ بھی تعصب کی سوزش نہ جائیگی
اب ناریوں کو آتشِ دوزخ جلائیگی

(۱۰۹)
عاری تھے تیغ شاہِ حجازی سے نیزہ باز — پیہم اُلٹ کے گرتے تھے تازی سے نیزہ باز
روکے تھے ہاتھ دست درازی سے نیزہ باز — باز آئے اپنی شعبدہ بازی سے نیزہ باز
یوں جھٹ سے کھول دیتے تھے نیزے کے بند کو
آتش پہ ڈال دے کوئی جیسے سپند کو

غل تھا کہ وہ چمکتی ہوئی آئی یہ گری   برچھی سے اُڑ گئی وہ سناں یہ گرہ گری
(۱۱۰) ترکش کٹا کمان کیانی سے زہ گری   یہ سر گرا وہ خود گرا یہ زرہ گری
آتی ہے لشکروں پہ تباہی اسی طرح
گرتی ہے برق قہر الٰہی اسی طرح

وہ شام و روم کے قدر انداز بے نظیر   سہواً نہ چوکتا تھا نشانے سے جن کا تیر
(۱۱۱) ہر صف میں سہم سہم کے ہوتے تھے گوشہ گیر   چلّاتے تھے کہ موت کے حلقے میں ہیں اسیر
لیجے قسم اگر کبھی لشکر کشی کریں
سر کاٹ ڈالیے گا جواب سرکشی کریں

مشاق ساٹھ ساٹھ برس کے وہ تیز دست   چلّا نہ سوجھتا تھا اُنھیں آنکھ سے نہ شست
(۱۱۲) بے سر تھے وہ بھی بادۂ نخوت سے جو تھے مست   غارت تھے مثل تیر ہوائی ہوا پرست
ترکش دو نیم ہو گئے زہ گیر کیا کرے
چلّہ نہ ہو کماں پہ تو پھر تیر کیا کرے

وہ شہسوارِ دوشِ محمدؐ کی ران باگ   کیا ٹھہرے دھوپ میں کہ وہ سیماب ہے یہ آگ
(۱۱۳) تلوار کیا فرس کو بھی تھی شامیوں سے لاگ   ایک ایک کو پکار رہا تھا کہ بھاگ بھاگ
زور اس سے چل سکیگا نہ رستم نہ گیو کا
اس ہیلیتن کی ٹاپ طمانچہ ہے دیو کا

پھرتا تھا کیا صفوں میں فرس جھوم جھوم کے   سرعت بلائیں لیتی تھی منھ چوم چوم کے
(۱۱۴) پامال تھے پرے سپہ شام و روم کے   غل تھا یہ غول میں پسرِ سعد شوم کے
رخش ایسا روم والے میں نہیں شام میں نہیں
یہ شوخیاں تو گردشِ ایام میں نہیں   ابلق

چار آئینہ سے یوں نکل آتی تھی ذوالفقار — عینک کے پار ہوتا ہے جیسے نگہ کا تار
چار آئینے تو کیا تھے کہ ہوتے بھلا دو چار (۱۱۵) ہر دم تھا امتزاج عناصر کو انتشار
اُلٹے جہاں رن ایسا اگر اک گھڑی پڑے
کیا ہو زرہ سے ضرب جب ایسی کڑی پڑے

خود و زرہ وہ دام سے آزاد یہ اسیر — تیر و کماں سخت وہ بے پر یہ گوشہ گیر
شمشیر جاں ستاں و سناں و کمند و تیر (۱۱۶) بے آب و سر بریدہ و ژولیدہ و حقیر
بے برگ و بار دشمن آل رسول ہیں
اب چھیوں میں پھل ہیں نہ ڈھالوں میں پھول ہیں

اُس تیغ کے وقار سے کوہ گراں سبک — ڈھالوں کی شامیوں کی گھٹا ابر سے تنک
یہ آگ اور ناریوں کے دست و پا خنک (۱۱۷) چلنے میں بس یہی دم و دعویٰ کہ اب رُک
مقتل کے ہر نشیب کو لاشوں سے پاٹ دے
پر جبرئیل کے بھی سپر ہوں تو کاٹ دے

جب اُٹھ کے تیغ صفدر قدسی شرف گری — گویا کہ برق سطوت شاہ نجف گری
آیا اُدھر خدا کا غضب جس طرف گری (۱۱۸) کٹ کر گرا پرے پہ پرا صف پہ صف گری
سیفی چلی کہ سیف صفت کارزار پر
گھوڑے گرے پیادوں پہ پیدل سوار پر

اللہ ری شان واہ رے حملے جناب کے — خاک اُڑ گئی جدھر گئے گھوڑے کو داب کے
دکھلا دیے وغا میں چلن بوتراب کے (۱۱۹) فتراک تھے کہ پر فرس لاجواب کے
پتلی جدھر سوار نے پھیری وہ مڑ گیا
اُترا براق بن کے پری ہو کے اُڑ گیا

جم کر صفوں سے یوں فرسِ تند خو اُڑا گویا ہمائے اوجِ شرف چار سو اُڑا
تلوار جب چلی سرِ نحسِ عدو اُڑا (۱۲۰) نکلا نہ دم اور نہ زخم سے مطلق لہو اُڑا
ہر دم برش بڑھی رہی گھاٹ اس کا نام ہے
اس کو صفائی کہتے ہیں کاٹ اس کا نام ہے

باطل کو حق سے خیر کو شر سے جُدا کیا ظلمت کو دن سے شب کو سحر سے جُدا کیا
یوں کفر و دیں کو تیغ دو سر سے جُدا کیا (۱۲۱) گویا کلف کو روئے قمر سے جُدا کیا
ٹکڑے اُڑائے دم میں سپاہِ شریر کے
قربان ذوالفقار جنابِ امیرؑ کے

بخشا ہے کبریا نے اصالت کو کیا وقار تھی سرنگوں اس اوج پہ وہ تیغ آبدار
باآبرو کا جوہرِ ذاتی ہے انکسار (۱۲۲) واں مدح ذوالفقار کی تھی عرش پر پکار
اس عزّوا علا پہ زباں بھی رکی رہی
یہ کیا فروتنی ہے کہ گردن جھکی رہی

خالص اگر ہے مشک تو بو آشکار ہے چمکے گا آپ وہ جو دُرِ شاہوار ہے
زرگر کی مدح قاح کا کیا اعتبار ہے (۱۲۳) کہہ دے گی خود محک کہ طلا خوش عیار ہے
بدمغز کو کمال کی دولت خدا نہ دے
خالی ہو جو کہ ظرف وہ کیونکر صدا نہ دے

اک ذوالفقار خلق میں دو ہاتھ سے چلی دستِ حسینؑ و پنجۂ مشکلکشا علیؑ
یہ مصطفےٰ کی جان وہ اللہ کا ولی (۱۲۴) دونوں کا مرتبہ بھی دو عالم پہ ہے جلی
فخرِ مجاہدین پسرِ فاطمہؑ ہوا
حیدرؑ سے ابتدا ہوئی یاں خاتمہ ہوا

بجوم اذابات پیش کرکے پیش ذوالفقار آبدار

ظلمت سے نور نور سے ظلمت جُدا ہوئی　　وحدت سے ایک ضرب میں کثرت جُدا ہوئی
دینِ مبیں سے کفر کی بدعت جُدا ہوئی　(۱۲۵)　ایماں کے راستے سے ضلالت جُدا ہوئی
اِس دبدبے سے زیر کیا روم و شام کو
حکمِ جہاد پھر نہ ہوا نو امام کو

خود سرِ عدو تھے حباب اُسکے سامنے　　موجِ زرہ تھی نقش بر آب اُسکے سامنے
کیا مُنھ تھا دے جو تیغ جواب اُسکے سامنے　(۱۲۶)　بڑھنے کی تھی سپر کو نہ تاب اُسکے سامنے
اللہ کا غضب ہے یہ جانے ہوے تھے سب
لوہے کو ذوالفقار کے مانے ہوے تھے سب

اللہ رے طلاطمِ افواجِ روسیاہ　　ٹکراتے تھے پہ ملتی نہ تھی بھاگنے کی راہ
غل تھا پناہ دے ہمیں لے آسماں پناہ　(۱۲۷)　اُمّتِ رسولؐ پاک کی ہوتی ہے اب تباہ
بخشو خطا یہ کام ہے مولا ثواب کا
صدقہ محمدؐ عربی کی جناب کا

اُس شور میں سُنا جو رسولِ خدا کا نام　　پڑھ کر درود آپ نے بس روک لی حسام
فرمایا خیر تم سے خدا لے گا انتقام　(۱۲۸)　عاجز نہیں یہ بیکس و مظلوم و تشنہ کام
کیا چیز سر ہے بات پہ ہم لوگ مرتے ہیں
دیکھو اِس اختیار پہ یوں صبر کرتے ہیں

چرخ و نجوم و شمس و قمر شہر و دشت و در　　سنگ و معادن و صدف و قطرہ و گہر
اشجار و شاخ و برگ و گُل و غنچہ و ثمر　(۱۲۹)　رکن و مقام و باب و منا زمزم و حجر
جن و ملک ہیں انس ہیں غلمان و حور ہیں
کہہ دیں یہ سب کہ ابن علیؑ بے قصور ہیں

میں کیا لڑوں گا غم سے لہو ہے مرا جگر — آنکھوں کے آگے خاک پہ ہے لاشۂ پسر
بازو کے غم میں ٹوٹ گئی ہے مری کمر (۱۳۰) سر ہو یہ مرحلہ جو کٹے تن سے جلد سر
حسرت ہے یہ کہ تیغوں سے تن پاش پاش ہو
جب ذبح ہوں تو پہلوئے اکبرؑ میں لاش ہو

بھاگو نہ لو نیام میں رکھتا ہوں میں حسام — مشتاق قربِ حق ہے یہ مظلوم و تشنہ کام
دُنیا سے کچھ غرض ہے نہ اب زندگی سے کام (۱۳۱) حاضر ہے سر فقیر کا کیا کوچ کیا مقام
بیٹھے نہیں زمیں پہ خزانے کو گاڑ کے
مَوت آئی اُٹھ کھڑے ہوئے دامن کو جھاڑ کے

پلٹے یہ سُن کے بھاگے ہوئے روسیاہ آہ — ابرِ ستم میں گھر گیا زہرا کا ماہ آہ
اک تشنہ لب پہ ٹوٹ پڑی سب سپاہ آہ (۱۳۲) دو لاکھ حربے ایک تنِ زار آہ آہ
سب کچھ تھا اختیار پہ مجبور ہو گئے
شبیر سر سے تا بقدم چور ہو گئے

باندھے تھے چار غول جفا کار بہرِ جنگ — اک صف سے تیغیں چلتی تھیں اور ایک سے خدنگ
نیزوں کے وار ہوتے تھے ایک صف سے بیدرنگ (۱۳۳) چلتے تھے ایک صف سے پیاپے کلوخ و سنگ
زہراؑ تڑپ رہی تھیں علیؑ ہاتھ ملتے تھے
یہ وار سب نبیؐ کے کلیجے پہ چلتے تھے

وہ لو وہ آفتاب کی تابندگی وہ بَن — جھیلوں میں شیر ہانپتے تھے دشت میں ہرن
رونے کی چار سو تھی صدا بولتا تھا رَن (۱۳۴) غل تھا خدا پرستوں کے لاشے ہیں بے کفن
آندھی میں خاک اُڑتی تھی گھوڑوں کی گشت سے
آواز ہائے ہائے کی آتی تھی دشت سے

بی بی پکارتی تھی کوئی ہائے میرے لال — حیدرؑ کا باغ ہوتا ہے جنگل میں پائمال
زہراؑ کی دونوں بیٹیاں کھولے ہوئے تھیں بال (۱۳۵) ڈیوڑھی سے نکلے پڑتے تھے بچوں کا تھا یہ حال
جھکتے تھے زیں سے جب شہ ذیشان زمین پر
غل تھا کہ ہائے گرتا ہے قرآن زمین پر

جس روز تھا یہ حشر یہ ماتم یہ شور و شر — آ پہونچا اک مُسافر غربت زدہ ادھر
نکلا تھا گھر سے شوق نجف میں وہ خوش سیر (۱۳۶) چھوٹے ہوئے وطن اُسے گذرا تھا سال بھر
بے خانماں کو عشق خدا کے ولی کا تھا
مشتاق وہ زیارتِ قبر علیؑ کا تھا

رخ زرد پاؤں سوجے ہوئے جسم پر غبار — ایمان واعتقاد قوی پر بدن نزار
طاعت گذار نیک عقیدت وفا شعار (۱۳۷) نہ راحلہ نہ زاد نہ ہمدم نہ غمگسار
یہ آرزو کہ گوہرِ بحرِ شرف ملے
چھانوں جہاں کی خاک پہ دُرِ نجف ملے

سرکو قدم کئے وہ سعیدِ خجستہ پے — دو دن کی راہ کرتا تھا ایک ایک دن میں طے
پیاری نہ تھی جو قطع مسافت سے کوئی شئے (۱۳۸) آساں تھی اُسکو دوری شام و عراق و رے
اُن جنگلوں میں بادیہ پیما تھا دین کا
گز بن گیا تھا راہ خدا کی زمین کا

دیتی تھی اُس کو طاقتِ رفتار جب جواب — جُھک جُھک کے دونوں پانوں سے کرتا تھا یہ خطاب
لازم ہے تم کو سعی کہ یہ ہے رہِ ثواب (۱۳۹) احسان میرے سر پہ تمھارا چلو شتاب
کیا کیا شرف تمھاری بدولت ملے نہیں
گنج گہر ہیں زیرِ قدم آبلے نہیں

کرتا تھا ہر قدم پہ دعا وہ بہ اشک و آہ — پہونچا دے مجھ کو منزلِ مقصد پہ یا آلہ
(۱۴۰)
سمجھاتے تھے اُسے جو مسافر میانِ راہ — اک دن مقام کر کہ ترا حال ہے تباہ
یاری نہ دیں قدم تو ٹھہرنا ضرور ہے
کہتا تھا رو کے وہ کہ نجف کتنی دور ہے

پہونچا جو کربلا میں تو دیکھا یہ اُس نے حال — تنہا کھڑا ہے ایک مسافر لہو میں لال
(۱۴۱)
فوجیں ستم کی گرد ہیں آمادۂ قتال — چلتے ہیں تیر کرتا ہے پانی کا جب سوال
ازبسکہ اہلِ درد تھا بیتاب ہو گیا
پانی کے مانگنے پہ جگر آب ہو گیا

تھم کر جو اُس نے غور سے لاشوں پہ کی نظر — دیکھا کوئی ہے شمس کوئی غیرتِ قمر
(۱۴۲)
بچہ پڑا ہے ایک ستارا سا خاک پر — کُرتہ بھی ہنسلیاں بھی شلوکہ بھی خوں میں تر
سُرخی لہو نے حلق کے سیب ذقن میں ہے،
باچھوں میں سب ہے دودھ انگوٹھا دہن میں ہے،

برپا ہے ایک سمت جو خیمہ فلک وقار — آتی ہے پیٹنے کی صدا اُس سے بار بار
(۱۴۳)
چلّا رہی ہے ڈیوڑھی پہ یوں کوئی غمگسار — صدقے میں تیرے اے مرے بابا کے یادگار
کانپا کلیجہ تھم کے سنا جب دوہائی کو
سمجھا کہ رو رہی ہے بہن اپنے بھائی کو پیارے

بولا وہ مَل کے ہاتھ کہ یہ ماجرا ہے کیا — لائے کہاں نصیب مجھے وا مصیبتا
(۱۴۴)
بیکس پہ یہ ستم یہ تعدی ہے یہ جفا — یارب ہوئی ہے اِس ترے بندے سے کیا خطا
نیزوں سے صدر تیغوں سے تن چور چور ہے
آئی ندائے غیب کہ یہ بے قصور ہے

(۱۴۵)
کہنے لگا لرز کے وہ ذیقدر و نیک نام — اللہ کس قدر ہے پُر آشوب یہ مقام
دریا خدا نے خلق کئے بہر فیض عام — مرتا ہے بے اجل یہ ستم کش یہ مُستہام
اُن سے بشر ڈرے جنھیں خوفِ خدا نہیں
جلدی نکل چلو یہ ٹھہرنے کی جا نہیں

(۱۴۶)
دو چار گام بڑھ کے یہ سوچا وہ نامور — مظلوم کی دعا میں ہے سب طرح کا اثر
واللہ برگزیدۂ حق ہے یہ خوش سیر — کرتے ہیں التماسِ دعا ہاتھ باندھ کر
تینوں میں اس کے پاس چلو جو خدا کرے
آساں ہوں مشکلیں جو یہ بیکس دعا کرے بندہ

(۱۴۷)
باتیں یہ کر کے دل سے بڑھا وہ اسیرِ غم — لاشوں کو دیکھ دیکھ کے روتا تھا دمبدم
ہاتف نے دی ندا کہ سمجھ کر اُٹھا قدم — رتبے میں یہ زمیں بھی نہیں کچھ نجف سے کم
آنکھیں ملک بچھاتے ہیں اِس ارضِ پاک پر
یہ سب ورق ہیں مصحفِ ناطق کے خاک پر

(۱۴۸)
آیا جو کانپتا ہوا وہ شاہِ دیں کے پاس — کی عرض السّلام علیک اے فلک اساس
مولا جواب دے کے یہ بولے بہ درد و یاس — آنا ہوا کدھر سے ترا اے خدا شناس
عرض اُس نے کی غلام شہِ ذوالفقار ہوں
بیکس ہوں بینوا ہوں غریب الدیار ہوں

(۱۴۹)
طے کی ہے سال بھر میں پہاڑوں کی میں نے راہ — بچے کہیں تباہ ہیں خادم کہیں تباہ
اب تک ہے دُور مجھ سے درِ ضیغمِ اِلٰہ — مال و متاع لے کے چلا تھا یہ پُر گناہ
غارت یہیں ہوئی ہے بضاعت غلام کی
لوٹا ہے راہ میں مجھے فوجوں نے شام کی

میں دو مہینے فوج ستم میں رہا اسیر — مولا علیؑ کے نام کے دشمن ہیں وہ شریر
ہتھیار لے کے آ نہیں سکتا ہے راہ گیر (۱۵۰) تب قید سے چھُٹا ہوں کہ جب ہوگیا فقیر
سر پر یہی کلاہ یہی اک لباس ہے
پر ہوں غنی کہ دولتِ دیں میرے پاس ہے

دو[۲] صاحبوں کے شوق میں چھوڑا ہے میں نے گھر — حسرت یہ ہی نصیب کرے یاوری اگر
پہلے تو ہوں نجف کی زیارت سے بہرہ ور (۱۵۱) منظور پھر وہاں سے مدینے کا ہے سفر
جاؤں گا دولتیں ہیں اگر سرنوشت میں
رستے میں موت آئی تو پہونچا بہشت میں

فرمایا آپ نے کہ مدینے میں کیا ہے کام — عرض اُس نے کی وہی تو ہے دنیا میں اک مقام
اُس سرزمیں پہ ہے مرا آقا مرا امام (۱۵۲) برسوں سے جسکے عشق میں روتا ہوں صبح و شام
حیدرؑ کے جان و دل ہیں شہ مشرقین ہیں
صدقے میں اُس جگہ کے وہیں تو حسینؑ ہیں

کیا دن سعید ہوگا میں اُس روز کے نثار — جس روز اُنکے گرد پھروں گا میں سات بار
چوموں گا دونوں ہاتھ بصد عجز و افتخار (۱۵۳) آنکھیں قدم پہ جھک کے مَلوں گا بہ انکسار ۶۱۰
دُنیا ہو اور فاطمہؑ کا نور عین ہو
دیکھوں اُنھیں صحیح و سلامت تو چین ہو

دشمن بہت امام کے ہیں اور دوست کم — اُمّت دغا کرے نہ کہیں مجھ کو ہے یہ غم
اب پنجتن میں ہے تو اُنھیں کا ہے ایک دم (۱۵۴) عزلت گزیں ہے قبر نبیؐ پر وہ ذی حشم
زندہ ہیں گر حسینؑ تو زندہ ہیں چار دم
یارب اُس ایک دم کو عطا کر ہزار دم

اِک میرا شاہزادہ ہے ہمشکلِ مصطفےٰ   شہرہ ہے جس کی شکل و شمائل کا جابجا
ماں کا مرادوں والا پسر ہے وہ مہ لقا (۱۵۵) سائے میں شہ کے اسکو سلامت رکھے خدا
اُس رشکِ گُل سے دورِ خزاں کی بَلا رہے
یارب چمن حسینؑ کا پھولا پھلا رہے

یہ سُن کے آپ آئے مسافر کے متصل   پھیلا کے دونوں ہاتھ کہا آ گلے تو مل
ہاں بھائی سچ ہے صدمۂ غربت ہے جاں گسل (۱۵۶) اِس دم بہل گیا ترے آنے سے میرا دل
طاقت کلام کی نہیں پاتا یہ ضعف ہے
چہرہ ترا نظر نہیں آتا یہ ضعف ہے

ہاں مُدتوں سے ہے یہی نیرنگ روزگار   ہر گل پہ ایک دن ہے خزاں ایک دن بہار
ہمدرد ہم بھی ہیں ترے اے یارِ غمگسار (۱۵۷) تیری طرح لٹے ہیں ہمیں چھوڑ کر دیار
شکرِ خدا مسافرِ راہِ ثواب ہیں
اب دیر کوچ میں نہیں پا در رکاب ہیں

کس سے کہیں کہ ہم پہ جو صدمہ گذر گیا   خالی ہوا عزیزوں سے گھر دشت بھر گیا
دُنیا سے دوپہر میں مرا گھر کا گھر گیا (۱۵۸) بیٹا جوان قتل ہوا بھائی مر گیا
بنتی نہیں جب آتی ہے قسمت بگاڑ پر
ٹکڑے ہو گر پڑے یہ مصیبت پہاڑ پر

میرا ہے اَب یہ حال کہ زخموں سے چور ہوں   جنگل میں مَوت آئی ہے بستی سے دُور ہوں
اِک خاکسار بندۂ ربِ غفور ہوں (۱۵۹) عالم ہے اُس کی ذات کہ میں بےقصور ہوں
کہنے میں بات آتی ہے یہ کچھ گلا نہیں
دن تیسرا ہے آج کہ پانی ملا نہیں

مولا سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ دل کباب   لے آؤں دوڑ کر مرے شہر میں ہو کچھ آب
کیجے زبانِ خشک کو تر بہرِ بو تراب (۱۶۰)   بولے ہلا کے سر کو شہ آسماں جناب

اب انتظار موت کا ہے کیا جیوں گا میں
سب پیاسے مر گئے ہیں جو پانی پیوں گا میں

درکار جو تجھے ہو وہ لے بہرِ کردگار   پیدل اگر ہے تو تو یہ حاضر ہے راہوار
ناقہ بھی لے ترا تو ہے آقا وہ نامدار (۱۶۱)   سائل کو جس نے روٹی کے اونٹوں کی دی قطار

حاضر ہے جان و مال کہ ہے میہمان تو
بھائی ہمارے گھر کو گھر اب اپنا جان تو

اسباب بھی ہے مال بھی ہے سیم و زر بھی ہے   موجود راحلہ بھی ہے زادِ سفر بھی ہے
مغفر بھی ہے زرہ بھی ہے تیغ و سپر بھی ہے (۱۶۲)   گر تیرے کام آئے تو حاضر یہ سر بھی ہے

بیکس ہوں گو کہ آج پہ عالی مقام ہوں
شرما نہ تو کہ میں بھی علیؑ کا غلام ہوں

آقا جو ہے ترا وہی آقا مرا بھی ہے   تیرا طبیب جو وہ مسیحا مرا بھی ہے
جو ہے ولی حق وہی مولا مرا بھی ہے (۱۶۳)   بھائی علیؑ کے حصّے میں حصّہ مرا بھی ہے

ہاں مال غیر کف میں تصرّف نہ چاہیے
آپس میں دوستوں کو تکلف نہ چاہیے

دیکھی جو یہ عنایتِ سلطانِ بحر و بر   رونے لگا وہ مردِ مسافر جھکا کے سر
دل سے کہا خدا کا ولی ہے یہ خوش سیر (۱۶۴)   اِس حال میں غریب نوازی ہے اِس قدر

دیکھی نہ باپ میں یہ محبت نہ بھائی میں
اب تک ہیں اس طرح کے بھی بندے خدائی میں

(١٦٥)

عرض اُسنے کی حضور سے بس ہے یہ التجا ۔ کیجے اُٹھا کے ہاتھ مرے حق میں یہ دعا
پہونچا دے مجھ کو قبر علی پر مرا خدا ۔ مولا نے آسماں کی طرف دیکھ کر کہا
جس کو نہیں زوال وہ دولت نصیب ہو
یارب اسے علیؑ کی زیارت نصیب ہو

(١٦٦)

تسلیم اُس نے کی تو یہ بولے شہ انام ۔ قبرِ علیؑ پہ جا کے یہ کہنا مرا پیام
آتے ہیں آپ دردِ و مصیبت میں سب کے کام ۔ میں بیکس و غریب بھی ہوں آپ کا غلام
تنہا ہوں دشمنوں میں خبر آکے لیجیے
ہنگام ذبح گود میں سر آکے لیجیے

(١٦٧)

سُن کر بیان شاہ رہی ضبط کی نہ تاب ۔ آنسو بہا کے سر کو جھکایا بصد حجاب
دل سے کہا کہ ہے لبِ بام اب آفتاب ۔ بیکس کے کام آؤ کہ اس میں بھی ہے ثواب
احساں کا یہ عوض ہے کہ احسان کیجیے
اب سر علیؑ کے نام پہ قربان کیجیے

(١٦٨)

حضرت سے عرض کی کہ نہ جائیگا اب غلام ۔ بس جی چکے بہت یہی مرنے کا ہے مقام
اب دیجیے رضا کہ بڑھوں کھینچ کر حسام ۔ وہ کام چاہیے کہ رہے تا بہ حشر نام
دیندار ہوں نہ ترک رفاقت کرونگا میں
اب مر کے شیرِ حق کی زیارت کرونگا میں

(١٦٩)

زوار جن کا ہوں ہیں اُنھیں کی مجھے قسم ۔ سر بھی کٹے گا اب تو نہ چھوڑونگا یہ قدم
جلوے دکھا رہا ہے مجھے گلشنِ ارم ۔ حوریں پکارتی ہیں کہ آ منتظر ہیں ہم
پردے اُٹھے ہوئے ہیں نظر دور جاتی ہے
گردوں سے مرحبا کی صدا مجھکو آتی ہے

گھبرا کے بولے شاہ کہ ہاں ہاں قسم نہ کھا   رستہ ہے یاں سے رات بسے کا نجف کو جا
بچنا مرا محال ہے گر جان دی تو کیا   (۱۷۰)   اے بھائی تو ہے صاحبِ دختر نہ لے رضا
دامن کو آنسوؤں سے بھگوتی ہے رات دن
بیٹی تری ترے لئے روتی ہے رات دن

رخصت کے وقت وہ جو بلکتی تھی دمبدم   وعدہ کیا تھا تو نے کہ آئیں گے جلد ہم
مرتی ہے انتظار میں وہ صاحبِ الم   (۱۷۱)   آلودہ اس الم میں ہوں میں بھی اسیرِ غم
ہجراں کشیدہ رنج و بلا و محن میں ہے
بیمار ایک میری بھی بیٹی وطن میں ہے

بیٹی کا ذکر سُن کے یہ بولا وہ خوش خصال   فرمائیے جناب سے کس نے کہا یہ حال
آگاہ اِس سے کوئی نہیں غیرِ ذوالجلال   (۱۷۲)   شاید ہے علم غیب میں بھی آپ کو کمال
ہر شے کا علم آپ کو اس بیکسی میں ہے
یہ تو صفت امامؑ میں ہے یا نبیؐ میں ہے

بتلائیے برائے خدا مجھ کو اپنا نام   فرمایا بے نوا وطن آوارہ تشنہ کام
بیکس عزیز مردہ اسیرِ سپاہِ شام   (۱۷۳)   عاجز بلا رسیدہ ستم دیدہ مستہام
درد و غم و الم مرے حصّے میں آئے ہیں
یہ سب خطاب میں نے یہاں آ کے پائے ہیں

قدموں پہ لوٹ کر یہ پکارا وہ دردناک   اظہار اسم اقدس و اعلیٰ میں کیا ہے باک
بتلائیے کہ غم سے مرا دل ہے چاک چاک   (۱۷۴)   چپ ہو گئے تڑپنے پہ اُس کے امام پاک
فرما سکے نہ یہ کہ شہِ مشرقین ہوں
مولا نے سر جھکا کے کہا میں حسینؑ ہوں

سر اپنا پیٹ کر وہ پکارا یہ شور و شین ہے ہے یہ کیا زباں سے کہا کون سا حسینؑ
آئی ندا فلک سے کہ زہرا کا نور عین (۱۷۵) بیٹا علیؑ کا سبطِ شہنشاہِ مشرقین
گھر فاطمہؑ کا لُٹ گیا سب اِس لڑائی میں
بس اِک یہی حسینؑ ہے ساری خدائی میں

کھینچی ہے تو نے جس کے لئے زحمتِ سفر اے بے خبر یہی ہے وہ سلطانِ بحر و بر
ویراں ہے یثرب و نجف اے مردِ خوش سیر (۱۷۶) شب سے یہیں نبیؐ و علیؑ ہیں برہنہ سر
زینبؑ ہے یہ جو ڈیوڑھی پہ جان اپنی کھوتی ہے
زہرا تو ساتویں سے اسی بَن میں روتی ہے

اُس بے وطن نے جب کہ مفصل سنا یہ حال غش کھا کے پائے شہ پہ گرا وہ نکو خصال
اُٹھا تڑپ کے جب تو پکارا بصد ملال (۱۷۷) یہ کیا قیامت آگئی اے فاطمہؑ کے لال
کیا تھی خبر کہ آپ اس آفت کے بن میں ہیں
میں تو یہ جانتا تھا کہ حضرت وطن میں ہیں

مدت سے تھی مجھے تو زیارت کی آرزو خوبی مرے نصیب کی یا شاہِ نیک خو
اب دیجیے رضا کہ جگر غم سے ہے لہو (۱۷۸) مر جاؤں لڑ کے فوج سے حضرت کے روبرو
للہ چشمِ پاک کو پُرنم نہ کیجیے
آپ اُس غلام زادی کا کچھ غم نہ کیجیے

شہزادیاں امام کی ہوتی ہیں بے پدر کچھ غم نہیں یتیم وہ لونڈی ہوئی اگر
میں کیا مکان کیا مرا یا شاہ بحر و بر (۱۷۹) جب بے سبب جہاں میں لٹے فاطمہؑ کا گھر
گیتی ہو آج درہم و برہم تو خوب ہے
اُلٹے تمام دفترِ عالم تو خوب ہے

روکا بہت مگر کہیں رُکتا تھا وہ دلیر　　تلوار لے کے فوج پہ جھپٹا مثالِ شیر
سیرِ جناں کے شوق میں تھا زندگی سے سیر (۱۸۰) ایسا لڑا کہ رن میں ہوئے زخمیوں کے ڈھیر
دَم بھر رہا تھا عشق شہِ مشرقین کے
نعرہ تھا دَمبدم کہ تصدق حسینؑ کے

لگتا تھا زخم جب تو وہ کہتا تھا یا علیؑ　　بدرُالدجےٰ حسینؑ ہیں شمس الضحےٰ علیؑ
مرشد علی امام علی رہنما علیؑ (۱۸۱) کشتی علیؑ جہاز علیؑ ناخدا علیؑ
عازم ہوں سیرِ گلشنِ دارالسّلام کا
دریائے غم سے پار ہے بیڑا غلام کا

اس بے وطن پہ ٹوٹ پڑی سب سپاہِ شام　　ریتی پہ ٹکڑے ہو کے گرا وہ فلک مقام
زخمی تھے خود پہ اُسکے سرہانے گئے امام (۱۸۲) گودی میں لے کے زانو پہ رکھا سرِ غلام
رو کر پکارتے تھے یہ اُس خوش نصیب کو
اے بھائی جان چھوڑ چلے اِس غریب کو

اے میری بیکسی کے مددگار الوداع　　اے تشنہ لب حسینؑ کے غمخوار الوداع
اے بے وطن کے یارِ وفادار الوداع (۱۸۳) اے شیرِ ذوالجلال کے زوّار الوداع
جو خوش نصیب ہیں یوں ہی جنت میں جاتے ہیں
گھبرائیو نہ ہم بھی ترے بعد آتے ہیں

فرما کے یہ حسینؑ تو روتے تھے زار زار　　ہنستا تھا دونوں آنکھوں کو کھولے وہ ذی وقار
پوچھا سبب خوشی کا تو بولا وہ دلفگار (۱۸۴) اے نورِ چشمِ احمدِؐ مرسل ترے نثار
جلوہ خدا کے نور کا ہے میرے سامنے
مشتاق جن کا تھا اُنھیں دیکھا غلام نے

بالائے سر کھڑے ہیں رسولِ فلک مقام — فرزند کہہ کے لیتے ہیں شفقت سے میرا نام
دستِ علیؑ میں چشمۂ کوثر کے دو ہیں جام (۱۸۵) فرماتے ہیں کہ پی اسے گر تو ہے تشنہ کام
ناجی ہے دوستدار مرے نورِ عین کا
حصّہ ترا یہ ہے تو یہ حصّہ حسینؑ کا

حقا کہ تھا ظفر کا وسیلہ سفر ترا — نامِ نکو قلم نے لکھا عرش پر ترا
اب جنت النعیم میں ہو گا گذر ترا (۱۸۶) ہمسایۂ رسولِ خدا میں ہے گھر ترا
حوریں ہیں باغِ خلد میں خدمت کے واسطے
آیا ہوں خود میں تیری زیارت کے واسطے

رونے لگا یہ شاہ سے کہہ کر وہ تشنہ لب — فرمایا شاہ نے کہ یہ رونے کا کیا سبب
کی عرض اُس نے اے خلفِ سیّد العرب (۱۸۷) تنہائی کا حضور کی صدمہ ہے دل پہ اب
رخصت جو تن سے روح کی ہے بیقرار ہوں
مہلت جو دے اجل تو پھر اُٹھ کر نثار ہوں

مجھ کو ہے غم حضور کا حضرت کو غم مرا — اب کوچ جلد ہے سوئے ملکِ عدم مرا
مُنھ ڈھانپ دیجیے شہ عالی ہمم مرا (۱۸۸) پڑھیے کوئی دعا کہ نکلتا ہے دم مرا
کیا وقت بیکسی ہے ہمارے حضور پر
کس سے کہوں کہ لاش کو والے حضور پر

یہ کہتے کہتے آہ وہ زوّار مر گیا — بیکس کا بے وطن کا مددگار مر گیا
شیدائے نامِ حیدرِ کرّار مر گیا (۱۸۹) شبّیر روتے رہ گئے غمخوار مر گیا
لاشے سے اُٹھ کے جا نہ سکے خیمہ گاہ میں
پھر گھر گئے حسینؑ عدو کی سپاہ میں

(۱۹۰)

مرثیہ

٦

(١)
نمکِ خوانِ تکلّم ہے فصاحت میری
ناطقے بند ہیں سُن سُن کے بلاغت میری
رنگ اُڑتے ہیں وہ رنگیں ہے عبارت میری
شور جس کا ہے وہ دریا ہے طبیعت میری
عمر گذری ہے اسی دشت کی سیّاحی میں
پانچویں پشت ہے شبیرؑ کی مدّاحی میں

(٢)
ایک قطرہ کو جو دوں بسط تو قلزم کر دوں
بحرِ موّاج فصاحت کا تلاطم کر دوں
ماہ کو مہر کروں ذرّوں کو انجم کر دوں
گنگ کو ماہرِ انداز تکلّم کر دوں
درد سر ہوتا ہے بے رنگ نہ فریاد کریں
بلبلیں مجھ سے گلستاں کا سبق یاد کریں

(٣)
اس ثنا خواں کے بزرگوں میں ہیں کیا کیا مدّاح
جدِّ اعلیٰ سا نہ ہوگا کوئی اعلیٰ مدّاح
باپ مدّاح کا مدّاح ہے دادا مدّاح
عم ذی قدر ثنا خوانوں میں یکتا مدّاح
جو عنایاتِ الٰہی سے ہوا نیک ہوا
نام بڑھتا گیا جب ایک کے بعد ایک ہوا

(٤)
طبع ہر ایک کی موزوں قدِ زیبا موزوں
صورتِ سرو ازل سے ہیں سراپا موزوں
نثر بے سجع نہیں نظم معلّیٰ موزوں
کہیں سکتہ نہیں آ سکتا کجا ناموزوں
تول لے عقل کی میزاں میں جو فہمیدہ ہو
بات جو منہ سے نکلتی ہے وہ سنجیدہ ہو

خلق میں مثلِ خلیق اور تھا خوشگو کوئی کب　　تام لے دُھولے زباں کوثر و تسنیم سے جب
بلبلِ گلشنِ زہرا و علی عاشقِ رب　(۵)　متبعِ مرثیہ گوئی میں ہوئے جسکے سب
ہو اگر ذہن میں جودت ہو کہ موزونی ہو
اِس احاطے سے جو باہر ہے وہ بیرونی ہو

بھائی خوش فکرت و خوش لہجہ و پاکیزہ خصال　　جن کا سینہ ہنر و علم سے ہے مالا مال
یہ فصاحت یہ بلاغت یہ سلاست یہ کمال　(۶)　معجزہ گر نہ اسے کہیے تو ہے سحرِ حلال
اپنے موقع پہ جسے دیکھئے لاثانی ہے
لطف حضرت کا یہ ہے رحمتِ یزدانی ہے

کیوں نہ ہو بندۂ موروثی مولا ہوں میں　　قلزمِ رحمتِ معبود کا قطرہ ہوں میں
جس میں لاکھوں دُر و مرجان ہیں وہ دریا ہوں میں　(۷)　مدح خوانِ پسرِ حضرتِ زہرا ہوں میں
وصف جوہر کا کروں یا صفتِ ذات کروں
اپنے رتبے پہ نہ کیوں آپ مباہات کروں

مُبتدی ہوں مجھے توقیر عطا کر یا رب　　شوق مداحیِ شبیر عطا کر یا رب
سنگ ہو موم وہ تقریر عطا کر یا رب　(۸)　نظم میں رونے کی تاثیر عطا کر یا رب
جدّ و آبا کے سوا اور کی تقلید نہ ہو
لفظ مغلق نہ ہوں گنجلک نہ ہو تعقید نہ ہو

وہ مرقع ہو کہ دیکھیں اسے گر اہلِ شعور　　ہر ورق میں کہیں سایہ نظر آئے کہیں نور
غل ہو یہ ہے کششِ موقلمِ طرّۂ حور　(۹)　ایک اک حرف میں ہو صنعتِ صانع کا ظہور
کوئی ناظر جو یہ نایاب نظیریں سمجھے
نقش ارژنگ کو کاواک لکیریں سمجھے

قلم فکر سے کھینچوں جو کسی بزم کا رنگ   شمع تصویر پہ گرنے لگیں آآ کے پتنگ
(۱۰)
صاف حیرت زدہ مانی ہو تو بہزاد ہو دنگ   خوں برستا نظر آئے جو دکھاؤں صفِ جنگ
رزم ایسی ہو کہ دل سب کے پھڑک جائیں ابھی
بجلیاں تیغوں کی آنکھوں میں چمک جائیں ابھی

روزمرّہ شرفا کا ہو سلاست ہو وہی   لب و لہجہ وہی سارا ہو متانت ہو وہی
(۱۱)
سامعیں جلد سمجھ لیں جسے صنعت ہو وہی   یعنی موقع ہو جہاں جس کا عبارت ہو وہی
لفظ بھی چُست ہوں مضمون بھی عالی ہوئے
مرثیہ درد کی باتوں سے نہ خالی ہوئے

ہے کجی عیب مگر حُسن ہے ابرو کے لیئے   سُرمہ زیبا ہے فقط نرگسِ جادو کے لیئے
(۱۲)
تیرگی بد ہے مگر نیک ہے گیسو کے لیئے   زیب ہے خال سیہ چہرۂ گلرو کے لئے
داند آں کس کہ فصاحت بہ کلامے دارد
ہر سخن موقع و ہر نکتہ مقامے دارد

بزم کا رنگ جدا رزم کا میداں ہی جُدا   یہ چمن اور ہے زخموں کا گلستاں ہی جُدا
(۱۳)
فہم کامل ہو تو ہر نامہ کا عنواں ہی جدا   مختصر پڑھ کے رُلا دینے کا ساماں ہی جُدا
دبدبہ بھی ہو مصائب بھی ہوں توصیف بھی ہو
دل بھی محظوظ ہوں رقّت بھی ہو تعریف بھی ہو

ماجرا صبح شہادت کا بیاں کرتا ہوں   رنج و اندوہ و مصیبت کا بیاں کرتا ہوں
(۱۴)
تشنہ کاموں کی عبادت کا بیاں کرتا ہوں   جاں نثاروں کی اطاعت کا بیاں کرتا ہوں
جن کا ہمتا نہیں ایک ایک مصاحب ایسا
ایسے بندے نہ کبھی ہونگے نہ صاحب ایسا

صبح صادق کا ہوا چرخ پہ جس وقت ظہور　　زمزمے کرنے لگے یادِ الٰہی میں طیور
مثلِ خورشید برآمد ہوئے خیمے سے حضور (۱۵) یک بیک پھیل گیا چار طرف دشت میں نور
شش جہت میں رخِ مولا سے ظہورِ حق تھا
صبح کا ذکر ہے کیا چاند کا چہرہ فق تھا

ٹھنڈی ٹھنڈی وہ ہوائیں وہ بیاباں وہ سحر　　دمبدم جھومتے تھے وجد کے عالم میں شجر
اوس نے فرشِ زمرد پہ بچھائے تھے گہر (۱۶) لوٹی جاتی تھی لہکتے ہوئے سبزے پہ نظر
دشت سے جھوم کے جب بادِ صبا آتی تھی
صاف غنچوں کے چٹکنے کی صدا آتی تھی

بلبلوں کی وہ صدائیں وہ گلوں کی خوشبو　　دل کو الجھاتے تھے سنبل کے وہ پرخم گیسو
قمریاں کہتی تھیں شمشاد پہ یا ہو یا ہو (۱۷) فاختہ کی یہ صدا سرو پہ تھی کو کو کو
وقت تسبیح کا تھا عشق کا دم بھرتے تھے
اپنے معبود کی سب حمد و ثنا کرتے تھے

آئے سجادۂ طاعت پہ امامِ دو جہاں　　اس طرف طبل بجایا ہوئی لشکر میں اذاں
وہ مصلے کہ زباں جن کی حدیث و قرآں (۱۸) وہ نمازی کہ جو ایماں کے تنِ پاک کی جاں
زاہد ایسے تھے کہ ممتاز تھے ابراروں میں
عابد ایسے تھے کہ سجدے کئے تلواروں میں

عرشِ اعظم کو ہلاتی تھیں دعائیں انکی　　وجد کرتے تھے ملک سن کے صدائیں انکی
وہ عمامے وہ قبائیں وہ عبائیں انکی (۱۹) حوریں لیتی تھیں بصد شوق بلائیں انکی
ذکرِ خالق میں لب ان کے جو ہلے جاتے تھے
غنچے فردوس کے شادی سے کھلے جاتے تھے

کیا جوانانِ خوش اطوار تھے سبحان اللہ   کیا رفیقانِ وفادار تھے سبحان اللہ
صفدر و غازی و جرّار تھے سبحان اللہ   (۲۰)   زاہد و عابد و ابرار تھے سبحان اللہ
زن و فرزند سے فرقت ہوئی مسکن چھوٹا
مگر احمدؐ کے نواسے کا نہ دامن چھوڑا

اللہ اللہ عجب فوج عجب غازی تھے   عجب اسوار تھے بے مثل عجب تازی تھے
لائقِ مدح و سزاوار سرافرازی تھے   (۲۱)   گو بہت کم تھے پہ آمادۂ جانبازی تھے
پیاس ایسی تھی کہ آ آ گئی جاں ہونٹوں پہ
صابر ایسے تھے کہ پھیری نہ زباں ہونٹوں پہ

زہد میں حضرتِ سلمانؓ کے برابر کوئی   دولتِ فقر و قناعت میں اباذر کوئی
صدقِ گفتار میں عمّار کا ہمسر کوئی   (۲۲)   حمزۂ عصر کوئی مالکِ اشتر کوئی
ہونگے ایسے ہی محمدؐ کے جو شیدا ہوں گے
پھر جہاد ایسا نہ ہوگا نہ وہ پیدا ہوں گے

گو مصیبت میں تلاطم میں تباہی میں رہے   سر کٹے پاؤں مگر راہ الٰہی میں رہے
یوں سرافراز وہ سب لشکرِ شاہی میں رہے   (۲۳)   جس طرح تیغ دودم دستِ سپاہی میں رہے
اس مصیبت میں نہ پایا کبھی شاکی ان کو
آبرو ساقیِ کوثر نے عطا کی اُن کو

وہ تخشع وہ تضرع وہ قیام اور وہ قعود   وہ تذلل وہ دعائیں وہ رکوع اور وہ سجود
یادِ حق دل میں تو سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ درود   (۲۴)   یہ دعا خالقِ اکبر سے کہ اے ربِّ ودود
یوں لٹیں ہم کہ نہ آل اور نہ اولاد رہے
مگر احمدؐ کے نواسے کا گھر آباد رہے

موم فولاد ہو آوازوں میں وہ سوز و گداز　　اپنے معبود سے سجدوں میں عجب راز و نیاز
سر تو سجادوں پہ تھے عرش معلّٰی پہ نماز　(۲۵)　شیر دل منتخب دہر وحید و ممتاز
چاند شرمندہ ہو چہرے متجلّی ایسے
نہ امام ایسا ہوا پھر نہ مصلّی ایسے

جب فریضہ کو ادا کر چکے وہ خوش کردار　　کس کے کمروں کو بصد شوق لگائے ہتھیار
جلوہ فرما ہوے گھوڑے پہ شہ عرش وقار　(۲۶)　علم فوج کو عباسؑ نے کھولا اک بار
دشت میں نکہت فردوس بریں آنے لگی
عرش تک اسکے پھریرے کی ہوا جانے لگی　　سر طوبیٰ پہ

لہر وہ سبز پھریرے کی وہ پنجے کی چمک　　شرم سے ابر میں چھپ جاتا تھا خورشید فلک
کہتے تھے صلِّ علیٰ عرش پہ اٹھ اٹھ کے ملک　(۲۷)　دنگ تھے سب وہ سماں تھا سماں تا بہ سمک
چرخ　　کبھی پستی اسے جو اوج ہما نے دیکھا
وہ سماں پھر نہ کبھی ارض و سما نے دیکھا

اس طرح جب علم دلبر زہرا جائے　　کس سے پھر معرکۂ رزم میں ٹھہرا جائے
سانپ دشمن کی نہ کیوں چھاتی پہ لہرا جائے　(۲۸)　لہر میں تا بہ فلک جس کا پھریرا جائے
رفع شر کو علم خیر بشر آیا تھا
سورۂ نصر پئے فتح و ظفر آیا تھا

وہ علم دار کہ جو شیر الٰہی کا خلف　　گوہر بحر وفا نیّر دیں دُرِّ نجف
فخر حمزہ سے نمودار کا جعفر کا شرف　(۲۹)　کس طرح چاند کہوں چاند میں ہے عیب کلف
کس نے پایا وہ جو تھا جاہ و حشم انکے لیئے
یہ علم کے لئے تھے اور علم ان کے لئے

(۳۰)

سرو شرمائے قد اس طرح کا قامت ایسی　　اسد اللہ کی تصویر تھے صورت ایسی
شیر نعروں سے دہل جاتے تھے صَولت ایسی　　جا کے پانی نہ پیا نہر میں ہمّت ایسی
جان جب تک تھی اطاعت میں رہے بھائی کی
تھے علمدار مگر بچّوں کی سقّائی کی

(۳۱)

وہ بہشتی نے کیا جس کو وفا کہتے ہیں　　سب اُنھیں عاشقِ شاہِ شہدا کہتے ہیں
اُن کو قبلہ تو انھیں قبلہ نما کہتے ہیں　　جو بہادر ہیں وہ شمشیرِ خدا کہتے ہیں
عشقِ سردار و علمدار کا افسانہ ہے
وہ چراغِ رہِ دیں ہے تو یہ پروانہ ہے

(۳۲)

اک طرف اکبرِ مہرو سا جوانِ نایاب　　کچھ جو بچپن تھا تو کچھ آمدِ ایامِ شباب
روشنی چہرے پہ ایسی کہ خجل ہو مہتاب　　آنکھیں ایسی کہ رہا نرگسِ شہلا کو حجاب
جس نے اُن گیسوؤں میں رخ کی ضیا کو دیکھا
شبِ معراج میں محبوبِ خدا کو دیکھا

(۳۳)

اے خوشا حُسنِ رخِ یوسفِ کنعانِ حَسَنؑ　　راحتِ روحِ حسینؑ ابنِ علیؑ جانِ حَسَنؑ
جسم میں زورِ علیؑ طبع میں احسانِ حَسَنؑ　　ہمہ تن خُلقِ حَسَنؑ حُسنِ حَسَنؑ شانِ حَسَنؑ
تن پہ کرتی تھی نزاکت سے گرانی پوشاک
کیا بھلی لگتی تھی بچپن میں شہانی پوشاک

(۳۴)

اللہ اللہ اسدِ حق کے نواسوں کا جلال　　چاند سے چہروں پہ بل کھائے ہوئے زلفوں کے بال
تیغچے کاندھوں پہ رکھے ہوئے مانندِ ہلال　　گرچہ بچپن تھا پہ رستم کو سمجھتے تھے وہ زال
صف سے گھوڑوں کو بڑھا کر جو پلٹ جاتے تھے
مورچے لشکرِ کفار کے ہٹ جاتے تھے

آستینوں کو چڑھائے ہوئے آمادۂ جنگ   وہی سارا اسداللہ کا نقشہ وہی ڈھنگ
(۳۵)
سرخ چہرے تھے کہ شیروں کا یہی ہوتا ہے رنگ   ولولہ صف کے الٹنے کا لڑائی کی امنگ
جسم پر تیر چلیں نیزۂ خونخوار چلے
شوق اس کا تھا کہ جلدی کہیں تلوار چلے

یک بیک طبل بجا فوج میں گرجے بادل   کوہ تھرائے زمیں ہل گئی گونجا جنگل
(۳۶)
پھول ڈھالوں کے چمکنے لگے تلواروں کے پھل   مرنے والوں کو نظر آنے لگی شکل اجل
واں کے چاؤش بڑھانے لگے دل لشکر کا
فوج اسلام میں نعرہ ہوا یا حیدر کا

شور میدانیوں میں تھا کہ دلیرو نکلو   نیزہ بازی کرو رہواروں کو پھیرو نکلو
(۳۷)
نہر قابو میں ہے اب پیاسوں کو گھیرو نکلو   غازیو صف سے بڑھو غول سے شیرو نکلو
رستمو دادِ وغا دو کہ یہ دن داد کا ہے
سامنا حیدرِ کرار کی اولاد کا ہے

شور سادات میں تھا یا شہِ مرداں مددے   کعبۂ دیں مددے قبلۂ ایماں مددے
(۳۸)
قوتِ بازوے پیغمبرِ ذی شاں مددے   دمِ تائید ہے اے فخرِ سلیماں مددے
تیسرا فاقہ ہے طاقت میں کمی ہے مولا
طلبِ قوتِ ثابت قدمی ہے مولا

پیاس میں حرف نہ شکوے کا زباں پر لائیں   دمبدم سینوں پہ فاقوں میں سنانیں کھائیں
(۳۹)
دل نہ تڑپے جو دمِ نزع نہ پانی پائیں   تیرے فرزند کی تائید کریں مرجائیں
لاشیں مقتل میں ہوں لاشِ شہِ دلگیر کے ساتھ
سر ہوں نیزوں پہ سرِ حضرتِ شبیر کے ساتھ

سامنے بڑھ کے یکایک صفِ کفار آئی — جھوم کر تیرہ گھٹا تاروں پہ اک بار آئی (۴۰)
روزِ روشن کے چھپانے کو شبِ تار آئی — تشنہ کاموں کی طرف تیروں کی بوچھار آئی

ہنس کے مُنھ بھائی کا شاہِ شہدا نے دیکھا
اپنے آقا کو بہ حسرت رفقا نے دیکھا

عرض عباسؑ نے کی جوش ہے جراروں کو — تیر سب کھاتے ہیں توڑے ہوئے تلواروں کو (۴۱)
میہمانوں کا نہیں پاس ستمگاروں کو — مصلحت ہو تو رضا دیجیے غمخواروں کو

روسیاہوں کو ہٹا دیں کہ بڑھے آتے ہیں
ہم جو خاموش ہیں وہ منھ پہ چڑھے آتے ہیں

شہ نے فرمایا مجھے خود ہے شہادت منظور — نہ لڑائی کی ہوس ہے نہ شجاعت کا غرور (۴۲)
جنگ منظور نہ تھی ان سے پر اب ہوں مجبور — خیر لڑ لو کہ ستاتے ہیں یہ بے جرم و قصور

ذبح کرنے کے لیئے لشکرِ ناری آئے
کہیں جلدی مرے سر دینے کی باری آئے

حکم پانا تھا کہ شیروں نے اُڑائے تازی — مثلِ شہباز گیا ایک کے بعد اک غازی (۴۳)
واہ ری حرب خوشا ضرب زہے جاں بازی — اُڑ گئے ہاتھ بڑھا جو پئے دست اندازی

تن و سر لوٹتے ریتی پہ نظر آتے تھے
ایک حملے میں قدم فوج کے اُٹھ جاتے تھے

جس پہ غصہ میں گئے صید پہ شہباز گرا — یہ کماں کٹ کے گری وہ قدر انداز گرا (۴۴)
جب گرا خاک پہ گھوڑے سے تو ممتاز گرا — نہ اُٹھا پھر کبھی جو تفرقہ پرداز گرا

ہاتھ مُنھ کٹ گئے سر اُڑ گئے جی چھوٹ گئے
مورچے ہو گئے پامال پرے ٹوٹ گئے

بعد غیروں کے عزیزوں نے کیا عزم نبرد   سر کو نہوڑا کے بھرا سبطِ نبیؐ نے دمِ سرد
(۴۵) ہوک اُٹھتی تھی کبھی سینے میں دل میں کبھی درد   سُرخ ہوتا تھا کبھی چاندسا چہرہ کبھی زرد
کوئی گلرو تو کوئی سروِ سہی بالا تھا
وہ بچھڑنے لگے گودی میں جنھیں پالا تھا

زلفوں والا تھا کوئی کوئی مُرادوں والا   کوئی بھائی کا پسر کوئی بہن کا پالا
(۴۶) چاند سا مُنھ جو کسی کا تھا تو گیسو ہالا   کوئی قامت میں بہت کم کوئی قد میں بالا
نوجواں کون سا خوش رو و خوش انداز نہ تھا
کتنے ایسے تھے کہ سبزہ ابھی آغاز نہ تھا

ہاتھ وہ بچوں کے اور چھوٹی سی وہ تلواریں   موم کر دیتی تھیں فولاد کو جن کی دھاریں
(۴۷) آب ہو شیر کا زہرہ وہ اگر للکاریں   بجلیاں کوندرہی ہیں کسے نیزیں ماریں
کس بشاشت سے ہزاروں پہ دلیر آتے ہیں
بچے آتے ہیں کہ بھپرے ہوے شیر آتے ہیں

یہی ہنگامہ رہا صبح سے تا وقتِ زوال   لاش پر لاش گری بھر گیا میدانِ قتال
(۴۸) مورچے سب تہ و بالا تھے پرے سب پامال   سرخ رو خلق سے اُٹھے اسداللہ کے لال
کھیت ایسے بھی کسی جنگ میں کم پڑتے ہیں
جو لڑا سب یہی سمجھے کہ علیؑ لڑتے ہیں

قاسمؑ و اکبرؑ و عباسؑ کا اللہ رے جہاد   غل ہر اک ضرب پہ تھا اب ہوئی دنیا برباد
(۴۹) الاماں کا تھا کہیں شور کہیں تھی فریاد   دے گئے خلق میں مردانگیِ حرب کی داد
گو وہ دنیا میں نہیں عرش مقام اُنکا ہے
آج تک عالمِ ایجاد میں نام اُن کا ہے

دوپہر میں وہ چمن بادِ خزاں نے لوٹا — پتّا پتّا ہوا تاراج تو بوٹا بوٹا
باپ بیٹے سے چھٹا بھائی سے بھائی چھوٹا (٥٠) ابنِ زہرا کی کمر جھک گئی بازو ٹوٹا
پھر نہ یاور نہ وہ جانباز نہ وہ شیدا تھے
ظہر کے وقت حسینؑ ابنِ علی تنہا تھے

ساتھ جو جو کہ بہادر تھے وطن سے آئے — سامنے سوتے تھے ریتی پہ سنانیں کھائے
دھوپ میں پیاس سے مثلِ گلِ تر مرجھائے (٥١) مر گئے پر نہ غریبوں نے کفن تک پائے
دھوپ پڑتی تھی یہ دن چرخ نے دکھلایا تھا
نہ تو چادر تھی کسی لاش پہ نہ سایا تھا

صاحبِ فوج پہ طاری تھا عجب رنج و ملال — زرد تھا رنگ تو آنکھیں تھیں لہو رونے سے لال
کبھی بھائی کا الم تھا کبھی بیٹے کا خیال (٥٢) کبھی دھڑکا تھا کہ لاشیں نہ کہیں ہوں پامال
کبھی بڑھتے تھے وغا کو کبھی رک جاتے تھے
سیدھے ہوتے تھے کبھی اور کبھی جھک جاتے تھے

بڑھ کے چلّاتے تھے بیدرد کہ اب آپ آئیں — جوہرِ تیغِ شہنشاہِ نجف دکھلائیں
مرنے والے نہیں جیتے جو سنانیں کھائیں (٥٣) کاٹ لیں آپ کا سر تن سے تو فرصت پائیں
پسرِ سعد سے وعدہ ہے صلہ لینے کا
حکم ہے خیمۂ اقدس کے جلا دینے کا

شہ نے فرمایا کہ سر کاٹ لو حاضر ہوں میں — نہ تو لڑنے میں نہ مرجانے میں قاصر ہوں میں
فوج بھی اب نہیں بے یار و ناصر ہوں میں (٥٤) شہر و صحرا بھی تمھارا ہے مسافر ہوں میں
لوٹ لو پھونک دو تاراج کرو بہتر ہے
کلمہ گویو یہ تمھارے ہی نبیؐ کا گھر ہے

کئی سیدانیاں خیمے میں ہیں پردے والی — جن کا رتبہ ہے زمانے میں ہر اک پر عالی
اب وارث ہے کوئی سر پہ نہ کوئی والی — ان کو دیکھو کوئی رہ جائے جو خیمہ خالی (۵۵)
یہ نبی زادیاں بے پردہ نہ ہوئیں جس میں
ایک گوشہ ہو کہ سب بیٹھ کے روئیں جس میں

شہ کی ان باتوں کا اعدا نے دیا جو کہ جواب — گر لکھوں اسکو تو ہو جائے جگر سنگ کا آب
قلب تھرّا گیا ہر گز نہ رہی ضبط کی تاب — دیکھ کر رہ گئے گردوں کو شہ عرش جناب (۵۶)
اشک خالی اُسے کرتے ہیں جو دل بھر آئے
آپ رونے کے لیے خیمے کے در پر آئے

تھم کے چلّائے کہ اے زینب و اُمِّ کلثوم — تم سے رخصت کو پھر آیا ہے حسینِ مظلوم
اب مرے قتل کے درپے ہے یہ سب لشکرِ شوم — ہاں جگا دو اُسے غش ہو جو سکینہ معصوم (۵۷)
نہیں ملتا جو زمانے سے گذر جاتا ہے
کہدو عابدؔ سے کہ مرنے کو پدر جاتا ہے

یہ صدا سُن کے حرم خیمے سے مضطر دوڑے — شہ کی آواز پہ سب بیکس و بے پردہ دوڑے
گر پڑیں سر سے ردائیں تو کھلے سر دوڑے — بچے روتے ہوئے ماؤں کے برابر دوڑے (۵۸)
رو کے چلّائی سکینہ شہ والا آؤ
میں تمھیں ڈھونڈھتی تھی دیر سے بابا آؤ

آؤ اچھے مرے بابا میں تمھارے واری — دیکھو تم بن ہیں گلے تک مرے آنسو جاری
آج یہ کیا ہے کہ بھولے مری خاطر داری — ہاتھ پھیلا کے کہو آ مری بیٹی پیاری (۵۹)
منھ چھپانے کی ہے کیا وجہ نہ شرماؤ تم
اب میں پانی بھی نہ مانگوں گی چلے آؤ تم

دیکھ کر پردے سے یہ کہنے لگی زینبِ زار   ابن زہرا تری مظلومی کے ہمشیر نثار
آؤ چادر سے کروں پاک میں چہرے کا غبار (٦٠) شہ نے فرمایا بہن مرگئے سب مونس و یار
تم نے پالا تھا جسے ہم اُسے رو آئے ہیں
علی اکبر سے جگر بند کو کھو آئے ہیں

منہ دکھائیں کسے سب سے ہے ندامت زینب   گھر میں آنے کی نہیں بھائی کو فرصت زینب
کھینچ لائی ہے سکینہ کی محبت زینب (٦١) بھائی جاتا ہے دکھا دو ہمیں صورت زینب
نہ تو سر کھولو نہ منہ پیٹو نہ فریاد کرو
بھول جاؤ ہمیں اللہ کو اب یاد کرو

صبر سے خوش ہے خدا اے مری غمخوار بہن   سہل ہو جاتا ہے جو امر ہو دشوار بہن
اپنی ماں کا ہے طریقہ تمھیں درکار بہن (٦٢) پھر میں کہتا ہوں سکینہ سے خبردار بہن
ناز پرورہ ہے مرے بعد الم اس پہ نہ ہو
بُندے کانوں سے اتارو کہ ستم اس پہ نہ ہو

کہیو عابدؑ سے یہ پیغام مرا بعد سلام   غش سے تھے تم پھر گئے دروازے تلک آ کے امام
قید میں پھنس کے نہ گھبرائیو اے گل اندام (٦٣) کاٹیو صبر و رضا سے سفرِ کوفہ و شام
ناؤ منجدھار میں ہے شور و تلاطم جانو
ناخدا جاتا ہے گھر جانے اب اور تم جانو

کہہ کے یہ باگ پھرائی طرفِ لشکرِ شام   پڑ گیا خیمۂ ناموسِ نبیؐ میں کہرام
رن میں گھوڑے کو اڑاتے ہوئے آئے جو امام (٦٤) رعب سے فوج کے دل ہل گئے کانپے اندام
سر جھکے اُن کے جو کامل تھے زباں دانی میں
اُڑ گئے ہوش فصیحوں کے رجز خوانی میں

تھا یہ نعرہ کہ محمدؐ کا نواسا ہوں میں — مجھ کو پہچانو کہ خالق کا شناسا ہوں میں
زخمی ہونے سے نہ مرتے سے ہراسا ہوں میں (۶۵) تیسرا دن ہو یہ گرمی میں کہ پیاسا ہوں میں
چین کیا چیز ہے آرام کسے کہتے ہیں
اس پہ شکوہ نہیں کچھ صبر اسے کہتے ہیں

اُس کا پیارا ہوں جو ہے ساقی حوضِ کوثر — اُس کا بیٹا ہوں جو ہے فاتحِ بابِ خیبر
اُس کا فرزند ہوں کی جس نے مہم بدر کی سر (۶۶) اُس کا دلبر ہوں میں دی جسکو نبیؐ نے دختر
صاحبِ تخت ہوئے تیغ ملی تاج ملا
دوشِ احمدؐ پہ انھیں رتبۂ معراج ملا

وہ علیؑ حق نے جسے عرش سے بھیجی شمشیر — وہ علیؑ جس کا دو عالم میں نہیں کوئی نظیر
وہ علیؑ جو ہوا احمدؐ کا وصی روزِ غدیر (۶۷) وہ علیؑ جس کی رسولوں سے فزوں ہے توقیر
وہ علیؑ سب سے زیادہ ہے عبادت جسکی
وہ علیؑ گھر میں خدا کے ہے ولادت جسکی

بے وطن ہوں نہ مسافر کو ستاؤ للّٰہ — قتل کیوں کرتے ہو تم کون سا میرا ہے گناہ
اب نہ یاور ہے کوئی ساتھ نہ لشکر نہ سپاہ (۶۸) تم کو لازم ہے غریبوں پہ ترحم کی نگاہ
ہاتھ آئے گا نہ انعام نہ زر پاؤ گے
یاد رکھو مرا سر کاٹ کے پچھتاؤ گے

نہ ابھی ختم ہوئی تھی یہ مسلسل تقریر — حجت اللہ کے فرزند پہ چلنے لگے تیر
چوم کر تیغ کے قبضہ کو پکارے شبیر (۶۹) لو خبردار چمکتی ہے علیؑ کی شمشیر
پسرِ فاتحِ صفین و حنین آتا ہے
لو صفیں باندھ کے روکو تو حسینؑ آتا ہے

لو کھنچی تیغ دو سر فوج پہ آفت آئی   لو ہلا قائمۂ عرش قیامت آئی
فتح تسلیم کو آداب کو نصرت آئی   (۷۰)   فخر سے غاشیہ برداری کو شوکت آئی
چوم لوں پاؤں جلال اس تگ و دو میں آیا
ہاتھ جوڑے ہوئے اقبال جلو میں آیا

آپ سیدھے جو ہوئے رخش نے بدلے تیور   دونوں آنکھیں اُبل آئیں کہ ڈرے باغی شر
تھوتھنی مل گئی سینے سے کیا دُم کو چنور   (۷۱)   مثل طاؤس اُڑا گاہ ادھر گاہ اُدھر
دم بدم گرد نسیم سحری پھرتی تھی
جھوم کر پھرتا تھا گھوڑا کہ پری پھرتی تھی

ابر ڈھالوں کا اُٹھا تیغ دو پیکر چمکی   برق چھپتی ہے یہ چمکی تو برابر چمکی
سوئے پستی کبھی کوندی کبھی سر پر چمکی   (۷۲)   کبھی انبوہ کے اندر کبھی باہر چمکی
جس طرف آئی وہ ناگن اُسے ڈستے دیکھا
مینہ سروں کا صفِ دشمن پہ برستے دیکھا

دھار ایسی کہ رواں ہوتا ہو دھارا جیسے   گھاٹ وہ گھاٹ کہ دریا کا کنارا جیسے
چمک ایسی کہ حسینوں کا اشارا جیسے   (۷۳)   روشنی وہ کہ گرے ٹوٹ کے تارا جیسے
کوندنا برق کا شمشیر کی ضو میں دیکھا
کبھی ایسا نہیں دم خم مہ نو میں دیکھا

اک اشارے میں برابر کوئی دو تھا کوئی چار   نہ پیادہ کوئی بچتا تھا سلامت نہ سوار
برق گرتی تھی کہ چلتی تھی صفوں پر تلوار   (۷۴)   غضب اللہ علیہم کے عیاں تھے آثار
موت ہر غول کو برباد کئے جاتی تھی
آگ گھیرے ہوئے دوزخ میں لئے جاتی تھی

(۷۵)
تیغیں آری ہوئیں ڈھالوں کے اُڑے پرکالے   بند سب بھول گئے خوف سے نیزوں والے
جو بڑھا ہاتھ سپر دست قلم کر ڈالے   تیغ کہتی تھی یہ سب ہیں مرے دیکھے بھالے
صف پہ صف باندھ کے نیزوں کو عبث تولے ہیں
ایسے عقدے مرے ناخن نے بہت کھولے ہیں

(۷۶)
جب کبھی جائزہ فوج ستم لیتی ہوں   موت سے رحم نہ کرنے کی قسم لیتی ہوں
دو زبانوں سے سدا کار قلم لیتی ہوں   پھر سب کٹ چکتے ہیں لشکر کے تو دم لیتی ہوں
ہر طرف ہو کے عدم کے سفری ہوتے ہیں
طبلقیں کٹتی ہیں چہرے نظری ہوتے ہیں

(۷۷)
وہ برش وہ چمک اسکی وہ صفائی اُس کی   کسی تلوار نے تیزی نہیں پائی اُس کی
اس کا بازو جو اُڑایا تو کلائی اُس کی   مل گئی جس کے گلے سے اجل آئی اُس کی
صورت مرگ کسی نے بھی نہ آتے دیکھا
سر پہ چمکی تو کمر سے اُسے جاتے دیکھا

(۷۸)
کبھی ڈھالوں پہ گری اور کبھی تلواروں پہ   پیدلوں پر کبھی آئی کبھی اسواروں پہ
کبھی ترکش پہ رکھا منھ کبھی سوفاروں پہ   کبھی سر کاٹ کے آ پہونچی کمانداروں پہ
گر کے اس غول سے اُٹھی تو اس انبوہ میں تھی
کبھی دریا میں کبھی بر میں کبھی کوہ میں تھی

(۷۹)
کبھی چہرہ کبھی شانہ کبھی پیکر کاٹا   کبھی در آئی گلے میں تو کبھی سر کاٹا
کبھی مغفر کبھی جوشن کبھی بکتر کاٹا   طول میں راکب و مرکب کو برابر کاٹا
بُرِش تیغ کا غل قاف سے تا قاف رہا
پی گئی خون ہزاروں کا پہ مُنھ صاف رہا

نہ رُکی خود پہ وہ اور نہ سر پر ٹھہری — نہ کسی تیغ پہ دَم بھر نہ سپر پر ٹھہری
(۸۰) نہ جبیں پر نہ گلے پر نہ جگر پر ٹھہری — کاٹ کر زیں کو نہ گھوڑے کی کمر پر ٹھہری
جان گھبرا کے تنِ دشمنِ دیں سے نکلی
ہاتھ بھر ڈوب کے تلوار زمیں سے نکلی

کٹ گئی تیغ تلے جب صفِ دشمن آئی — یک بیک فصلِ فراقِ سر و گردن آئی
(۸۱) بگڑی اس طرح لڑائی کہ نہ کچھ بن آئی — تیغ کیا آئی کہ اُڑتی ہوئی ناگن آئی
غل تھا بھاگو کہ یہ ہنگام ٹھہرنے کا نہیں
زہر اس کا جو چڑھے گا تو اُترنے کا نہیں

وہ چمک اُس کی سروں کا وہ برسنا ہر سو — گھاٹ سے تیغ کے اک حشر بپا تھا لبِ جو
(۸۲) آب میں صورتِ آتش تھی جلا دینے کی خو — اور دَم بڑھتا تھا پیتی تھی جو اعدا کا لہو
کبھی جوشن تو کبھی صدر کشادہ کاٹا
جب چلی ضربت سابق سے زیادہ کاٹا

تنِ تنہا شہِ دیں لاکھوں سواروں سے لڑے — بے سپر برچھیوں والوں کی قطاروں سے لڑے
(۸۳) صورتِ شیرِ خدا ظلم شعاروں سے لڑے — دو سے اک لڑ نہیں سکتا یہ ہزاروں سے لڑے
گر ہو غالب تو ہزاروں پہ وہی غالب ہو
جو دل و جانِ علیؑ ابن ابی طالب ہو

تیسرے فاقے میں یہ جنگ یہ حملے یہ جدال — پیاس وہ پیاس کہ نیلم تھے سراسر لبِ لعل
(۸۴) دُھوپ وہ دھوپ کہ سوکھے ہوئے تھے تازہ نہال — لُو وہ لُو جس کی حرارت سے پگھلتے تھے جبال
سنگریزوں میں تب و تاب تھی انگاروں کی
سر پہ یا دھوپ تھی یا چھاؤں تھی تلواروں کی

شیر سے تھے کبھی جنگل میں ترائی میں کبھی　(۸۵)　ڈھال کو چہرے پہ روکا نہ لڑائی میں کبھی
تیغ حیدرؑ نے کمی کی نہ صفائی میں کبھی　　فرق آیا نہ سر و تن کی جدائی میں کبھی
کسی ابرو کا بھی ایسا نہ اشارہ دیکھا
جس پہ اک بار چلی اس کو دوبارہ دیکھا

آنکھ وہ آنکھ کہ شیروں کی جلالت جس میں　　رخش وہ رخش کہ سب ق کی سرعت جس میں
تیغ وہ تیغ عیاں موت کی صورت جس میں　(۸۶)　ہاتھ وہ ہاتھ یداللہ کی طاقت جس میں
روک لے وار جگر کیا کسی بے پیر کا ہے
زور وہ جس میں اثر فاطمہؑ کے شیر کا ہے

جنگ میں پیاس کا صدمہ شہ دیں سے پوچھو　　تن تنہائی و غا لشکر کیں سے پوچھو
زلزلہ دشت پر آفت کا زمیں سے پوچھو　(۸۷)　ضرب شمشیر دو سر روح امیں سے پوچھو
باپ اُس فوج میں تنہا پسر اس لشکر میں
کربلا میں یہ تلاطم ہوا یا خیبر میں

اسداللہ کے صدقے شہ والا کے نثار　　وہی حملے تھے وہی زور وہی تھی تلوار
فتح حیدرؑ نے کیا جنگ میں خیبر کا حصار　(۸۸)　مورچے فوج کے حضرت نے بھی توڑے کئی با
کیوں نہ ہو احمدؐ مرسل کے نواسے تھے حسینؑ
فرق اتنا تھا کہ دو روز کے پیاسے تھے حسینؑ

ہر طرف فوج میں غل تھا کہ دہائی مولا　　ہم نے دیکھی ترے ہاتھوں کی صفائی مولا
الاماں خوب سزا جنگ کی پائی مولا　(۸۹)　آپ کرتے ہیں بُروں سے بھی بھلائی مولا
ہاتھ ہم باندھتے ہیں پھینک کے شمشیروں کو
بخشیے اُمتِ نا اہل کی تقصیروں کو

آئی ہاتف کی یہ آواز کہ اے عرش مقام یہ وغا تیسرے فاقے میں بشر کا نہیں کام
اے محمدؐ کے جگر بند امام ابن امام (۹۰) لوح محفوظ پہ مرقوم ہے صابر ترا نام
اب نہیں حکم لعینوں سے وغا کرنے کا
ہاں یہی وقت ہے وعدے کے وفا کرنے کا

آج ہے آٹھوں بہشتوں کی نئی تیاری نخل سرسبز ہیں فردوس میں نہریں جاری
شب سے حوریں ہیں مکلّل بجواہر ساری (۹۱) خانۂ دوست میں ہے دوست کی مہمانداری
پیشوائی کو رسول الثقلینؐ آتے ہیں
عرش تک شور یہی ہے کہ حسینؑ آتے ہیں

تھم گئے سن کے یہ آوازِ شہِ جن و بشر روک کر تیغ کو فرمایا کہ حاضر ہے یہ سر
عید ہو جلد اگر ذبح کریں بانیِ شر (۹۲) شمر اظلم ہے کدھر کھینچ کے آئے خنجر
ہے وہ عاشق جو فدا ہونے کو موجود رہے
بس مری فتح یہی ہے کہ وہ خوشنود رہے

کہہ کے یہ میان میں مولا نے رکھی تیغ دودم ہاتھ اٹھا کر یہ اشارہ کیا گھوڑے سے کہ تھم
رہ گیا سر کو ہلا کر فرسِ تیز قدم (۹۳) چار جانب سے مسافر پہ جھکے اہلِ ستم
نیزے یوں گرد تھے جیسے گلِ تر خاروں میں
گھر گئے سبطِ نبیؐ ظلم کی تلواروں میں

پہلے تیروں سے کمانداروں نے چھانی چھاتی نیزے پہلو پہ لگاتے تھے ستم کے بانی
سر پہ تلواریں چلیں زخمی ہوئی پیشانی (۹۴) خوں سے تر ہو گیا حضرت کا رخِ نورانی
جسم سب چور تھا پرزے تھے زرہ جامہ کے
پیچ کٹ کٹ کے کھلے جاتے تھے عمامہ کے

برچھیاں مارتے تھے گھاٹ پہ جو تھے پہرے — کس طرف جائے کہاں تیغوں میں بیکس ٹھہرے (۹۵)
اک ہزار اور کئی سو زخم تھے تن پر گہرے — دیکھنے والوں کے ہو جاتے تھے پانی زہرے
خوں میں ڈوبا ہوا وہ مصحفِ رخ سارا تھا
جزو ہر اک تنِ شبیر کا سی پارہ تھا

ہاتھ سے باگ جدا تھی تو رکابوں سے قدم — غش میں سیدھے کبھی ہوتے تھے فرس پر کبھی خم
بہتے تھے پہلوؤں سے خوں کے دڑیڑے باہم (۹۶) — کوئی بیکس کا مددگار نہ تھا ہائے ستم
مارے تلواروں کے مہلت نہ تھی دم لینے کی
کوششیں ہوتی تھیں کعبہ کے گرا دینے کی

دشت سے آتی تھی زہراؑ کی صدا ہائے حسینؑ — میرے بیکس مرے بے بس مرے دکھ پائے حسینؑ
در سے چلاتی تھی زینب مرے ماں جائے حسینؑ (۹۷) — کون تیغوں سے بچا کر تجھے لے آئے حسینؑ
فاطمہؑ رو رہی ہیں ہاتھوں سے پہلو تھامے
حکم گر ہو تو بہن دوڑ کے بازو تھامے

ہائے سیّد ترا تن اور ستم کے بھالے — کس کو چلاؤں کہ جیتے نہیں مرنے والے
اس پہ یہ ظلم دکھوں سے جسے زہراؑ پالے (۹۸) — کون سر سے ترے تلواروں کی آفت ٹالے
کون فریاد سنے بے سروسامانوں کی
یاں تو بستی بھی نہیں کوئی مسلمانوں کی

نہ رہا جب کہ ٹھہرنے کا فرس پر یارا — گر پڑا خاک پہ وہ عرش خدا کا تارا
غش سے کچھ دیر میں اٹھا جو علیؑ کا پیارا (۹۹) — نیزہ سینے پہ سنان ابن انس نے مارا
واں تو نیزے کی انی پشت سے باہر نکلی
یاں بہن خیمہ کی ڈیوڑھی سے کھلے سر نکلی

(100)
کھینچ کر سینے سے نیزہ جو بڑھا دشمنِ دیں   جھک کے حضرت نے رکھی خاک پہ سجدے میں جبیں
تیز کرتا ہوا خنجر کو بڑھا شمرِ لعیں   آسماں ہل گئے تھرّا گئی مقتل کی زمیں
کیا کہوں تیغ کو کس طرح گلے پر رکھا
پاؤں شت آں پہ رکھا حلق پہ خنجر رکھا

(101)
ڈھانپ کر ہاتھوں سے منھ بنتِ علیؑ چلّائی   ذبح ہوتے ہو مرے سامنے ہے ہے بھائی
ضربِ اوّل تھی کہ تکبیر کی آواز آئی   گر پڑی خاک پہ غش کھا کے علیؑ کی جائی
اُٹھ کے دوڑی تھی کہ ہنگامۂ محشر دیکھا
مُنہ جو کھولا تو سرِ شہ کو سناں پر دیکھا

(102)
رو کے چلّائی کہ ہے ہے مرے مظلوم حسینؑ   فوجِ اعدا میں ترے قتل کی ہے دھوم حسینؑ
کچھ مجھے آنکھوں سے ہوتا نہیں معلوم حسینؑ   ہائے میں رہ گئی دیدار سے محروم حسینؑ
مُڑ کے دیکھو کہ مصیبت میں پڑی ہوں بھائی
ننگے سر بلوۂ اعدا میں کھڑی ہوں بھائی

(103)
بس انیس آگے نہ لکھ زینبِ ناشاد کے بین   قتل ہو جانے پہ بھی دھوپ میں تھی لاشِ حسینؑ
قبر میں بھی نہ ملا احمدِ مختار کو چین   گھر جلا قید ہوئی آلِ رسول الثقلین
کتنے گھر شاہ کے مرجانے سے برباد ہوئے
لٹ گئے یوں کہ نہ سادات پھر آباد ہوئے

مرثیہ

۷

جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے　　جلوہ کیا سحر کے رُخِ بے حجاب نے
(۱) دیکھا سوے فلک شہِ گردوں رکاب نے　　مُڑ کر صدا رفیقوں کو دی اس جناب نے
آخر ہے رات حمد و ثنائے خدا کرو
اُٹھو فریضۂ سحری کو ادا کرو

ہاں غازیو یہ دن ہے جدال و قتال کا　　یاں آج خوں بہیگا محمدؐ کی آل کا
(۲) چہرہ خوشی سے سُرخ ہے زہرا کے لال کا　　گذری شبِ فراق دن آیا وصال کا
ہم وہ ہیں غم کریں گے ملک جن کے واسطے
راتیں تڑپ کے کاٹی ہیں اس دن کے واسطے

یہ صبح ہے وہ صبح مبارک ہے جس کی شام　　یاں سے ہوا جو کوچ تو ہے خلد میں مقام
(۳) کوثر پہ آبرو سے پہونچ جائیں تشنہ کام　　لکھے خدا نماز گذاروں میں سب کے نام
سب ہیں وحیدِ عصر یہ غل چار سُو اُٹھے
دُنیا سے جو شہید اُٹھے سرخرو اُٹھے

یہ سُن کے بستروں سے اُٹھے وہ خدا شناس　　اک اک نے زیبِ جسم کیا فاخرہ لباس
(۴) شانے محاسنوں میں کئے سب نے بے ہراس　　باندھے عمامے آئے امامِ زماں کے پاس
رنگیں عبائیں دوش پہ کمریں کسے ہوئے
مشک و زباد و عطر میں کپڑے بسے ہوئے

سوکھے لبوں پہ حمدِ الٰہی رخوں پہ نور　　خوف و ہراس و رنج و کدورت لوں سے دُور
فیاضِ حق شناس اُولوالعزم ذی شعور　(۵)　خوش فکر و بذلہ سنج و ہنر پرور و غیور
کانوں کو حُسنِ صوت سے حظ برملا ملے
باتوں میں وہ نمک کہ دلوں کو مزا ملے

ساونت بُردبار فلک مرتبت دلیر　　عالی منش سبا میں سلیماں وغا میں شیر
گردانِ دہر انکی زبردستیوں سے زیر　(۶)　فاقوں میں دل بھی چشم بھی اور نیتیں بھی سیر
دُنیا کو ہیچ و پوچ سراپا سمجھتے تھے
دریا دلی سے بحر کو قطرا سمجھتے تھے

تقریر میں وہ رمز و کنایہ کہ لاجواب　　نکتہ بھی مُنہ سے گر کوئی نکلا تو انتخاب
گویا دہن کتابِ بلاغت کا ایک باب　(۷)　سوکھی زبانیں شہدِ فصاحت سے کامیاب
لہجوں پہ شاعرانِ عرب تھے مرے ہوئے
پستے لبوں کے وہ جو نمک سے بھرے ہوئے

لب پر ہنسی گلوں سے زیادہ شگفتہ رو　　پیدا تنوں سے پیرہنِ یوسفی کی بو
پرہیزگار و زاہد و ابرار و نیک خو　(۸)　غلماں کے دل میں جن کی غلامی کی آرزو
پتھر میں ایسے لعل صدف میں گہر نہیں
حوروں کا قول تھا یہ ملک ہیں بشر نہیں

پانی نہ تھا وضو جو کریں وہ فلک جناب　　پر تھی رخوں پہ خاک تیمم سے طرفہ آب
باریک ابر میں نظر آتے تھے آفتاب　(۹)　ہوتے ہیں خاکسار غلامِ ابوتراب
مہتاب سے رخوں کی صفا اور ہو گئی
مٹی سے آئنوں میں جلا اور ہو گئی

۶۶۹۰

خیمے سے نکلے شہ کے عزیزانِ خوش خصال — جن میں کئی تھے حضرتِ خیرالنساء کے لال
قاسم سا گلبدن علی اکبر سا خوش جمال (۱۰) — اک جا عقیل و مسلم و جعفر کے نونہال
شب کے رخوں کا نور سپہرِ بریں پہ تھا
اٹھارہ آفتابوں کا غنچہ زمیں پہ تھا — جھرمٹ

(7) وہ صبح اور وہ چھاؤں ستاروں کی اور وہ نور — دیکھے تو غش کرے ارنی گوئے اوجِ طور
پیدا گلوں سے قدرتِ اللہ کا ظہور (۱۱) — وہ جا بجا درختوں پہ تسبیح خواں طیور
گلشن خجل تھے وادیِ مینو اساس سے
جنگل تھا سب بسا ہوا پھولوں کی باس سے

(8) ٹھنڈی ہوا میں سبزۂ صحرا کی وہ لہک — شرمائے جس سے اطلسِ زنگاریِ فلک
وہ جھومنا درختوں کا پھولوں کی وہ مہک (۱۲) — ہر برگِ گل پہ قطرۂ شبنم کی وہ جھلک
ہیرے خجل تھے گوہرِ یکتا نثار تھے
پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

✓ قربان صنعتِ قلمِ آفریدگار — تھی ہر ورق سے صنعتِ ترصیع آشکار
عاجز ہے فکرتِ شعرائے ہنر شعار (۱۳) — ان صنعتوں کو پائے کہاں عقلِ سادہ کار
عالم تھا محوِ قدرتِ ربِّ عباد پر
مینا کیا تھا وادیِ مینو سواد پر

وہ نور اور وہ دشت سہانا سا وہ فضا — دُرّاج و کبک و تیہو و طاؤس کی صدا
وہ جوشِ گل وہ نالۂ مرغانِ خوش نوا (۱۴) — سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا
پھولوں سے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے
تھالے بھی نخل کے سبدِ گل فروش تھے

وہ دشت وہ نسیم کے جھونکے وہ سبزہ زار — پھولوں پہ جابجا وہ گہرہائے آبدار
اُٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار (۱۵) بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار
خواہاں تھے زہر گلشن زہرا جو آب کے نخل
شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے

وہ قمریوں کا چار طرف سرو کے ہجوم — کوکو کا شور نالۂ حق سرّہٗ کی دھوم
سبحان ربنا کی صدا تھی علی العموم (۱۶) جاری تھے وہ جو انکی عبادت کے تھے رسوم
کچھ گل فقط نہ کرتے تھے ربِّ علا کی حمد
ہر خار کو بھی نوکِ زباں تھی خدا کی حمد

چیونٹی بھی ہاتھ اُٹھا کے یہ کہتی تھی بار بار — اے دانہ کش ضعیفوں کے رازق ترے نثار
یا حیّ یا قدیر کی تھی ہر طرف پکار (۱۷) تہلیل تھی کہیں کہیں تسبیح کردگار
طائر ہوا میں محو ہرن سبزہ زار میں مست
جنگل کے شیر ہونک رہے تھے کچھار میں گونج

کانٹوں میں اک طرف تھے ریاضِ نبیؐ کے پھول — خوشبو سے جنکی خلد تھا جنگل کا عرض و طول
دنیا کی زیب زینتِ کاشانۂ بتولؑ (۱۸) وہ باغ تھا لگا گئے تھے خود جسے رسولؐ
ماہِ عزا کے عشرۂ اوّل میں لُٹ گیا
وہ باغیوں کے ہاتھ سے جنگل میں لُٹ گیا

اللہ رے خزاں کے دن اس باغ کی بہار — پھولے سماتے تھے نہ محمدؐ کے گلعذار
دولھا بنے ہوئے تھے اجل تھی گلوں کا ہار (۱۹) جاگے وہ ساری رات کے وہ نیند کا خمار
راہیں تمام جسم کی خوشبو سے بس گئیں
جب مُسکرائے پھولوں کی کلیاں بکس گئیں

وہ دشت اور وہ خیمۂ زنگار گوں کی شان — گویا زمیں پہ نصب تھا اک تازہ آسمان
(۲۰)
بے چوبہ سپہرِ بریں جس کا سائبان — بیت العتیق دیں کا مدینہ جہاں کی جان

اللہ کے حبیب کے پیارے اُسی میں تھے
سب عرشِ کبریا کے تارے اُسی میں تھے

گردوں پہ ناز کرتی تھی اِس دشت کی زمیں — کہتا تھا آسمانِ دہم چرخِ ہفتمیں
(۲۱)
پردے تھے رشکِ پردۂ چشمانِ حورِ عیں — تاروں سے تھا فلک اسی خرمن کا خوشہ چیں

دیکھا جو نور شمسۂ کیواں جناب پر
کیا کیا ہنسی ہے صبحِ گُلِ آفتاب پر

ناگاہ چرخ پر خطِ ابیض ہوا عیاں — تشریف جانماز پہ لائے شہِ زماں
(۲۲)
سجادے بچھ گئے عقبِ شاہِ انس و جاں — صوتِ حسنؑ سے اکبرِ مہرو نے دی اذاں

ہر اک کی چشم آنسوؤں سے ڈبڈبا گئی
گویا صدا رسولؐ کی کانوں میں آگئی

چُپ تھے طیور جھومتے تھے وجد میں شجر — تسبیح خواں تھے برگ و گل و غنچہ و ثمر
(۲۳)
محوِ ثنا کلوخ و نباتات و دشت و در — پانی سے مُنھ نکالے تھے دریا کے جانور

اعجاز تھا کہ دلبرِ شبیرؑ کی صدا
ہر خشک و تر سے آتی تھی تکبیر کی صدا

ناموسِ شاہ روتے تھے خیمے میں زار زار — چپکی کھڑی تھی صحن میں بانوئے نامدار
(۲۴)
زینبؑ بلائیں لے کے یہ کہتی تھی بار بار — صدقے نمازیوں کے مؤذن کے میں نثار

کرتے ہیں یوں ثنا و صفت ذوالجلال کی
لوگو اذاں سنو مرے یوسف جمال کی

یہ حسن صوت اور یہ قرات یہ شدّ و مدّ — حقّا کہ افصح الفصحا ہے انھیں کا جدّ
(۲۵)
گویا ہے لحنِ حضرتِ داؤد باخرد — یارب رکھ اس صدا کو زمانے میں تا ابد
شعبے صدا میں پنکھڑیاں جیسے پھول میں
بلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسولؐ میں بتولؑ

میری طرف سے کوئی بلائیں تو لینے جائے — عین الکمال سے تجھے بچّے خدا بچائے
(۲۶)
وہ لونڈی کہ جسکی طاقت داؤں کو بھائے — دو دو دن ایک بوند بھی پانی کی وہ نہ پائے
غربت میں پڑ گئی ہے مصیبت حسینؑ پر
فاقہ یہ تیسرا ہے مرے نورِ عین پر

صف میں ہوا جو نعرۂ قد قامت الصّلوٰۃ — قائم ہوئی نماز اُٹھے شاہِ کائنات
(۲۷)
وہ نور کی صفیں وہ مصلّی ملک صفات — قدموں سے جن کے ملتی تھی آنکھیں رہِ نجات
جلوہ تھا تا بہ عرشِ معلّٰی حسینؑ کا
مصحف کی لوح تھی کہ مصلّٰی حسینؑ کا

قرآں کھلا ہوا کہ جماعت کی تھی نماز — بسم اللہ جیسے آگے ہو یوں تھے شہ حجاز
(۲۸)
سطریں تھیں یا صفیں عقبِ شاہِ سرفراز — کرتی تھی خود نماز بھی ان کی ادا پہ ناز
صدقے سحر بیاض پہ بین السطور کی
سب آیتیں تھیں مصحفِ ناطق کے نور کی

باہم تکبروں کی صدائیں وہ دلپسند — کرّوبیانِ عرش تھے سب جس سے بہرہ مند
(۲۹)
ایماں کا نور چہروں پہ تھا چاند سے دوچند — خوفِ خدا سے کانپتے تھے سب کے بند بند
خم گردنیں تھیں سب کی خضوع و خشوع میں
سجدوں میں چاند تھے مہِ نو تھے رکوع میں

(۳۰)
اک صف میں سب محمدؐ و حیدرؑ کے رشتہ دار — اٹھارہ نوجواں ہیں اگر کیجیے شمار
پر سب وحید عصر و حق آگاہ و خاکسار — پیرو امام پاک کے دانائے روزگار
تسبیح ہر طرف تہ افلاک انھیں کی ہے
جس پر درود پڑھتے ہیں خاک انھیں کی ہے

(۳۱)
دنیا سے اٹھ گیا وہ قیام اور وہ قعود — ان کے لیے تھی بندگی واجب الوجود
وہ عجز وہ طویل رکوع اور وہ سجود — طاعت میں نیست جانتے تھے اپنی ہست و بود
طاقت نہ چلنے پھرنے کی تھی ہاتھ پاؤں میں
گر گر کے سجدے کرتے تھے تیغوں کی چھاؤں میں

(۳۲)
ہاتھ ان کے جب قنوت میں اٹھے سوئے خدا — خود ہوگئے فلک پہ اجابت کے باب وا
تھرائے آسمان ہلا عرش کبریا — شہپر تھے دونوں ہاتھ پے طائر دعا
وہ خاکسار محو تضرع تھے فرش پر
روح القدس کی طرح دعائیں تھیں عرش پر

(۳۳)
فارغ ہوئے نماز سے جب قبلۂ انام — آئے مصافحے کو جوانان تشنہ کام
چومے کسی نے دست شہنشاہ خاص و عام — آنکھیں ملیں کسی نے قدم پر باحترام
کیا دل تھے کیا سپاہ رشید و سعید تھی
باہم معانقے تھے کہ مرنے کی عید تھی

(۳۴)
سجدے میں شکر کے تھا کوئی مرد با خدا — پڑھتا تھا کوئی حرز سے قرآں کوئی دعا
نعت نبی کہیں تھی کہیں حمد کبریا — مولا اٹھا کے ہاتھ یہ کرتے تھے التجا
فاقوں میں تشنہ کامی غربت پہ رحم کر
یارب مسافروں کی جماعت پہ رحم کر

زاری تھی التجا تھی مناجات تھی اِدھر — واں صفت کشی و ظلم و تعدی و شور و شر
کہتا تھا ابن سعد یہ جا جا کے نہر پر (۳۵) — گھاٹوں سے ہوشیار ترائی سے باخبر
دو روز سے ہے تشنہ دہانی حسینؑ کو
ہاں مرتے دم بھی دیجو نہ پانی حسینؑ کو

بیٹھے تھے جانماز پہ شاہ فلک سریر — ناگہ قریب آ کے گرے تین چار تیر
دیکھا ہر اک نے مڑ کے سوئے لشکر شریر (۳۶) — عباسؑ اُٹھے تول کے شمشیر بے نظیر
پروانہ تھے سراج امامت کے نور پر
روکی سپر حضور کرامت ظہور پر

اکبر سے مُڑ کے کہنے لگے سرورِ زماں — باندھے ہے سرکشی پہ کمر لشکرِ گراں
تم جا کے کہہ دو خیمے میں یہ اے پدر کی جاں (۳۷) — بچوں کو لے کے صحن سے ہٹ جائیں بیبیاں
غفلت میں تیر سے کوئی بچہ تلف نہ ہو
ڈر ہے مجھے کہ گردن اصغرؑ ہدف نہ ہو

کہتے تھے یہ پسر سے شہ آسماں سریر — فضہ پکاری ڈیوڑھی سے اے خلق کے امیر
ہے ہے علی کی بیٹیاں کس جا ہوں گوشہ گیر (۳۸) — اصغر کے گاہوارے تک آ کر گرے ہیں تیر
گرمی میں ساری رات تو گُھٹ گُھٹ کے روئے ہیں
بچے ابھی تو سرد ہوا پا کے سوئے ہیں

باقر کہیں پڑا ہے سکینہ کہیں ہے غش — گرمی کی فصل اور یہ تب و تاب یہ عطش
رو رو کے سو گئے ہیں صغیرانِ ماہوش (۳۹) — بچوں کو لے کے یاں سے کہاں جائیں فاقہ کش
یہ کس خطا پہ تیر پیاپے برستے ہیں
ٹھنڈی ہوا کے واسطے بچے ترستے ہیں

اُٹھے یہ شور سُن کے امامِ فلک وقار ڈیوڑھی تک آئے ڈھالوں کو روکے رفیق و یار
فرمایا مُڑ کے چلتے ہیں اَبْ بہر کارزار (۴۰) کمریں کسو جہاد پہ منگواؤ راہوار
دیکھیں فضا بہشت کی دل باغ باغ ہو
اُمّت کے کام سے کہیں جلدی فراغ ہو

فرما کے یہ حرم میں گئے شاہِ بحر و بر ہونے لگیں صفوں میں کمر بندیاں اِدھر
جوشن پہن کے حضرتِ عباسؑ نامور (۴۱) دروازے پر ٹہلنے لگے مثلِ شیرِ نر
پرتو سے رُخ کے برق چمکتی تھی خاک پر
تلوار ہاتھ میں تھی سپر دوش پاک پر

شوکت میں رشکِ تاجِ سلیماں تھا خود سر کلغی پہ لاکھ بار تصدق ہُما کے پر
دستانے دونوں فتح کا مسکن ظفر کا گھر (۴۲) وہ رُعب الاماں وہ تہور کہ الحذر
بنے
جب ایسا بھائی ظلم کی تیغوں میں آڑ ہو
پھر کس طرح نہ بھائی کی چھاتی پہاڑ ہو

خیمے میں جا کے شہ نے یہ دیکھا حرم کا حال چہرے تو فق ہیں اور کھلے ہیں سروں کے بال
زینب کی یہ دعا ہے کہ اے ربِّ ذوالجلال (۴۳) بچ جائے اِس فساد سے خیر النسا کا لال
بانوے نیک نام کی کھیتی ہری رہے
صندل سے مانگ بچوں سے گودی بھری رہے

آفت میں ہے مسافرِ صحرائے کربلا بیکس پہ یہ چڑھائی ہے سیّد پہ یہ جفا
غربت میں ٹھن گئی جو لڑائی تو ہو گا کیا (۴۴) ان ننھے ننھے بچوں پہ کر رحم اے خدا
فاقوں سے جاں بلب ہیں عطش سے ہلاک ہیں
یارب ترے رسول کی یہ آل پاک ہیں

سر پر نہ اب علیؑ نہ رسولِؐ فلک وقار گھر لُٹ گیا گذر گئیں خاتونِؑ روزگار
امّاں کے بعد روئی حسنؑ کو مَیں سوگوار (۴۵) دُنیا میں اب حسینؑ ہے اِن سب کا یادگار
تو داد دے مری کہ عدالت پناہ ہے
کچھ اِس پہ بَن گئی تو یہ مجمع تباہ ہے

بولے قریب جا کے شہ آسماں جناب مضطر نہ ہو دعائیں ہیں تم سب کی مستجاب
مغرور ہیں خطا پہ ہیں یہ خانماں خراب (۴۶) خود جا کے میں دکھاتا ہوں اُن کو رہِ صواب
موقع نہیں بہن ابھی فریاد و آہ کا
لاؤ تبرکات رسالت پناہ کا

معراج میں رسول نے پہنا تھا جو لباس کشتی میں لائیں زینب اسے شاہ دیں کے پاس
سر پر رکھا عمامۂ سردار حق شناس (۴۷) پہنی قبائے پاک رسولِ فلک اساس
بَر میں درست و چست تھا جامہ رسولؐ کا
رومال فاطمہؑ کا عمامہ رسولؐ کا

شملے کے دو سرے جو چھٹے تھے بصد وقار ثابت یہ تھا کہ دوش پہ گیسو پڑے ہیں چار
بَل کھا رہا تھا زلف سمن بو کا تار تار (۴۸) جس کے ہر ایک مو پہ خطا و ختن نثار
مشک و عبیر و عود اگر ہیں تو ہیچ ہیں
سنبل پہ کیا کھلیں گے یہ گیسو کے پیچ ہیں سنبل کی اصل کیا ہے

کپڑوں سے آ رہی تھی رسولِ زمن کی بُو دولہا نے سونگھی ہو گی نہ ایسی دولھن کی بو
حیدرؑ کی فاطمہؑ کی حسینؑ و حسنؑ کی بُو (۴۹) پھیلی ہوئی تھی چار طرف پنجتن کی بو
لُٹتا تھا عطر وادیٔ عنبر سرشت میں
گُل جھومتے تھے باغ میں رضواں بہشت میں

پوشاک سب پہن چکے جب دوشِ شہِ زمن — لے کر بلائیں بھائی کی رونے لگی بہن (۵۰)
چلائی ہائے آج نہیں حیدرؑ و حسنؑ — امّاں کہاں سے لائے تھیں اب یہ بوطن
رخصت ہو آپ رسولؐ کے یوسف جمال کی
صدقے گئی بلائیں تو لو اپنے لال کی

صندوق اسلحہ کے جو کھلوائے شاہ نے — پیٹا منھ اپنا زینبِ عصمت پناہ نے (۵۱)
پہنی زرہ امامِ فلک بارگاہ نے — بازو پہ جوشنین پڑھے عزو جاہ نے
جوہر بدن کے حُسن سے سارے چمک گئے
حلقے تھے جتنے اُتنے ستارے چمک گئے

یاد آگئے علیؑ نظر آئی جو ذوالفقار — قبضے کو چوم کر شہ دیں روئے زار زار (۵۲)
تولی جو لے کے ہاتھ میں شمشیر آبدار — شوکت نے دی صدا کہ تری شان کے نثار
فتح و ظفر قریب ہو نصرت قریب ہو
زیب اسکی تجھ کو ضربِ عدو کو نصیب ہو

باندھی کمر سے تیغ جو زہرا کے لال نے — پھاڑا فلک پہ اپنا گریباں ہلال نے (۵۳)
دستانے پہنے سرورِ قدسی خصال نے — معراج پائی دوش پہ حمزہ کی ڈھال نے
رتبہ بلند تھا کہ سعادت نشان تھی
ساری سپر میں مہرِ نبوت کی شان تھی

ہتھیار اِدھر لگا چکے آقائے خاص و عام — تیار اُدھر ہوا علمِ سیّدِ الانام (۵۴)
کھولے سروں کو گرد تھیں سیدانیاں تمام — رولی تھی تھامے چوبِ علم خواہرِ امام
تیغیں کمر میں دوش پہ شملے پڑے ہوئے
زینب کے لال زیرِ علم آ کھڑے ہوئے

(۵۵)

گردانے دامنوں کو قبا کے وہ گلعذار   مرفق تک آستینوں کو اُلٹے بصد وقار
جعفرِ کا رعب دبدبۂ شیرِ کردگار   بوٹا سے اُن کے قد پہ نمودار و نامدار
آنکھیں ملیں علم سے پھریرے کو چوم کے
رایت کے گرد پھرنے لگے جھوم جھوم کے

(۵۶)

گہ ماں کو دیکھتے تھے کبھی جانبِ علَم   نعرہ کبھی یہ تھا کہ نثارِ شہِ اُمم
کرتے تھے دونوں بھائی کبھی مشورے بہم   آہستہ پوچھتے کبھی ماں سے وہ ذی حشم
کیا قصد ہے علیؑ ولی کے نشان کا
امّاں کسے ملیگا علم نانا جان کا

(۵۷)

کچھ مشورہ کریں جو شہنشاہِ خوش خصال   ہم بھی محقق ہیں آپ کو اسکا ہے خیال
پاسِ ادب سے عرض کی ہم کو نہیں مجال   اِس کا بھی خوف ہے کہ نہ ہو آپ کو ملال
آقا کے ہم غلام ہیں اور جاں نثار ہیں
عزّت طلب ہیں نام کے امیدوار ہیں

(۵۸)

بے مثل تھے رسولؐ کے لشکر کے سب جواں   لیکن ہمارے جد کو نبیؐ نے دیا نشاں
خیبر میں دیکھتا رہا مُنھ لشکرِ گراں   پایا مگر علیؑ نے علم وقتِ امتحاں
طاقت میں کچھ کمی نہیں گو بھوکے پیاسے ہیں
پوتے اُنھیں کے ہم ہیں اُنھیں کے نواسے ہیں

(۵۹)

زینب نے تب کہا کہ تمھیں اس سے کیا ہے کام   کیا دخل مجھ کو مالک و مختار ہیں امام
دیکھو نہ کیجو بے ادبانہ کوئی کلام   بگڑوں گی میں جو لوگے زباں سے علم کا نام
لو جاؤ بس کھڑے ہو الگ ہاتھ جوڑ کے
کیوں آئے تم یہاں علی اکبر کو چھوڑ کے

(٦٠)

سرکو ہٹو بڑھو نہ کھڑے ہو علم کے پاس — ایسا نہ ہو کہ دیکھ لیں شاہِ فلک اساس
کھوتے ہو اور آئے ہوئے تم مرے حواس — بس قابلِ قبول نہیں ہے یہ التماس
رونے لگو گے پھر جو بُرا یا بھلا کہوں
اِس ضد کو بچپنے کے سوا اور کیا کہوں

(٦١)

عمریں قلیل اور ہوس منصبِ جلیل — اچھا نکالو قد کے بھی بڑھنے کی کچھ سبیل
ماں صدقے جائے گرچہ یہ ہمت کی ہے دلیل — ہاں اپنے ہم سنوں میں تمھارا نہیں عدیل
لازم ہے سوچ غور کرے پیش و پس کرے
جو ہو سکے نہ کیوں بشر اُس کی ہوس کرے

(٦٢)

اِن ننھے ننھے ہاتھوں سے اُٹھیگا یہ عَلَم — چھوٹے قدوں میں سب سے سنوں میں سبھوں سے کم
نکلے تنوں سے سبطِ نبی کے قدم پہ دَم — عہدہ یہی ہے بس یہی منصب یہی حشم
رخصت طلب اگر ہو تو یہ میرا کام ہے
ماں صدقے جائے آج تو مرنے میں نام ہے

(٦٣)

پھر تم کو کیا بزرگ تھے گر فخرِ روزگار — زیبا نہیں ہے وصفِ اضافی پہ افتخار
جوہر وہ ہیں جو تیغ کرے آپ آشکار — دکھلا دو آج حیدر و جعفر کی کارزار
تم کیوں کہو کہ لال خدا کے ولی کے ہیں
فوجیں پکاریں خود کہ نواسے علیؑ کے ہیں

(٦٤)

کیا کچھ علم سے جعفرِ طیار کا تھا نام — یہ بھی تھی اِک عطائے رسولِ فلک مقام
بگڑی لڑائیوں میں بن آئے انھیں سے کام — جب کھینچتے تھے تیغ تو ہلتا تھا روم و شام
بیجاں ہوئے تو نخلِ وغا نے ثمر دیئے
ہاتھوں کے بدلے حق نے جواہر کے پر دیئے

(۶۵)
لشکر نے تین روز ہزیمت اُٹھائی جب — بخشا علم رسولِ خدا نے علیؑ کو تب
مرحب کو قتل کر کے بڑھا جب وہ شیرِ رب — در بند کر کے قلعہ کا بھاگی سپاہ سب
اُکھڑا وہ یوں گراں تھا جو در سنگ سخت سے
جس طرح توڑے کوئی پتا درخت سے

(۶۶)
نرغے میں تین دن سے ہے مشکلکشا کا لال — اماں کا باغ ہوتا ہے جنگل میں پائمال
پوچھا نہ یہ کہ کھولے ہیں کیوں تم نے سر کے بال — میں لُٹ رہی ہوں اور تمھیں منصب کا ہے خیال
غمخوار تم مرے ہو نہ عاشق امام کے
معلوم ہو گیا مجھے طالب ہو نام کے

(۶۷)
ہاتھوں کو جوڑ جوڑ کے بولے وہ لالہ فام — غصّے کو آپ تھام لیں اے خواہرِ امام
واللہ کیا مجال جو لیں اب علم کا نام — کھل جائیگا لڑیں گے جو یہ باوفا غلام
فوجیں بھگا کے گنجِ شہیداں میں سوئیں گے
تب قدر ہوگی آپ کو جب ہم نہ ہوئیں گے

(۶۸)
بس کہہ کے یہ ہٹے جو سعادت نشاں پسر — چھاتی بھر آئی ماں نے کہا تھام کر جگر
دیتے ہو اپنے مرنے کی پیارو مجھے خبر — ٹھہرو ذرا بلائیں تو لے لے یہ نوحہ گر
کیا صدقے جاؤں ماں کی نصیحت بُری لگی
بچو یہ کیا کہا کہ جگر پر چھُری لگی

(۶۹)
زینب کے پاس آ کے یہ بولے شہِ زمن — کیوں تم نے دونوں بیٹوں کی باتیں سُنی بہن
شیروں کے شیر عاقل و جرار و صف شکن — زینبؑ وحید عصر ہیں یہ دونوں گلبدن
یوں دیکھنے کو سب میں بزرگوں کے طور ہیں
تیور ہی ان کے اور ارادے ہی اور ہیں

نو دس برس کے سن میں یہ جرأت یہ لولے — بچّے کسی نے دیکھے ہیں ایسے بھی من چلے
اقبال کیونکر ان کے نہ قدموں سے مُنہ ملے — (۷۰) کس گود میں بڑے ہوئے کس دودھ سے پلے

بیشک یہ ورثہ دار جناب امیرؑ ہیں
پر کیا کروں کہ دونوں کی عمریں صغیر ہیں

اَب تم جسے کہو اُسے دیں فوج کا عَلَم — کی عرض جو صلاح شہ آسماں حشم
فرمایا جب سے اُٹھ گئیں زہرائے باکرم — (۷۱) اُس دن سے تم کو ماں کی جگہ جانتے ہیں ہم

مالک ہو تم بزرگ کوئی ہو کہ خُرد ہو
جس کو کہو اُسی کو یہ عہدہ سپرد ہو

بولی بہن کہ آپ بھی تو لیں کسی کا نام — ہے کس طرف توجہ سردار خاص و عام
قرآں کے بعد ہے بھی تو ہے آپ کا کلام — (۷۲) گر مجھ سے پوچھتے ہیں شہ آسماں مقام

شوکت میں قد میں شان میں ہمسر کوئی نہیں
عباس نامدار سے بہتر کوئی نہیں

عاشق غلام خادم دیرینہ جاں نثار — فرزند بھائی زینت پہلو وفا شعار
راحت رساں مطیع نمودار نامدار — (۷۳) جرار یادگار پدر فخر روزگار

صفدر ہے شیر دل ہے بہادر ہے نیک ہے
بیمثل سیکڑوں ہیں ہزاروں میں ایک ہے

آنکھوں میں اشک بھر کے یہ بولے شہ زمن — ہاں تھی یہی علیؑ کی وصیت بھی اے بہن
اچھا بلائیں آپ کدھر ہے وہ صف شکن — (۷۴) اکبر چچا کے پاس گئے سُن کے یہ سخن

کی عرض انتظار ہے شاہِ غیور کو
چلیے پھوپھی نے یاد کیا ہے حضور کو

عباس آئے ہاتھوں کو جوڑے حضورِ شاہ　　جاؤ بہن کے پاس یہ بولا وہ دیں پناہ
زینب وہیں علم لئے آئیں بہ عز و جاہ　(۷۵)　بولے نشاں کو لے کے شہِ عرش بارگاہ
ان کی خوشی وہ ہے جو رضا پنجتن کی ہے
لو بھائی لو علم یہ عنایت بہن کی ہے

رکھ کر علم پہ ہاتھ جھکا وہ فلک وقار　　ہمشیر کے قدم پہ مَلا منھ بہ افتخار
زینب بلائیں لے کے یہ بولیں کہ میں نثار　(۷۶)　عباس فاطمہ کی کمائی سے ہوشیار
ہو جائے آج صلح کی صورت تو کل چلو
ان آفتوں سے بھائی کو لے کر نکل چلو

کی عرض میرے جسم پہ جب تک ہے سر　　ممکن نہیں ہے یہ کہ بڑھے فوجِ بد گہر
تیغیں کھنچیں جو لاکھ تو سینہ کروں سپر　(۷۷)　دیکھیں اُٹھا کے آنکھ یہ کیا تاب کیا جگر
ساونت ہیں پسر اسدِ ذوالجلال کے
گر شیر ہو تو پھینک دوں آنکھیں نکال کے

منھ کر کے سوئے قبرِ علیؑ پھر کیا خطاب　　ذرّے کو آج کر دیا مولا نے آفتاب
یہ عرض خاکسار کی ہے یا ابو تراب　(۷۸)　آقا کے آگے ہوں میں شہادت سے کامیاب
سر تن سے ابنِ فاطمہؑ کے روبرو گرے
شبیرؑ کے پسینے پہ میرا لہو گرے

یہ سُن کے آئی زوجۂ عباسؑ نامور　　شوہر کی سمت پہلے کنکھیوں سے کی نظر
لیں سبطِ مصطفٰیؐ کی بلائیں بہ چشمِ تر　(۷۹)　زینب کے گرد پھر کے یہ بولی وہ نوحہ گر
فیض آپ کا ہے اور تصدق امام کا
عزت بڑھی کنیز کی رتبہ غلام کا

سر کو لگا کے چھاتی سے زینب نے یہ کہا   تو اپنی مانگ کوکھ سے ٹھنڈی رہے سدا
کی عرض مجھ سی لاکھ کنیزیں ہوں تو فدا   بانوئے نامور کو سہاگن رکھے خدا (۸۰)
بچے جئیں ترقی اقبال و جاہ ہو
سائے میں آپ کے علی اکبر کا بیاہ ہو

قسمت وطن میں خیر سے پھر سب کو لے کے جائے   یثرب میں شور ہو کہ سفر سے حسینؑ آئے
اُم البنین جاہ و حشم سے پسر کو پائے   جلدی شبِ عروسی اکبر خدا دکھائے (۸۱)
مہندی تمھارا لال ملے ہاتھ پاؤں میں
لاؤ دولھن کو بیاہ کے تاروں کی چھاؤں میں

ناگاہ آکے بالی سکینہ نے یہ کہا   کیسا ہے یہ ہجوم کدھر ہیں مرے چچا
عہدہ علم کا ان کو مبارک کرے خدا   لوگو مجھے بلائیں تو لینے دو اک ذرا (۸۲)
شوکت خدا بڑھائے مرے عمو جان کی
میں بھی تو دیکھوں شان علیؑ کے نشان کی

عباسؑ مسکرا کے پکارے کہ آؤ آؤ   عمو نثار پیاس سے کیا حال ہے بتاؤ
بولی لپٹ کے وہ کہ مری مشک لیتے جاؤ   اب تو علم ملا ہمیں پانی مجھے پلاؤ (۸۳)
تحفہ نہ کوئی دیجے نہ انعام دیجیے
قربان جاؤں پانی کا اک جام دیجیے

باتوں پہ اُسکی روتی تھیں سیدانیاں تمام   کی عرض آکے ابن حسنؑ نے کہ یا امام
انبوہ ہے بڑھی چلی آتی ہے فوجِ شام   فرمایا آپ نے کہ نہیں فکر کا مقام (۸۴)
عباس اب علم لیئے باہر نکلتے ہیں
ٹھہرو بہن سے مل کے گلے ہم بھی چلتے ہیں

ڈیوڑھی پہ خادمانِ محل کی ہوئی پکار — آتے ہیں آپ حضور خبردار ہو شیار
خلعت پہن رہے ہیں علمدار نامدار — (۸۵) نذریں خوشی کی دینے کو حاضر ہوں جاں نثار
بھائی بڑا ہے سر پہ تو سایہ ہے باپ کا
عہدہ جوان بیٹے نے پایا ہے باپ کا

ناگہ بڑھے علم لیئے عباس باوفا — دوڑے سبّ اہلبیت کھلے سر برہنہ پا
حضرت نے ہاتھ اُٹھا کے یہ اک ایک سے کہا — (۸۶) لو الوداع اے حرمِ پاک مصطفےٰ
صبحِ شبِ فراق ہے پیاروں کو دیکھ لو
سب مل کے ڈوبتے ہوئے تاروں کو دیکھ لو

شہ کے قدم پہ زینبِ زار و حزیں گری — بانو پچھاڑ کھا کے پسر کے قریں گری
کلثوم تھرتھرا کے بروئے زمیں گری — (۸۷) باقر کہیں گرا تو سکینہ کہیں گری
اُجڑا چمن ہر اک گُلِ تازہ نکل گیا
نکلا علم کہ گھر سے جنازہ نکل گیا

دیکھی جو شانِ حضرتِ عباس عرش جاہ — آگے بڑھی علم کے پس از تہنیت سپاہ
نکلا حرم سرا سے دو عالم کا بادشاہ — (۸۸) نشترِ دل تھی بنتِ علی کی فغان و آہ
رہ رہ کے اشک بہتے تھے روئے جناب سے
شبنم ٹپک رہی تھی گُلِ آفتاب سے

مولا چڑھے فرس پہ محمدؐ کی شان سے — ترکش لگا یا ہرنے پہ کس آن بان سے
نکلا یہ جن و انس و ملک کی زبان سے — (۸۹) اُترا ہے پھر زمیں پہ براق آسمان سے
سارا چلن خرام میں کبکِ دری کا ہے
گھونگھٹ نئی دلھن کا ہے چہرہ پری کا ہے

(۹۰)
غصے میں انکھڑیوں کے اُبلنے کو دیکھیے بَن بَن کے جھوم جھوم کے چلنے کو دیکھیے
سانچے میں جوڑ بند کے ڈھلنے کو دیکھیے تھم تھم کر کنوتیوں کے بدلنے کو دیکھیے
گردن میں ڈالیں ہاتھ یہ پریوں کو شوق ہے حوروں
بالا دوی میں اُس کو ہُما پر بھی فوق ہے

(۹۱)
تھم کر ہوا چلی فرسِ خوش قدم بڑھا جوں جوں وہ سوئے دشت بڑھا اور رَم بڑھا
گھوڑوں کی لیں سواروں نے باگیں علم بڑھا رایت بڑھا کہ سرو ریاضِ ارم بڑھا
پھولوں کو لے کے بادِ بہاری پہونچ گئی
بستانِ کربلا میں سواری پہونچ گئی

نا: پھولوں پہ جو پری نے چڑھائی کمان تھا
بالادوی میں اُس کو ہوا سے لگاؤ تھا

(۹۲)
پنجہ اِدھر چمکتا تھا اور آفتاب اُدھر اُس کی ضیا تھی خاک پہ ضو اسکی عرش پر
زرریزی علم پہ ٹھہرتی نہ تھی نظر دولھا کا رخ تھا سونے کے سہرے میں جلوہ گر
تھے دو طرف جو دو علم اِس ارتفاع کے
اُلجھے ہوئے تھے تار خطوطِ شعاع کے

(۹۳)
اللہ ری سپاہ خدا کی شکوہ و شان جھکنے لگے جنود ضلالت کے بھی نشان
کمریں کسے علم کے تلے ہاشمی جوان دُنیا کی زیب دین کی عزت جہاں کی جان
ایک ایک دودمانِ علیؑ کا چراغ تھا
جس کو بہشت پر تھا تفوق وہ باغ تھا

نا: جس سے بہشت کی زینت وہ باغ تھا

(۹۴)
لڑکے وہ سات آٹھ سہی قد سمن عذار گیسو کسی کے چہرے پہ دو اور کسی کے چار
حیدر کا رعب نرگسی آنکھوں سے آشکار کھیلیں جو نیمچوں سے کریں شیر کو شکار
تیروں کے سمت چاند سے سینے تنے ہوئے
آئے تھے عیدگاہ میں دولھا بنے ہوئے

(٩٥) غرفوں سے حوریں دیکھ کے کرتی تھیں یہ کلام ۔۔۔ دُنیا کا باغ بھی ہے عجب پُر فضا مقام
دیکھو درود پڑھ کے سوئے لشکرِ امام ۔۔۔ ہمشکل مصطفےٰ ہے یہی عرش احتشام
رایت لیئے وہ لال خدا کے ولی کا ہے
اب تک جہاں میں ساتھ نبی و علی کا ہے

(٩٦) دنیا سے اُٹھ گئے تھے جو پیغمبرِ زماں ۔۔۔ ہم جانتے تھے حسن سے خالی ہوا اب جہاں
کیونکر سوئے زمیں نہ جھکے پیرِ آسماں ۔۔۔ پیدا کیا ہے حق نے عجب حُسن کا جواں
سب خوبیوں کا خاتمہ بس اس حسین پہ ہے
محبوب حق ہیں عرش پہ سایہ زمیں پہ ہے

(٩٧) ناگاہ تیر اُدھر سے چلے جانبِ امام ۔۔۔ گھوڑا بڑھا کے آپ نے حجت بھی کی تمام
نکلے ادھر سے شہ کے رفیقانِ تشنہ کام ۔۔۔ بے سر ہوئے پروں میں سرانِ سپاہ شام
بالا کبھی تھی تیغ کبھی زیرِ تنگ تھی
اک اک کی جنگ مالکِ اشتر کی جنگ تھی

(٩٨) نکلے پے جہاد عزیزانِ شاہ دیں ۔۔۔ نعرے کیے کہ خوف سے ہلنے لگی زمیں
روباہ کی صفوں پہ چلے شیرِ خشم گیں ۔۔۔ کھینچی جو تیغ بھول گئے صف کشی لعیں
بجلی گری پَروں پہ شمال و جنوب کے
کیا کیا لڑے ہیں شام کے بادل ہیں ڈوب کے

(٩٩) اللہ رے علیؑ کے نواسوں کی کارزار ۔۔۔ دونوں کے نیمچے تھے کہ چلتی تھی ذوالفقار
شانہ کٹا کسی نے جو روکا سپر پہ وار ۔۔۔ گنتی تھی زخمیوں کی نہ کشتوں کا تھا شمار
اتنے سوار قتل کئے تھوڑی دیر میں
دونوں کے گھوڑے چھپ گئے لاشوں کے ڈھیر میں

وہ چھوٹے چھوٹے ہاتھ وہ گوری کلائیاں　　آفت کی پھرتیاں تھیں غضب کی صفائیاں
ڈر ڈر کے کاٹتے تھے کماں کش کنائیاں (۱۰۰) فوجوں میں تھیں نبیؐ و علیؑ کی دہائیاں
شوکت ہو بہو تھی جناب امیر کی
طاقت دکھا دی شیروں نے زینبؑ کے شیر کی

کس حسن سے حسنؑ کا جوان حسیں لڑا　　گھر گھر کے صورت اسدِ خشمگیں لڑا
دو دن کی بھوک پیاس میں وہ مہ جبیں لڑا (۱۰۱) سہرا الٹ کے یوں کوئی دولھا نہیں لڑا
حملے دکھا دیئے اسدِ کردگار کے
مقتل میں سوئے ازرقِ شامی کو مار کے

چمکی جو تیغ حضرتِ عباس عرش جاہ　　روح الامینؑ پکارے کہ اللہ کی پناہ
ڈھالوں میں چھپ گیا پسرِ سعد روسیاہ (۱۰۲) کشتوں سے بند ہو گئی امن و اماں کی راہ
جھپٹا جو شیر شوق میں دریا کی سیر کے
لے لی ترائی تیغوں کی موجوں کو پیر کے

بے سر ہوئے موکل سرچشمۂ فرات　　ہلچل میں مثلِ موج صفوں کو نہ تھا ثبات
دریا میں گر کے فوت ہوئے کتنے بدصفات (۱۰۳) گویا حباب ہو گئے تھے نقطۂ حیات
عباسؑ بھر کے مشک کو یوں تشنہ لب لڑے
جس طرح نہرواں میں امیرِ عرب لڑے

آفت تھی حرب و ضرب علی اکبرِ دلیر　　غصے میں جھپٹے صید پہ جیسے گرسنہ شیر
سب سربلند پست تھے بردست سب تھے زیر (۱۰۴) جنگل میں چار سمت تھے زخمیوں کے ڈھیر
سر ان کے اترے تن سے جو تھے رن چڑھے ہوئے
عباس سے بھی جنگ میں کچھ تھے بڑھے ہوئے

تلواریں برسیں صبح سے نصف النہار تک ہلتی رہی زمیں لرزتے رہے فلک
کانپا کیے پروں کو سمیٹے ہوئے ملک نعرے نہ پھر وہ تھے نہ وہ تیغوں کی تھی چمک (۱۰۵)
ڈھالوں کا دور برچھیوں کا اوج ہو گیا
ہنگام ظہر خاتمۂ فوج ہو گیا

لاشے سبھوں کے سبط نبی خود اٹھا کے لائے قاتل کسی شہید کا سر کاٹنے نہ پائے
دشمن کو بھی نہ دوست کی فرقت خدا دکھائے فرماتے تھے بچھڑ گئے سب ہم سے ہائے ہائے (۱۰۶)
اتنے پہاڑ گر پڑیں جس پر وہ خم نہ ہو
گر سو برس جیوں تو یہ مجمع بہم نہ ہو

لاشے تو سب کے گرد تھے اور بیچ میں امام ڈوبی ہوئی تھی خوں میں نبیؐ کی قبا تمام
افسردہ و حزیں و پریشان و تشنہ کام برچھی تھی دل کو فتح کے باجوں کی دھوم دھام (۱۰۷)
اعدا کسی شہید کا جب نام لیتے تھے
تھرا کے دونوں ہاتھوں سے دل تھام لیتے تھے

پوچھو اسی سے جسکے جگر پر ہوں اتنے داغ اک عمر کا ریاض تھا جس پر لٹا وہ باغ
فرصت نہ آہ بکا سے نہ ماتم سے انفراغ جو گھر کی روشنی تھے وہ گل ہو گئے چراغ (۱۰۸)
پڑتی تھی دھوپ سب کے تن پاش پاش پر
چادر بھی اک نہ تھی علی اکبر کی لاش پر

مقتل سے آئے خیمے کے در پر شہ زمن پر شدت عطش سے نہ تھی طاقت سخن
پردے پہ ہاتھ رکھ کے پکارے بصد محن اصغر کو گاہوارے سے لے آؤ اے بہن (۱۰۹)
پھر ایک بار اس مہ انور کو دیکھ لیں
اکبرؑ کے شیر خوار برادر کو دیکھ لیں

خیمے سے دوڑے آلِ محمد برہنہ سر   اصغر کو لائیں ہاتھوں پہ بانوے نوحہ گر
(۱۱۰)
بچے کو لے کے بیٹھ گئے آپ خاک پر   مُنہ سے ملے جو ہونٹھ تو چونکا وہ سیمبر
غم کی چُھری چلی جگرِ چاک چاک پر
بٹھلا لیا حسینؑ نے زانوئے پاک پر

بچے سے ملتفت تھے شہِ آسماں سریر   تھا اِس طرف کمیں میں بنِ کاہل شریر
(۱۱۱)
مارا جو تین بھال کا اِس بے حیا نے تیر   بس دفعتاً نشانہ ہوئی گردنِ صغیر
تڑپا جو شیر خوار تو حضرت نے آہ کی
معصوم ذبح ہوگیا گودی میں شاہ کی

جس دم تڑپ کے مرگیا وہ طفلِ شیر خوار   چھوٹی سی قبر تیغ سے کھودی بحالِ زار
(۱۱۲)
بچے کو دفن کرکے پکارا وہ ذی وقار   اے خاکِ پاک حرمتِ مہماں نگاہدار
دامن میں رکھ اسے جو محبت علیؑ کی ہے
دولت ہے فاطمہ کی امانت علیؑ کی ہے

پہلے پہل چھٹا ہے یہ ماں کی کنار سے   واقف نہیں ہے قبر کی شبہائے تار سے
(۱۱۳)
اے قبر ہوشیار مرے گلعذار سے   گردن چھدی ہوئی ہے بچانا فشار سے
سیّد ہے لال حضرتِ خیرالنسا کا ہے
معصوم ہے شہید ہے بندہ خدا کا ہے

یہ کہہ کے آئے فوج پہ تولے ہوئے حسام   آنکھیں لہو تھیں رونے سے چہرہ تھا سُرخ فام
(۱۱۴)
زیبِ بدن کئے تھے بصد عزّ و احتشام   پیراہنِ مطہرِ پیغمبرِ انام
حمزہؑ کی ڈھال تیغ شہِ لافتا کی تھی
بر میں زرہ جنابِ رسولِ خدا کی تھی

رستم تھا درع پوش کہ پاکھر میں راہوار جرّار بُردبار سبک رو وفا شعار
کیا خوشنما تھا زین طلا کار و نقرہ کار (۱۱۵) اکسیر تھا قدم کا جسے مل گیا غبار
خوشخو تھا خانہ زاد تھا دُلدل نژاد تھا
شبیر بھی سخی تھے فرس بھی جواد تھا

گرمی کا روزِ جنگ کی کیونکر کروں بیاں ڈر ہے کہ مثلِ شمع نہ جلنے لگے زباں
وہ لو کہ الحذر وہ حرارت کہ الاماں (۱۱۶) رن کی زمیں تو سُرخ تھی اور زرد آسماں
آبِ خنک کو خلق ترستی تھی خاک پر
گویا ہوا سے آگ برستی تھی خاک پر

وہ لُو وہ آفتاب کی حدّت وہ تاب و تب کالا تھا رنگ دھوپ سے دن کا مثالِ شب
خود نہرِ علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب (۱۱۷) خیمے جو تھے حبابوں کے تپتے تھے سب کے سب
اُڑتی تھی خاک خشک تھا چشمہ حیات کا
کھَولا ہوا تھا دھوپ سے پانی فرات کا

جھیلوں سے چارپاے نہ اُٹھتے تھے تا بہ شام مسکن میں مچھلیوں کے سمندر کا تھا مقام
آہو جو کاہلے تھے تو چیتے سیاہ فام (۱۱۸) پتھر پگھل کے رہ گئے تھے مثلِ موم خام
سُرخی اُڑی تھی پھولوں سے سبزی گیاہ سے
پانی کنوؤں میں اُترا تھا سائے کی چاہ سے

کوسوں کسی شجر میں نہ گُل تھے نہ برگ و بار ایک ایک نخل جل رہا تھا صورتِ چنار
ہنستا تھا کوئی گُل نہ لہکتا تھا سبزہ زار (۱۱۹) کانٹا ہوئی تھی سوکھ کے ہر شاخِ باردار
گرمی یہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے
پتّے بھی مثلِ چہرۂ مدقوق زرد تھے

آبِ رواں سے مُنہ نہ اُٹھاتے تھے جانور　　جنگل میں چھپتے پھرتے تھے طائر اِدھر اُدھر
(۱۲۰) مردم تھے سات پردوں کے اندر عرق میں تر　　خس خانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر
گر چشم سے نکل کے ٹھہر جائے راہ میں
پڑ جائیں لاکھ آبلے پائے نگاہ میں

شیر اُٹھتے تھے نہ دھوپ کے مارے کچھار سے　　آہو نہ مُنھ نکالتے تھے سبزہ زار سے
(۱۲۱) آئینہ مہر کا تھا مکدر غبار سے　　گردوں کو تپ چڑھی تھی زمیں کے بخار سے
گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بھُن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

گرداب پر تھا شعلۂ جوّالہ کا گماں　　انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشاں
(۱۲۲) مُنہ سے نکل پڑی تھی ہر اک مَوج کی زباں　　تہ پر تھے سب نہنگ مگر تھی لبوں پہ جاں
پانی تھا آگ گرمیِ روزِ حساب تھی
ماہی جو سیخِ مَوج تک آئی کباب تھی

آئینۂ فلک کو نہ تھی تاب و تب کی تاب　　چھپنے کو برق چاہتی تھی دامنِ سحاب
(۱۲۳) سب سے سوا تھا گرم مزاجوں کو اضطراب　　کافورِ صبح ڈھونڈھتا پھرتا تھا آفتاب
بھڑکی تھی آگ گنبدِ چرخِ اثیر میں
بادل چھپے تھے سب کرۂ زمہریر میں

اس دھوپ میں کھڑے تھے اکیلے شہِ اُمم　　نہ دامنِ رسُول تھا نہ سایۂ علَم
(۱۲۴) شعلے جگر سے آہ کے اُٹھتے تھے دمبدم　　اودے تھے لب زبان میں کانٹے کمر میں خم
بے آب تیسرا تھا جو دن میہمان کو
ہوتی تھی بات بات میں لکنت زبان کو

گھوڑوں کو اپنے کرتے تھے سیراب شہسوار آتے تھے اونٹ گھاٹ پہ باندھے ہوئے قطار
پیتے تھے آب نہر پرند آ کے بے شمار (۱۲۵) سقّے زمیں پہ کرتے تھے چھڑکاؤ بار بار
پانی کا دام و دد کو پلانا ثواب تھا
اک ابنِ فاطمہؑ کے لئے قحط آب تھا

سر پر لگائے تھا پسرِ سعد چترِ زر خادم کئی تھے مروّحہ جنباں اِدھر اُدھر
کرتے تھے آب پاش مکرر زمیں کو تر (۱۲۶) فرزندِ فاطمہؑ پہ نہ تھا سایۂ شجر
وہ دھوپ دشت کی وہ جلال آفتاب کا
سونلا گیا تھا رنگ مبارک جناب کا

کہتا تھا ابن سعد کہ اے آسماں جناب بیعت جو کیجیے اب بھی تو حاضر ہے جام آب
فرماتے تھے حسینؑ کہ او خانماں خراب (۱۲۷) دریا کو خاک جانتا ہے ابنِ بو تراب
فاسق ہے پاس کچھ تجھے اسلام کا نہیں
آب بقا ہو اب تو مرے کام کا نہیں

کہہ دوں تو خوان لے کے خود آئیں ابھی خلیلؑ چاہوں تو سلسبیل کو دم میں کروں سبیل
کیا جام آب کا تو مجھے دے گا او ذلیل (۱۲۸) بے آبرو خسیس ستمگر دنی بخیل
جس پھول پر پڑے ترا سایہ وہ بو نہ دے
کھلوائے فصد تو تو کبھی رگ لہو نہ دے

گر جم کا نام لوں تو ابھی جام لے کے آئے کوثر ہمیں رسولؐ کا احکام لے کے آئے
روح الامیں زمیں پہ مرا نام لے کے آئے (۱۲۹) لشکر ملک کا فتح کا پیغام لے کے آئے
چاہوں جو انقلاب تو دنیا تمام ہو
اُلٹے زمین یوں کہ نہ کوفہ نہ شام ہو

فرما کے یہ نگاہ جو کی سوئے ذوالفقار تھرا کے پچھلے پانوں ہٹا وہ ستم شعار
مظلوم پر صفوں سے چلے تیر بے شمار (۱۳۰) آواز کوس حرب ہوئی آسماں کے پار
نیزے اٹھا کے جنگ پر اسوار تل گئے
کالے نشاں سپاہ سیہ رو میں کھل گئے

وہ دھوم طبل جنگ کی وہ بوق کا خروش کر ہو گئے تھے شور سے کرّوبیوں کے گوش
تھرائی یوں زمیں کہ اڑے آسماں کے ہوش (۱۳۱) نیزے ہلا کے نکلے سواران درع پوش
ڈھالیں تھیں یوں سروں پہ سواران شوم کے
صحرا میں جیسے آئے گھٹا جھوم جھوم کے

لو پڑھ کے چند شعر رجز شاہ دیں بڑھے گیتی کے تھام لینے کو روح الامیں بڑھے
مانند شیر نر کہیں ٹھہرے کہیں بڑھے (۱۳۲) گویا علیؑ الٹتے ہوئے آستیں بڑھے
جلوہ دیا جری نے عروس مصاف کو
مشکلکشا کی تیغ نے چھوڑا غلاف کو

کاٹھی سے اس طرح ہوئی وہ شعلہ خو جدا جیسے کنار شوق سے ہو خوبرو جدا
مہتاب سے شعاع جدا گل سے بو جدا (۱۳۳) سینے سے دم جدا رگ جاں سے لہو جدا
گرجا جو رعد ابر سے بجلی نکل پڑی
محمل میں دم جو گھٹ گیا لیلیٰ نکل پڑی

آئے حسینؑ یوں کہ عقاب آئے جس طرح کافر پہ کبریا کا عتاب آئے جس طرح
تابندہ برق سوئے سحاب آئے جس طرح (۱۳۴) دوڑا فرس نشیب میں آب آئے جس طرح
یوں تیغ تیز کوند گئی اس گروہ پر
بجلی تڑپ کے گرتی ہے جس طرح کوہ پر

(۱۳۵)

گرمی میں برق تیغ جو چمکی شرر اڑے — جھونکا چلا ہوا کا جوشن سے تو سر اُڑے
پر کالۂ سپر جو ادھر اور ادھر اُڑے — روح الامینؑ نے صاف یہ جانا کہ پر اڑے
ظاہر نشانِ اسمِ عزیمت اثر ہوئے
جن پر علیؑ لکھا تھا وہی پر سپر ہوئے

(۱۳۶)

جس پر چلی وہ تیغ دو پارا کیا اُسے — کھنچتے ہی چار ٹکڑے دوبارا کیا اُسے
واں تھی جدھر اجل نے اشارا کیا اُسے — سختی بھی کچھ پڑی تو گوارا کیا اُسے
نے زین تھا فرس پہ نہ اسوار زین پر
کڑیاں زرہ کی بکھری ہوئی تھیں زمین پر

(۱۳۷)

آئی چپک کے غول پہ جب سر گرا گئی — دم میں جمی صفوں کو برابر گرا گئی
اک ایک قصر تن کو زمیں پر گرا گئی — سیل آئی زور شور سے جب گھر گرا گئی
آ پہونچا اس کے گھاٹ پہ جو مر کے رہ گیا
دریا لہو کا تیغ کے پانی سے بہ گیا

(۱۳۸)

اِس آب پر یہ شعلہ فشانی خدا کی شان — پانی میں آگ آگ میں پانی خدا کی شان
خاموش اور تیز زبانی خدا کی شان — استادہ آب میں یہ روانی خدا کی شان
لہرائی جب اُتر گیا دریا چڑھا ہوا
نیزوں تھا ذوالفقار کا پانی بڑھا ہوا

(۱۳۹)

قلب و جناح میمنہ و میسرہ تباہ — گردن کشانِ اُمّتِ خیر الورا تباہ
جنباں زمیں صفیں تہ و بالا پرا تباہ — بے جان جسم روح مسافر سرا تباہ
بازار بند ہو گیا جھنڈے اُکھڑ گئے
فوجیں ہوئیں تباہ محلے اُجڑ گئے

اللہ ری تیزی و برش اس شعلہ رنگ کی — چمکی سوار پر تو خبر لائی تنگ کی
پیاسی فقط لہو کی طلبگار جنگ کی (۱۴۰) حاجت نہ سان کی تھی اُسے کچھ نہ سنگ کی

جوں سے فلک کو لاشوں سے مقتل کو بھرتی تھی
سَو بار دم میں چرخ پہ چڑھتی اُترتی تھی

تیغِ خزاں تھی گلشنِ ہستی سے کیا اُسے — گھر جس کا خود اُجڑ گیا بستی سے کیا اُسے
وہ حق نما تھی کفر پرستی سے کیا اُسے (۱۴۱) جو آپ سربلند ہو پستی سے کیا اُسے

کہتے ہیں راستی جسے وہ خم کے ساتھ ہے
تیزی زباں کے ساتھ برش دم کے ساتھ ہے

سینے پہ چل گئی تو کلیجہ لہو ہوا — گویا جگر میں موت کا ناخن فرو ہوا
چمکی تو اَلاماں کا غُل چار سُو ہوا (۱۴۲) جو اس کے منھ پہ آ گیا بے آبرو ہوا

رُکتا تھا ایک وار نہ دس سے نہ پانچ سے
چہرے سیاہ ہو گئے تھے اُس کی آنچ سے

بچھ بچھ گئیں صفوں پہ صفیں وہ جہاں چلی — چمکی تو اُس طرف ادھر آئی وہاں چلی
دونوں طرف کی فوج پکاری کہاں چلی (۱۴۳) اس نے کہا یہاں وہ پکارا وہاں چلی

منھ کس طرف ہے تیغ زنوں کو خبر نہ تھی
سر گر رہے تھے اور تنوں کو خبر نہ تھی

دشمن جو گھاٹ پر تھے وہ دھوئے تھے جاں سے ہاتھ — گردن سے سر الگ تھا جدا تھے نشاں سے ہاتھ
توڑا کبھی جگر کبھی چھیدا سناں سے ہاتھ (۱۴۴) جب کٹ کے گر پڑیں تو پھر آئیں کہاں سے ہاتھ

اب ہاتھ دستیاب نہیں منھ چھپانے کو
ہاں پانوں رہ گئے ہیں فقط بھاگ جانے کو

(۱۴۵)
اللہ رے خوف تیغ شہ کائنات کا زہرہ تھا آب خوف کے مارے فرات کا
دریا پہ حال یہ تھا ہر اک بدصفات کا چارہ فرار کا تھا نہ یارا ثبات کا
غل تھا کہ برق گرتی ہے ہر درع پوش پر
بھاگو خدا کے قہر کا دریا ہے جوش پر

(۱۴۶)
ہر چند مچھلیاں تھیں زرہ پوش سر بسر منہ کھولے چھپتی پھرتی تھیں لیکن ادھر ادھر
بھاگی تھی موج چھوڑ کے گرداب کی سپر تھے تہ نشیں نہنگ مگر آب تھے جگر
دریا نہ تھمتا خوف سے اُس برق تاب کے
لیکن پڑے تھے پانوں میں چھالے حباب کے

(۱۴۷)
آیا خدا کا قہر جدھر سن سے آگئی کانوں میں الاماں کی صدا رن سے آگئی
دو کر کے خود زین پہ جوشن سے آگئی کھنچتی ہوئی زمین پہ توسن سے آگئی
بجلی گری جو خاک پہ تیغ جناب کی
آئی صدا زمین سے یا بوتراب کی

(۱۴۸)
پس پس کے کشمکش میں کماندار مر گئے چلّے تو سب چڑھے رہے بازو اُتر گئے
گوشے کٹے کمانوں کے تیروں کے پر گئے مقتل میں ہو سکا نہ گزارا گزر گئے
دہشت سے ہوش اُڑے ہوئے تھے مرغ وہم کے
سوفار کھول دیتے تھے منہ سہم سہم کے

(۱۴۹)
تیر افگنی کا جن کی ہر اک شہر میں تھا شور گوشہ کہیں نہ ملتا تھا ان کو سوائے گور
تاریک شب میں جن کا نشانہ تھی چشم مور لشکر میں خوف جاں نے انہیں کر دیا تھا کور
ہوش اُڑ گئے تھے فوج ضلالت نشان کے
پیکاں میں زہ کو رکھتے تھے سوفار جان کے

صف پر صفیں پڑیں پہ پئے پیش و پس گرے   اسوار پر سوار فرس پر فرس گرے

(۱۵۰)

اُٹھ کر زمیں سے پانچ جو بھاگے تو دس گرے   مخبر پہ پیک پیک پہ مر کر عسس گرے

ٹوٹے پرے شکست بنائے ستم ہوئی

دُنیا میں اس طرح کی بھی افتاد کم ہوئی

غصے تھا شیر شرزۂ صحرائے کربلا   چھوڑے تھے گرگ منزل و ماوائے کربلا

(۱۵۱)

تیغ علی تھی معرکہ آرائے کربلا   خالی نہ تھی سروں سے کہیں جائے کربلا

بستی بسی تھی مردوں کی قریے اجاڑ تھے

لاشوں کی تھی زمین سروں کے پہاڑ تھے

غازی نے رکھ لیا تھا جو شمشیر کے تلے   تھی طرفہ کشمکش فلک پیر کے تلے

(۱۵۲)

چلے سمٹ کے جاتے تھے زہ گیر کے تلے   چھپتی تھی سر جھکا کے کماں تیر کے تلے

اس تیغ بے دریغ کا جلوہ کہاں نہ تھا

سہمے تھے سب پہ گوشۂ امن واماں نہ تھا

چاروں طرف کمان کیانی کی وہ ترنگ   رہ رہ کے ابر شام سے وہ بارش خدنگ

(۱۵۳)

وہ شور صیحۂ فرس ابلق و سُرنگ   وہ لُو وہ آفتاب کی تابندگی وہ جنگ

پھنکتا تھا دشت کیں کوئی دل تھا نہ چین سے

اُس دن کی تاب و تب کوئی پوچھے حسین سے

سقے پکارتے تھے پہ مشکیں لیے اُدھر   بازار جنگ گرم ہے ڈھلتی ہے دوپہر

(۱۵۴)

پیاسا جو ہو وہ پانی سے ٹھنڈا کرے جگر   مشکوں پہ دوڑ دوڑ کے گرتے تھے اہل شر

کیا آگ لگ گئی تھی جہانِ خراب کو

پیتے تھے سب حسین ترستے تھے آب کو

گرمی میں پیاس تھی کہ پھُنکا جاتا تھا جگر   اُف اُف کبھی کہا کبھی چہرے پہ لی سپر
(۱۵۵)
آنکھوں میں ٹیس اُٹھی جو پڑی دُھوپ پر نظر   جھپٹے کبھی اِدھر کبھی حملہ کیا اُدھر
کثرت عرق کے قطروں کی تھی رُوئے پاک پر
موتی برستے جاتے تھے مقتل کی خاک پر

سیراب چھپتے پھرتے تھے پیاسے کی جنگ سے   چلتی تھی ایک تیغ علیؑ لاکھ رنگ سے
(۱۵۶)
چمکی جو فرق پر تو نکل آئی تنگ سے   رکتی نہ تھی سپر سے نہ آہن نہ سنگ سے
خالق نے مُنھ دیا تھا عجب آب و تاب کا
خود اُس کے سامنے تھا بُھبھوکا حباب کا

سہمے ہوئے تھے یوں کہ کسی کو نہ تھی خبر   پیکاں کدھر ہے تیر کا سوفار ہے کدھر
(۱۵۷)
مردم کی کشمکش سے کمانوں کو تھا یہ ڈر   گوشوں کو ڈھونڈھتی تھیں نہیں پر جھکائے سر
ترکش سے کھینچے تیر کوئی یہ جگر نہ تھا
سینہ سپر جس نے ہاتھ رکھا تن پہ سر نہ تھا

گھوڑے کی وہ تڑپ وہ چمک تیغ تیز کی   سو سو صفیں کچل گئیں جب جست و خیز کی
(۱۵۸)
لاکھوں میں تھی نہ ایک کو طاقت ستیز کی   تھی چار سمت دھوم گریزا گریز کی
آری جو ہوگئی تھیں وہ سب ذوالفقار سے
تیغوں نے مُنھ پھرا لئے تھے کارزار سے

گھوڑوں کی جست و خیز سے اُٹھا غبار زرد   گردوں میں مثل شیشۂ ساعت بھری تھی گرد
(۱۵۹)
تو دا بنا تھا خاک کا مینائے لاجورد   کوسوں سیاہ و تار تھا سب وادیِ نبرد
پنہاں نظر سے نیّرِ گیتی فروز تھا
ڈھلتی تھی دوپہر پہ نہ شب تھی نہ روز تھا

اللہ ری لڑائی میں شوکت جناب کی — سونلائے رنگ میں تھی ضیا آفتاب کی
سوکھے وہ لب کہ پنکھڑیاں تھیں گلاب کی — (۱۶۰) تصویر ذوالجناح پہ تھی بوتراب کی
ہوتا تھا غل جو کرتے تھے نعرے لڑائی میں
بھاگو کہ شیر گونج رہا ہے ترائی میں

پھر تو یہ غل ہوا کہ دہائی حسینؑ کی — اللہ کا غضب ہے لڑائی حسینؑ کی
دریا حسینؑ کا ہے ترائی حسینؑ کی — (۱۶۱) دنیا حسین کی ہے خدائی حسینؑ کی
بیڑا بچایا آپ نے طوفاں سے نوحؑ کا
اب رحم واسطہ علی اکبرؑ کی روح کا

اکبر کا نام سن کے جگر پر لگی سناں — آنسو بھر آئے روک لی رہوار کی عناں
مڑ کر پکارے لاش پسر کو شہ زماں — (۱۶۲) تم نے نہ دیکھی جنگ پدر اے پدر کی جاں
قسمیں تمھاری روح کی یہ لوگ دیتے ہیں
لو اب تو ذوالفقار کو ہم روک لیتے ہیں

چلایا ہاتھ مار کے زانو پہ ابن سعد — اے وا فضیحتا یہ ہزیمت ظفر کے بعد
زیبا دلاوروں کو نہیں ہے خلاف وعد — (۱۶۳) اک پہلواں یہ سنتے ہی گرجا مثال رعد
نعرہ کیا کہ کرتا ہوں حملہ امام پر
اے ابن سعد لکھ لے ظفر میرے نام پر

بالا قد و کلفت و تنومند و خیرہ سر — روئیں تن و سیاہ دروں آہنی کمر
ناوک پیام مرگ کے ترکش اجل کا گھر — (۱۶۴) تیغیں ہزار ٹوٹ گئیں جس پہ وہ سپر
دل میں بدی طبیعتِ بد میں بگاڑ تھا
گھوڑے پہ تھا شقی کہ ہوا پر پہاڑ تھا

ساتھ اُسکے اور اسی قد و قامت کا ایک بَل — آنکھیں کبود رنگ سیاہ ابروؤں پہ بَل
بدکار و بدشعار و ستمگار و بدعمل (۱۶۵) جنگ آزما بھگائے ہوئے لشکروں کے دَل
بھالے لئے کسے ہوئے کمریں ستیز پر
نازاں وہ ضرب گرز پہ یہ تیغ تیز پر

کھنچ جائے شکل حرب وہ تدبیر چاہیے — دشمن بھی سب مقر ہوں وہ تقریر چاہیے
تیزی زباں میں صورتِ شمشیر چاہیے (۱۶۶) فولاد کا قلم دمِ تحریر چاہیے
نقشہ کھنچیگا صاف صفِ کارزار کا
پانی دوات چاہتی ہے ذوالفقار کا

لشکر میں اضطراب تھا فوجوں میں کھلبلی — ساونت بے حواس ہراساں دھنی بلی
ڈر تھا کہ لو حسینؑ بڑھے تیغ آب چلی (۱۶۷) غل تھا اِدھر ہیں مرحب و عنتر اُدھر علیؑ
کون آج سربلند ہو اور کون پست ہو
کس کی ظفر ہو دیکھیے کس کی شکست ہو

آواز دی یہ ہاتفِ غیبی نے تب کہ ہاں — بسم اللہ اے امیرِ عرب کے سرورِ جاں
بیٹھے درست ہو کے فرس پر شہ زماں (۱۶۸) اُٹھی علی کی تیغ وہ دم چاٹ کر زباں
واں سے وہ شور تہنیت بڑھا نعرہ مار کے
پانی بھر آیا منھ میں ادھر ذوالفقار کے

لشکر کے سب جواں تھے لڑائی میں جی کڑے — وہ بدنظر تھا آنکھوں میں آنکھیں ادھر گڑے
ڈھالیں لڑیں سپاہ کی یا ابر گڑگڑائے (۱۶۹) غصے میں آ کے گھوڑے نے بھی دانت کڑکڑائے
ماری جو ٹاپ ڈر کے ہٹے ہر لعیں کے پانوں
ماہی پہ ڈگمگا گئے گاوِ زمیں کے پانوں

(۱۶۰)
نیزہ ہلا کے شاہ پر آیا وہ خود پسند — مشکل کشا کے لال نے کھولے تمام بند
تیر و کماں سے بھی نہ ہوا کچھ وہ بہرہ مند — چلّہ ادھر کھنچا کہ چلی تیغ سربلند
وہ تیر کٹ گئے جو در آتے تھے سنگ میں
گوشے نہ تھے کماں میں نہ پیکاں خدنگ میں

(۱۶۱)
ظالم اٹھا کے گرز کو آیا جناب پر — طاری ہوا غضب خلفِ بوتراب پر
مارا جو ہاتھ پاؤں جما کر رکاب پر — بجلی گری شقی کے سرِ پُر عتاب پر
بد ہاتھ میں شکست ظفر نیک ہاتھ میں
ہاتھ اُڑ کے جا پڑا کئی ہاتھ ایک ہاتھ میں

(۱۶۲)
کچھ دست پاچہ ہو کے چلا تھا وہ نابکار — پنجے سے پر اجل کے کہاں جا سکے شکار
واں اُس نے بائیں ہاتھ میں لی تیغ آبدار — یاں سر سے آئی پشت کے مُہروں پہ ذوالفقار
قربان تیغِ تیز شہِ نامدار کے
دو ٹکڑے تھے سوار کے دو راہوار کے

(۱۶۳)
پھر دوسرے پہ گرز اٹھا کر پکارے شاہ — کیوں ضربِ ذوالفقار پہ تو نے بھی کی نگاہ
سرشار تھا شرابِ تکبر سے رو سیاہ — جاتا کہاں کہ موت تو روکے ہوئے تھی راہ
غل تھا اسے اجل نے بڑھایا جو گھیر کے
لو دوسرا شکار چلا منہ میں شیر کے

(۱۶۴)
آتا تھا وہ کہ اسپ شہ دیں پلٹ پڑا — ثابت ہوا کہ شیر گرسنہ جھپٹ پڑا
تیغہ شقی نے ڈھال پہ مارا تو پٹ پڑا — ضربت پڑی کہ گنبدِ دوّار پھٹ پڑا
پیوند صدرِ زیں جسد و فرق ہو گیا
گھوڑا زمیں میں سینے تلک غرق ہو گیا

پریوں سے قاف چھوٹ گیا اور جنوں سے گھر　　شیروں سے دشت گرگ سے بن اژدروں سے در
(۱۷۵) شاہیں و کبک چھپ گئے اک جا ملا کے سر　　اُڑ کر گرے جزیروں میں دریا کے جانور
سمٹے پہاڑ مُنھ کو جو دامن سے ڈھانپ کے
سیمرغ نے گرا دیے پر کانپ کانپ کے

آئی ندائے غیب کہ شبیرؑ مرحبا　　اِس ہاتھ کے لیے تھی یہ شمشیر مرحبا
(۱۷۶) یہ آبرو یہ جنگ یہ توقیر مرحبا　　دکھلا دی ماں کے دودھ کی تاثیر مرحبا
غالب کیا خدا نے تجھے کائنات پر
بس خاتمہ جہاد کا ہے تیری ذات پر

بس اب نہ کرو غا کی ہوس اے حسین بس　　دم لے ہوا ہیں چند نفس اے حسین بس
(۱۷۷) گرمی سے ہانپتا ہے فرس اے حسین بس　　وقتِ نمازِ عصر ہے بس اے حسین بس
پیاسا لڑا نہیں کوئی یوں ازدحام میں
اب اہتمام چاہیے اُمت کے کام میں

لبیک کہہ کے تیغ رکھی شہ نے میان میں　　پلٹی سپاہ آئی قیامت جہان میں
(۱۷۸) پھر سرکشوں نے تیر ملائے کمان میں　　پھر کھل گئے لپٹ کے پھریرے نشان میں
بیکس حسین ظلم شعاروں میں گھر گئے
مولا تمھارے لاکھ سواروں میں گھر گئے

سینے پہ سامنے سے چلے دس ہزار تیر　　چھاتی پہ لگ گئے کئی سو ایک بار تیر
(۱۷۹) پہلو کے پار برچھیاں سینے کے پار تیر　　پڑتے تھے دس جو کھینچتے تھے تن سے چار تیر
یوں تھے خدنگ ظلِ الٰہی کے جسم پر
جس طرح خار ہوتے ہیں ساہی کے جسم پر

چلتے تھے چار سمت سے بھالے حسینؑ پر ٹوٹے ہوئے تھے برچھیوں والے حسینؑ پر (۱۹۰)
یہ دُکھ نبیؐ کی گود کے پالے حسینؑ پر قاتل تھے خنجروں کو نکالے حسینؑ پر
تیرِ ستم نکالنے والا کوئی نہ تھا
گرتے تھے اور سنبھالنے والا کوئی نہ تھا

لاکھوں میں ایک بےکس و دلگیر ہائے ہائے فرزندِ فاطمہ کی یہ توقیر ہائے ہائے (۱۹۱)
بھالے وہ اور پہلوئے شبیر ہائے ہائے وہ زہر میں بجھائے ہوئے تیر ہائے ہائے
غصے میں تھے جو فوج کے سرکش بھرے ہوئے
خالی کیے حسینؑ پہ ترکش بھرے ہوئے

وہ گرد تھے جو بھاگتے پھرتے تھے وقتِ جنگ اک سنگ دل نے پاس سے مارا جبیں پہ سنگ (۱۹۲)
صدمے سے زرد ہو گیا سبطِ نبیؐ کا رنگ ماتھے پہ ہاتھ تھا کہ گلے پر لگا خدنگ
تھاما گلا جناب نے ماتھے کو چھوڑ کے
نکلا وہ تیر حلقِ مبارک کو توڑ کے

لکھا ہے زین بھال کا تھا ناوکِ ستم منھ کھل گیا اُلٹ گئی گردن رکا جو دم (۱۹۳)
کھینچی سری گلے کی طرف سے بہ چشمِ نم پھالیں نکالیں پشت کی جانب سے ہو کے خم
اُبلا جو خوں نکلتا ہُوا دم ٹھہر گیا
چُلّو رکھا جو زخم کے نیچے تو بھر گیا

دشمن تھا شہ کا اعور سلمی عدوئے دیں سر پر لگائی تیغ کہ شق ہو گئی جبیں (۱۹۴)
ماری جگر پہ ابنِ انس نے سنانِ کیں بھاگا گرا کے کوکھ میں برچھی کو اک لعیں
گھوڑے پہ ڈگمگا کے جو حضرت نے آہ کی
تھرا گئی ضریحِ رسالت پناہ کی

گرتے ہیں اب حسین فرس پر سے ہے غضب (۱۹۵) نکلی رکاب پائے مطہر سے ہے غضب
پہلو شگافتہ ہوا خنجر سے ہے غضب غش میں جھکے عمامہ گرا سر سے ہے غضب
قرآن رحل زیں سے سرِ فرش گر پڑا
دیوار کعبہ بیٹھ گئی عرش گر پڑا

گر کر کبھی اُٹھے کبھی رکھا زمیں پہ سر اُگلا کبھی لہو تو سنبھالا کبھی جگر
حسرت سے کی خیام کی جانب کبھی نظر (۱۹۶) کروٹ کبھی تڑپ کے ادھر لی کبھی اُدھر
اُٹھ بیٹھے جب تو زخموں سے برچھی کے پھل گرے
تیر اور تن میں گڑ گئے جب منہ کے بل گرے

جنگل سے آئی فاطمہ زہرا کی یہ صدا اُمت نے مجھ کو لوٹ لیا وا محمدا
اس وقت کون حق محبت کرے ادا (۱۹۷) ہے ہے یہ ظلم اور دو عالم کا مقتدا
اُنیس سو ہیں زخم تنِ چاک چاک پر
زینب نکل حسینؑ تڑپتا ہے خاک پر

پردہ اُلٹ کے بنت علی نکلی ننگے سر لرزاں قدم خمیدہ کمر غرق خوں جگر
چاروں طرف پکارتی تھی سر کو پیٹ کر (۱۹۸) اے کربلا بتا ترا مہمان ہے کدھر
اماں قدم اب اُٹھتے نہیں تشنہ کام کے
بھیا بچا دو لاش پر مرے بازو کو تھام کے

اس وقت سب جہاں مری آنکھوں میں ہے سیاہ لوگو خدا کے واسطے مجھ کو بتاؤ راہ
سید کدھر تڑپتا ہے اماں کدھر ہیں آہ (۱۹۹) کس سمت ہے نبی کے نواسے کی قتل گاہ
شعلے دل و جگر سے نکلتے ہیں آہ کے
یہ کون نام لیتا ہے میرا کراہ کے

کس نے صدا یہ دی کہ بہن اس طرف نہ آؤ ۔ بس اب سفر قریب ہے للہ گھر میں جاؤ
اب ڈوبتی ہے آلِ رسولِ خدا کی ناؤ ۔ (۱۹۰) یا مرتضیٰ غریبوں کے بیڑے کو تم بچاؤ
اب چھوڑ لو نہ دشتِ بلا میں حسینؑ کو
یا فاطمہؑ چھپا لو ردا میں حسینؑ کو

بنتِ علیؑ تو پیٹتی پھرتی تھی ننگے سر ۔ کٹتا تھا نورِ چشمِ علیؑ کا گلا ادھر
زینبؑ کو منع کرتے تھے ہر چند اہلِ شر ۔ (۱۹۱) لیکن وہ دوڑی جاتی تھی بھائی کی لاش پر
پہونچی جو قتلگاہ میں اس روک ٹوک پر
دیکھا سرِ حسینؑ کو نیزے کی نوک پر

نیزے کے نیچے جا کے پکاری وہ سوگوار ۔ بیٹا تری لہو بھری صورت کے میں نثار
ہے ہے گلے پہ چل گئی بھیا چھری کی دھار ۔ (۱۹۲) بھولے بہن کو اے اسدِ حق کے یادگار
صدقے گئی لٹا گئے گھر قتل گاہ میں
جنبش لبوں کو ہے ابھی ذکرِ اِلٰہ میں

بھیا سلام کرتی ہے خواہر جواب دو ۔ چلّا رہی ہے دخترِ حیدر جواب دو
سوکھی زباں سے بہرِ پیمبر جواب دو ۔ (۱۹۳) کیونکر جیے گی زینبِ مضطر جواب دو
جز مرگ دردِ ہجر کا چارا نہیں کوئی
میرا تو اب جہاں میں سہارا نہیں کوئی

بھیا میں اب کہاں سے تمھیں لاؤں کیا کروں ۔ کیا کہہ کے اپنے دل کو میں سمجھاؤں کیا کروں
کس کی دہائی دوں کسے چلاؤں کیا کروں ۔ (۱۹۴) بستی پرائی ہے میں کدھر جاؤں کیا کروں
دنیا تمام اجڑ گئی ویرانہ ہو گیا
بیٹھوں کہاں کہ گھر تو عزا خانہ ہو گیا

ہے ہے تمھارے آگے نہ خواہر گذر گئی　　بھیا بتاؤ کیا تہ خنجر گذر گئی
آئی صدا نہ پوچھو جو ہم پر گذر گئی　(۱۹۵)　صد شکر جو گذر گئی بہت گذر گئی
سر کٹ گیا ہمیں تو الم سے فراغ ہے
گر ہے تو بس تمھاری جدائی کا داغ ہے

گھر لوٹنے کو آئے گی اب فوج نابکار　　کہیو نہ کچھ زباں سے بجز شکر کردگار
خیمے میں جب کہ آگ لگا دیں ستم شعار　(۱۹۶)　رہیو مری یتیم سکینہ سے ہوشیار
بیزار ہے وہ خستہ جگر اپنی جان سے
باندھے نہ کوئی اُس کا گلا ریسمان سے

بس اے انیس ضعف سے لرزاں ہیں بند بند　　عالم میں یادگار رہیں گے یہ چند بند
نکلے قلم سے ضعف میں کیا کیا بلند بند　(۱۹۷)　عالم پسند لفظ ہیں سلطاں پسند بند
یہ فصل اور یہ بزم عزا یادگار ہے
پیری کے ولولے ہیں خزاں کی بہار ہے

کتبہ علی حسین لکھنوی

سلام

اور

رُباعیاں

سلام

(۱)

خود نویدِ زندگی لائی قضا میرے لیے — شمع کشتہ ہوں فنا میں ہے بقا میرے لیے
زندگی میں تو نہ اک دم خوش کیا ہنس بول کر — آج کیوں روتے ہیں میرے آشنا میرے لیے
کنجِ عزلت میں مثالِ آسیا ہوں گوشہ گیر — رزق پہونچاتا ہے گھر بیٹھے خدا میرے لیے
تو سراپا اجر اے زاہد میں سرتاپا گناہ — باغِ جنت تیری خاطر کربلا میرے لیے
کہتے تھے شہ سخت ہے تیغ و گلو کا مرحلہ — یہ بھی مشکل سہل کر دے گا خدا میرے لیے
آبرو و مال و فرزندانِ صالح عز و جاہ — کس کی خاطر یہ ہوا جو کچھ ہوا میرے لیے
بھر دیا دامن کو مولا نے دُرِ مقصود سے — زر دیا زر پر عطا پہ کی عطا میرے لیے
نام روشن کر کے کیونکر بجھ نہ جاتا مثلِ شمع — ناموافق تھی زمانے کی ہوا میرے لیے
ہر نفس آئینۂ دل سے یہ آتی ہے صدا — خاک تو ہو جا تو حاصل ہو جلا میرے لیے
بھیج دے جنت میں یا دوزخ میں ہاں مجرم تو ہوں — تو ہے عادل جو مناسب ہو سزا میرے لیے
اے ہوس اپنی اپنی قسمت اس میں کیا گلا — کیمیا تیرے لیے خاکِ شفا میرے لیے
خاک کو ہو خاک سے الفت تڑپتا ہوں انیس — کربلا کے واسطے میں کربلا میرے لیے

(۲)

رنجِ دنیا سے کبھی چشم اپنی نم رکھتے نہیں — جز غمِ آلِ عبا ہم اور غم رکھتے نہیں

کربلا پہونچے زیارت کی ہمیں پرواہے کیا — اب ارم بھی ہاتھ آئے تو قدم رکھتے نہیں

در پہ شاہوں کے نہیں جاتے فقیر اللہ کے — سر جہاں رکھتے ہیں سب ہم واں قدم رکھتے نہیں

دیکھنا کل ٹھوکریں کھاتے پھرینگے اُن کے سر — آج نخوت سے زمیں پر جو قدم رکھتے نہیں

کہتے تھے اعدا کہ بچے بھی علی کے شیر ہیں — جب بڑھاتے ہیں تو پھر پیچھے قدم رکھتے نہیں

دھو دیے اشکوں نے دفتر سے تمام اعمالِ زشت — ہم تری پروا کچھ اے ابرِ کرم رکھتے نہیں

جو سخی ہیں مالِ دُنیا سے ہیں خالی اُنکے ہاتھ — اہلِ دولت جو ہیں وہ دستِ کرم رکھتے نہیں

جو مقدر ہے وہ ملتا ہے تری سرکار سے — ہم ہیں صابر کچھ خیالِ بیش و کم رکھتے نہیں

قطعہ

زور سے اس کے لیا ہے ہم نے میدانِ سخن — اور نیزہ ہاتھ میں غیر از قلم رکھتے نہیں

یہ دوات و خامہ ہے ملکِ فصاحت کا نشاں — کون کہتا ہے کہ ہم طبل و علم رکھتے نہیں

نقدِ جاں تک دے کے ہم جاتے ہیں یاں سے وقتِ کوچ — عاریت جو شے ہو اس کو پاس ہم رکھتے نہیں

ایک کشکولِ توکل ایک نقدِ جاں ہے پاس — ہیں غنی دل کے کوئی دام و درم رکھتے نہیں

کہتے تھے سجاد کھنچ سکتی نہ تھیں جب بیڑیاں — کیا کروں اس بوجھ کی طاقت قدم رکھتے نہیں

مرثیہ اک دن میں کیا سب کہہ کے اُٹھ گئے انیس — ہاتھ سے کیوں آج قرطاس و قلم رکھتے نہیں

(۳)

نمود و بود کو عاقل حباب سمجھے ہیں — وہ جاگتے ہیں جو دنیا کو خواب سمجھے ہیں

کبھی بُرا نہیں جانا کسی کو اپنے سوا — ہر ایک ذرّے کو ہم آفتاب سمجھے ہیں

کریم مجھ کو عطا کر وہ فقر دُنیا میں — کہ جس کو فخرِ رسالت مآب سمجھے ہیں

بھگو کے کھاتے ہیں پانی میں نانِ خشک کو وہ — اِس آبرو کو جو موتی کی آب سمجھے ہیں

ابوتراب کے در کا ہے ذرہ بیقرار — ہم آسماں پہ جسے آفتاب سمجھے ہیں
ارے نہ آئیو دنیا کے دوں کے دھوکے میں — سراب ہے یہ جسے موج آب سمجھے ہیں
یہ شان تاک ہے کہتے ہیں جسکو آب طرب — یہ خونِ گل ہے جسے سب گلاب سمجھے ہیں
شباب کھو کے بھی غفلت وہی ہے پیروں کو — سحر کی نیند کو بھی شب کا خواب سمجھے ہیں
جھکائیں سر کو نہ کیونکر عراق کے فصحا — سوال شاہ کو سب لاجواب سمجھے ہیں
خدا کی راہ میں ایذا سے جن کو راحت ہے — زمین گرم کو وہ فرش خواب سمجھے ہیں
انیس مخمل و دیبا سے کیا فقیروں کو — اسی زمین کو ہم فرش خواب سمجھے ہیں

(۴)

کوئی انیس کوئی آشنا نہیں رکھتے — کسی کی آس بغیر از خدا نہیں رکھتے
نہ روئے بیٹوں کے غم میں حسینؑ اہ رے صبر — یہ داغ ہوش بشر کے بجا نہیں رکھتے
کسی کو کیا ہو دلوں کی شکستگی کی خبر — کہ ٹوٹنے میں یہ شیشے صدا نہیں رکھتے
حسینؑ کہتے تھے سونے کو پاؤں پھیلا کر — سوائے قبر کوئی اور جا نہیں رکھتے
سوائے کوثر و تسنیم و خلد باغ بہشت — یہ شاک ہیں وہ گہر جو بہا نہیں رکھتے
قناعت و گہر آبرو و دولت دیں — ہم اپنے کیسہ خالی میں کیا نہیں رکھتے
فشار قبر کا ڈر ہو تو اُن کو ہو جو لوگ — کفن میں صرۂ خاک شفا نہیں رکھتے
ہمیں تو دیتا ہے رازق بغیر منّت خلق — وہی سوال کریں جو خدا نہیں رکھتے
فقیر دوست جو ہو ہم کو سرفراز کرے — کچھ اور فرش بجز بوریا نہیں رکھتے
غمِ حسین کے داغوں سے دل کرو روشن — خبر لحد کے اندھیرے کی کیا نہیں رکھتے

مسافرِ شبِ اوّل بہت ہے تیرہ و تار
چراغ قبر ابھی سے جلا نہیں رکھتے

خدا نے آیۂ تطہیر جن کو بھیجا تھا
وہ پردہ دار سروں پر ردا نہیں رکھتے

سکینہ کہتی تھی کیونکر نہ دم گھٹے امّاں
وہاں ہیں بند جو حجرے ہوا نہیں رکھتے

فلک پہ شور تھا کٹتا ہے حلق پاک رسولؐ
حسینؑ تیغ کے نیچے گلا نہیں رکھتے

جہاں زال نبی کیا بچے بتا ہی سنے
تما طم ایسا ہوا ورنا خدا نہیں رکھتے

گلا ہے اصغرِ معصوم و تیر و اویلا
یہ ظلم وہ ہیں کہ جو انتہا نہیں رکھتے

فقط حسینؑ پہ یہ تفرقہ پڑا ورنہ
کسی کی لاش کو سر سے جدا نہیں رکھتے

انیسؔ بیچ کے جان اپنی ہند سے نکلو
جو توشۂ سفرِ کربلا نہیں رکھتے

(۵)

اسی کا نور ہر اک شے میں جلوہ گر دیکھا
اسی کی شان نظر آ گئی جدھر دیکھا

علیؑ کو حق نے اتارا جو عین کعبہ میں
کھلی جو آنکھ تو پہلے خدا کا گھر دیکھا

بروزِ عید بھی آیا جو کوئی ملنے کو
غمِ حسینؑ میں سادؑ کو نوحہ گر دیکھا

قریبِ قبر ہم آئے کہاں کہاں پھر کر
تمام عمر ہوئی جب تو اپنا گھر دیکھا

سحر ہوئی شبِ معراج کی تو لوگوں نے
جمالِ پاک رخِ سیّد البشر دیکھا

کہا یہ سب نے غلاموں سے کیجیے ارشاد
جو کچھ حضور نے یا شاہ بحر و بر دیکھا

گہر فشاں ہوئے لعلِ لب رسولِ کریم
کہ سب سے رتبۂ حیدر زیادہ تر دیکھا

ورائے کرسی و عرشِ عظیم و لوح و قلم
وصی کا نور ہر اک شے میں جلوہ گر دیکھا

ولی ولی کی صدا اٹھی جہاں جہاں پہونچا
علیؑ علیؑ نظر آئے جدھر جدھر دیکھا

کسی کی ایک طرح پر بسر ہوئی نہ انیس — عروج مہر بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا

(۶)

غمِ شہ کا جس نے بیاں کر دیا — ان آنکھوں نے دریا رواں کر دیا
گھٹا زورِ مشقِ سخن بڑھ گئی — ضعیفی نے ہم کو جواں کر دیا
سبک ہو چلی تھی ترازوئے شعر — مگر ہم نے پلّہ گراں کر دیا
مری قدر کر اے زمینِ سخن — تجھے بات میں آسماں کر دیا
لکھی شہ کے خالِ معنبر کی مدح — قلم نے ہمیں نکتہ داں کر دیا
فلک سے ہوا کب مرا کام سہل — مگر ہاں جنازہ رواں کر دیا
زہے شفقتِ سبطِ خیر الورے — عجب رتبۂ میہماں کر دیا
کوئی جانتا بھی نہ تھا حر کا حال — اُسے دم میں جانِ جہاں کر دیا
کہاں ایک ذرہ کہاں آفتاب — خدا نے کسے مہرباں کر دیا
گھٹا فکر میں جسم مثلِ قلم — سراپا کو صرفِ زباں کر دیا
نہ کی آہ کچھ عمرِ رفتہ کی قدر — عجب جنس کو رائگاں کر دیا
نہ دیکھی گئی شہ سے اصغر کی لاش — زمیں میں سپر کو نہاں کر دیا
ہوئے دفن اکبر تو چلائی ماں — اجل نے زمیں میں نہاں کر دیا
چھپانے لگے ہم سے مُنھ قبر میں — انھیں جب خدا نے جواں کر دیا
جو پوچھی علمدار نے جائے قبر — ترائی میں شہ نے نشاں کر دیا
نوا سنجیوں نے تری اے انیس — ہر اک زاغ کو خوش بیاں کر دیا

(٧)

سدا ہے فکرِ ترقی بلند بینوں کو — ہم آسمان سے لائے ہیں ان زمینوں کو

پڑھیں درود نہ کیوں دیکھ کر حسینوں کو — خیالِ صنعتِ صانع ہے پاک بینوں کو

لحد میں سوئے ہیں چھوڑا ہے شہ نشینوں کو — قضا کہاں سے کہاں لے گئی مکینوں کو

یہ جھریاں نہیں ہاتھوں پہ ضعفِ پیری نے — چُنا ہے جامۂ اصلی کی آستینوں کو

لگا رہا ہوں مضامینِ نو کا پھر انبار — خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

بجا ہے اس لئے اکبر سے تھا حسینؑ کو عشق — کہ دوست رکھتا ہے اللہ بھی حسینوں کو

غضب ہے اہلِ ستم اُس میں جائیں دَرانہ — جس آستاں پہ ملائک رکھیں جبینوں کو

نظر میں پھرتی ہے وہ تیرگی وہ تنہائی — لحد کی خاک ہے سُرمہ مآل بینوں کو

بشر کو چاہیے دُنیا میں اُسکے حسن سے عشق — کہ جس نے خلق میں پیدا کیا حسینوں کو

غلط یہ لفظ وہ بندش بری یہ مضمون سست — ہنر عجیب ملا ہے یہ نکتہ چینوں کو

لگا وغا میں ٹپکنے لہو جو قبضے سے — چڑھا لیا شہِ والا نے آستینوں کو

وہاں کیسۂ زر بند رکھ پر اے منعم — خدا کے واسطے وا کر جبیں کی چینوں کو

خیالِ خاطرِ احباب چاہیے ہر دم — انیسؔ ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

(٨)

علیؑ سا بھی نہ کوئی عادلِ زمانہ ہوا — کہ ایک باز و کبوتر کا آشیانہ ہوا

سیاہ دیدۂ شبیرؑ میں زمانہ ہوا — ہوائے ظلم سے جب گُل چراغ خانہ ہوا

امیر جس درِ دولت پہ اک زمانہ ہوا — وہ گھر اُجڑ گیا غارت وہ کارخانہ ہوا

مکیں رہے نہ مکاں طرفہ کارخانہ ہوا ۔۔۔ زمیں اُلٹ گئی کیا منقلب زمانہ ہوا
حسینؑ نے کبھی شکوہ کیا نہ اُمت کا ۔۔۔ گلہ ہوا بھی کسی سے تو دوستانہ ہوا
بچھا ہے قاف سے تا قاف جسکا خوانِ کرم ۔۔۔ نصیب اُسے نہ کئی دن تک آب و دانہ ہوا
شباب تھا کہ دمِ واپسیں کی آمد و شد ۔۔۔ یہ مضطرب ادھر آیا اُدھر روانہ ہوا
جو زندے پھرتے ہیں قبروں پہ کہتے ہیں مردے ۔۔۔ کہ ہم بھی پھرتے تھے یونہیں اسے زمانہ ہوا
اندھیری قبر تھی اور میں تھا یا علیؑ ولی ۔۔۔ حضورؑ آ لئے تو روشن سیاہ خانہ ہوا
گرائی برق اُسی پر فلک نے یا تقدیر ۔۔۔ جو کھیت میں مری قسمت کا ایک دانہ ہوا
لحد یہ کہتی ہے میت سے اب تو اور رہیں ۔۔۔ جو ساتھ آیا تھا وہ قافلہ روانہ ہوا
کیا قبول قناعت سے بحرِ عالم میں ۔۔۔ صدف کی طرح میسر جو آب و دانہ ہوا
پڑا جو سایۂ گیسوئے پیچ دار حسینؑ ۔۔۔ تو ذوالجناح یہ سمجھا کہ تازیانہ ہوا
کشاں کشاں مجھے جانا پڑا وہاں آخر ۔۔۔ جہاں جہاں مری قسمت کا آب و دانہ ہوا
سحاب سائے میں رکھتا تھا جسکے نانا کو ۔۔۔ لحد کو اُسکی میسر نہ شامیانہ ہوا
ملا نہ اصغرِ ناداں کو جام پانی کا ۔۔۔ صراحی دار گلا تیر کا نشانہ ہوا
وہ زلف چوبِ سناں پہ تھی ہزار افسوس ۔۔۔ نبیؐ کے پنجۂ مژگاں سے جسمیں شانہ ہوا
رہا نہ کوئی بہتر میں ظہر تک باقی ۔۔۔ حسینؑ رہ گئے سب قافلہ روانہ ہوا
فراق شہ کا نہ صدمہ اُٹھا سکینہ سے ۔۔۔ قلق سے جان گئی موت کا بہانہ ہوا

بھٹک کے راہ سے پیچھے کہیں نہ رہ جاؤ
اُٹھو انیس اُٹھو کارواں روانہ ہوا

ناکارواں

(۹)

گزر گئے تھے کئی دن کہ گھر میں آب نہ تھا
مگر حسینؑ سے صابر کو اضطراب نہ تھا

نمود و بود بشر کیا محیط عالم میں
ہوا کا جب کوئی جھونکا چلا حباب نہ تھا

فشار سے جو بچا میں ہوا زمیں کو عجب
صدا یہ قبر نے دی حکم بوتراب نہ تھا

اگر بہشت میں ہوتے نہ کوثر و تسنیم
تو رونے والوں کی آنکھوں کا پھر جواب نہ تھا

نہ جانے برق کی چشمک تھی یا شرر کی لپک
ذرا جو آنکھ جھپک کر کھلی شباب نہ تھا

حسینؑ اور طلب آب لے معاذ اللہ
تمام کرتے تھے حجت سوال آب نہ تھا

جسے نبیؐ نے بلایا ہوا وہ نخل نہال
ثمر اُسے بھی دیے جو کہ باریاب نہ تھا

حضور شاہ پھر آیا کہاں سے حُرِ شہید
خطا کی راہ میں گر جادۂ ثواب نہ تھا

علیؑ کے پائے مبارک نے جو ضیا پائی
وہ نور حضرتِ موسیٰؑ کو دستیاب نہ تھا

ہر اک کے ساتھ ہے روشن طلوع و غروب
سحر کو چاند نہ تھا شب کو آفتاب نہ تھا

فقط حسینؑ کے بچوں پہ بند تھا پانی
بہت قریب تھی وہ نہر قحط آب نہ تھا

انیسؔ عمر بسر کر دو خاکساری میں
کہیں نہ یہ کہ غلام ابوتراب نہ تھا

(۱۰)

مرا راز دل آشکارا نہیں
وہ دریا ہوں جس کا کنارا نہیں

وہ گل ہوں جدا سب سے ہو جس کا رنگ
وہ بو ہوں کہ جو آشکارا نہیں

وہ پانی ہوں شیریں نہیں جس میں شور
وہ آتش ہوں جس میں شرارا نہیں

بہت سال دنیا نے دیں بازیاں
میں وہ نوجواں ہوں کہ ہارا نہیں

فقیروں کی مجلس ہے سب سے جُدا
امیروں کا یاں تک گذارا نہیں
سکندر کی خاطر بھی ہے سدِ باب
جو دارا بھی ہو تو مدارا نہیں
گئے پہنے نعلین واں مصطفٰےؐ
فرشتے کا جس جا گذارا نہیں
جہنم سے ہم بیقراروں کو کیا
جو آتش پہ ٹھہرے وہ پارا نہیں
پھرے دوست جب ہو گئی قبر بند
کھلا اب کہ کوئی ہمارا نہیں
گرے ڈگمگا کر زمیں پر حسینؑ
فرس سے کسی نے اُتارا نہیں
کسی نے تری طرح سے اے انیسؔ
عروسِ سخن کو سنوارا نہیں

(۱۱)

ضبطِ گریہ ماتمِ سرور میں ہو سکتا نہیں
سر جُھکا کر بیٹھ مجلس میں جو رو سکتا نہیں
رات اندھیری پرسشِ اعمال ایذائے فشار
قبر میں بھی چین سے انسان سو سکتا نہیں
کار ذاتی میں ہیں عاجز کارسازانِ جہاں
اپنے مُنھ کی گرد پانی آپ دھو سکتا نہیں
کہتے تھے حضرتؑ وہ مشرق میں کہ مغرب میں رہیں
دوستوں کے ہم نہ کام آئیں یہ ہو سکتا نہیں
شاہ کہتے تھے کہ دُنیا بھی ہے عبرت کی جگہ
مر گیا بیٹا جواں اور باپ رو سکتا نہیں
نظم ہے یا گوہرِ شہوار کی لڑیاں انیسؔ
جوہری بھی اس طرح موتی پرو سکتا نہیں

(۱۲)

شبیہ امامِ زماں کھینچتے ہیں
تصور میں تصویرِ جاں کھینچتے ہیں
جگہ مول لی ہے مزاروں کی خاطر
زمیں پر شہ دیں نشاں کھینچتے ہیں
بہت ہم کو پیسا ہے اک دن تجھے بھی
شکنجے میں اے آسماں کھینچتے ہیں

قریں سر کے ہے آفتاب قیامت — لحد پر عبث سائباں کھینچتے ہیں

محبت کا رشتہ نہایت ہی نازک — مجھے کس لیے قدرداں کھینچتے ہیں

دکھا دوں زمین نجف کی بلندی — بہت آپ کو آسماں کھینچتے ہیں

زمیں کے تلے جنکو جانا ہی اک دن — وہ کیوں سر کو تا آسماں کھینچتے ہیں

فقیروں نے یاں پاؤں پھیلا دیئے ہیں — عبث ہاتھ اہلِ جہاں کھینچتے ہیں

جھکاتے ہیں سر آستانِ علیؑ پر — سرِ فخر تا لامکاں کھینچتے ہیں

نکلیو نہ بدلی سے اے برق خاطف — حسینؑ آہ آتش فشاں کھینچتے ہیں

سخن ہے اگر باعثِ تلخ کامی — تو ہم آپ اپنی زباں کھینچتے ہیں

زمیندار سیراب ہیں کربلا کے — اذیت امام زماں کھینچتے ہیں

ادھر خشک ہی فاطمہؑ کی زراعت — وہ کھیتوں میں آب رواں کھینچتے ہیں

ہوا جن کو لگنے نہ دیتی تھی بلبل — وہی گل جفائے خزاں کھینچتے ہیں

کہاں بیڑیاں اور کہاں پائے عابد — یہ لنگر کہیں ناتواں کھینچتے ہیں

پسینہ نہیں پونچھتے رخ سے حضرت — گلاب گلِ ارغواں کھینچتے ہیں

کہا حُر سے شہ نے گناہوں پہ تیرے — خطِ عفو اے میہماں کھینچتے ہیں

انھیں کے لئے ہی زمانے کی تلخی — بڑے رنج شیریں زباں کھینچتے ہیں

عجب حال ہے دخترِ فاطمہؑ کا — ردا سر سے ایذا رساں کھینچتے ہیں

پکاری سکینہ دُہائی ہے بابا — ستمگر مری بالیاں کھینچتے ہیں

جسے دیکھ کر ہووے مانی کو حیرت — وہ تصویر یہ رنگیں بیاں کھینچتے ہیں

آبر — کہاروکے عالم نے اے دردتھم جا — کلیجے سے بابا سناں کھینچتے ہیں
انیس اس زمیں میں بہت کم ہے وسعت — کمیت قلم کی عناں کھینچتے ہیں

(۱۳)

ابتدا سے ہم ضعیف و ناتواں پیدا ہوئے — اڑ گیا جب رنگ رخ سے استخواں پیدا ہوئے
خاکساری نے دکھائیں رفعتوں پر رفعتیں — اس زمیں سے واہ کیا کیا آسماں پیدا ہوئے
علم خالق کا خزانہ ہے میانِ کاف و نون — ایک کُن کہنے سے یہ کون و مکاں پیدا ہوئے
ہاتھ خالی آئی لاشوں پر شہیدوں کے نسیم — پھول بھی اس فصل میں ایسے گراں پیدا ہوئے
نوبتِ جمشید و دارا و سکندر اب کہاں — خاک تک چھانی نہ قبروں کے نشاں پیدا ہوئے
جو عدم سے آگیا دنیا میں بولی ہنس کے موت — اور لو دو چار دن کے میہماں پیدا ہوئے
ضبط دیکھو سب کی سن لی پر نہ اپنی کچھ کہی — اس زباں دانی پہ گویا بے زباں پیدا ہوئے
جان دی حر نے تو حضرت نے دیا باغ ارم — میہماں ایسے نہ ایسے میزباں پیدا ہوئے
بود و نابود علی اصغر کا کیا کیجے بیاں — بے زباں دنیا سے اٹھے بے زباں پیدا ہوئے
دیکھ کر لاشوں کو حضرت کہتے تھے واغربتا — موت لے آئی کہاں ان کو کہاں پیدا ہوئے
احتیاطِ جسم کیا انجام کو سوچو انیس — خاک ہونے کو یہ مشتِ استخواں پیدا ہوئے

(۱۴)

شبیر کے غم میں رو رہے ہیں — منھ آبِ گہر سے دھو رہے ہیں
گندم گندم سے جو سے جو ہے — کاٹیں گے وہی جو بو رہے ہیں
بے رنج ہیں خفتگانِ مرقد — کیسے راحت سے سو رہے ہیں

بے آب ہے شہ کو تیسرا دن — اعدا سیراب ہو رہے ہیں
بیڑا اُمّت کا تھا سے منے کو — کشتی اپنی ڈبو رہے ہیں
اکبر سے پسر کو دی ہے رخصت — اپنی دولت کو کھو رہے ہیں
محبوبِ خدا کے تن کے کپڑے — اعدا خوں میں ڈبو رہے ہیں
روتے نہیں بزم میں گنہگار — فردِ عصیاں کی دھو رہے ہیں
ہے سلکِ گہر یہ رشتۂ نظم — کیا کیا موتی پرو رہے ہیں
بہتا ہے انیس خونِ انصاف — مضموں مرے قتل ہو رہے ہیں

(۱۵)

پڑا جو عکس تو ذرّہ بھی آفتاب بنا — خدا کے نور سے جسمِ ابو تراب بنا
بنائے روضۂ سرور جو کربلا میں ہوئی — فلک پکارے کہ اب خلد کا جواب بنا
عمارتیں تو بنائیں خراب ہونے کو — اب اپنی قبر بھی اے خانماں خراب بنا
یہ مشتعل ہوئی سینے میں آتشِ غمِ شاہ — کہ آہ سیخ بنی اور دل کباب بنا
مرے گناہوں کے دفتر نے ابتری کی ہے — نئے سیاق سے بگڑا ہوا حساب بنا
جو آبرو کی طلب ہے تو کر عرق ریزی — کشاکش ہوئی تب پھول سے گلاب بنا
ہوا پہ کیوں ہیں تنک مایگانِ بحرِ جہاں — جو بڑھ گیا کوئی قطرہ تو کیا حباب بنا
ترے سلام میں ہے مرثیے کا سارا لطف — انیس نظمِ غمِ شہ میں اک کتاب بنا

رُباعیاں

(۱)

پتلی کی طرح نظر سے مستور ہے تو — آنکھیں جسے ڈھونڈھتی ہیں وہ نور ہے تو
اقرب ہے رگِ جاں سے اور اس پہ یہ بعد — اللہ اللہ کس قدر دور ہے تو

(۲)

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے — بلبل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا — جس پھول کو سونگھتا ہوں بو تیری ہے

(۳)

گلشن میں پھروں کہ سیرِ صحرا دیکھوں — یا معدن و کوہ و دشت و دریا دیکھوں
ہر جا تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے — حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

(۴)

رتبہ جسے دنیا میں خدا دیتا ہے — وہ دل میں فروتنی کو جا دیتا ہے
کرتے ہیں تہی مغز ثنا آپ اپنی — جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

(۵)

مال و زر و افسر و حشم ملتا ہے — ممکن ہے نگیں طبل و علم ملتا ہے
عنقا گوگردِ سرخ پارس اکسیر — یہ سب ملتے ہیں دوست کم ملتا ہے

(۶)

آدم کو عجب خدا نے رتبا بخشا ادنے کے لئے مقام اعلا بخشا
عقل و ہنر و تمیز و جان و ایماں اِس ایک کفِ خاک کو کیا کیا بخشا

(۷)

توقیر ترے ہی آستانے سے ملی عزت ترے در پہ سر جھکانے سے ملی
مال و زر و آبرو و دین و ایماں کیا کیا دَولت ترے خزانے سے ملی

(۸)

یہ اَوج یہ مرتبے ہُما کو نہ ملے یہ دَلق مرقع اُمرا کو نہ ملے
بخشی ہے خدا نے ہم کو یہ دولتِ فقر برسوں ڈھونڈھے تو بادشا کو نہ ملے

(۹)

دولت کا ہمیں خیال آتا ہی نہیں یہ نشۂ فقر ہے کہ جاتا ہی نہیں
لبریز ہیں یہ دَولتِ استغنا سے آنکھوں میں کوئی غنی سماتا ہی نہیں

(۱۰)

عزت رہے یار و آشنا کے آگے محجوب نہ ہوں شاہ و گدا کے آگے
یہ پانوٗں چلیں تو راہ مولا میں چلیں یہ ہاتھ جب اُٹھیں تو خدا کے آگے

(۱۱)

کٹ جاتے ہیں خود رنگ بدلنے والے کب تھمتے ہیں جو اشک ہیں ڈھلنے والے
اللہ رے ترے سخن کی تاثیر انیس رو دیتے ہیں مثل شمع جلنے والے

(۱۲)

بلبل یہاں آکے خوش بیانی سیکھے — انداز فغاں مجھ سے فغانی سیکھے
رونا مری آنکھوں سے کرے حاصل ابر — دریا مرے اشکوں سے روانی سیکھے

(۱۳)

نافہم سے کب دادِ سخن لیتا ہوں — دشمن ہو کہ دوست سب کی سُن لیتا ہوں
چھپتی نہیں بوئے دوستاں یک رنگ — کانٹوں کو ہٹا کے پھول چُن لیتا ہوں

(۱۴)

جس شخص کو عقبیٰ کی طلبگاری ہے — دُنیا سے ہمیشہ اُسے بیزاری ہے
اِک چشم میں کس طرح سمائیں دونوں — غافل یہ خواب ہے وہ عالم بیداری ہے

(۱۵)

راحت کا مزہ عدو سے جانی نکلا — دل سے نہ کبھی غمِ نہانی نکلا
پیاسے رہے آکے چاہ دنیا پہ انیسؔ — نکلا بھی کبھی تو شور پانی نکلا

(۱۶)

کیوں زر کی ہوس میں دربدر پھرتا ہے — جانا ہے تجھے کہاں کدھر پھرتا ہے
اللہ ری پیری میں ہوس دُنیا کی — تھک جاتے ہیں جب پاؤں تو سر پھرتا ہے

(۱۷)

دولت کی نہ خواہش ہے نہ زر چاہتے ہیں — نے مال نہ اسباب نہ گھر چاہتے ہیں
جو مزرعِ آخرت ہے وہ خشک نہ ہو — ہاں اک تری رحمت کی نظر چاہتے ہیں

(۱۸)

نیساں کو خجل دیدۂ تر سے پایا　　دامن کو بھرا ہوا گہر سے پایا
یہ لطف اُٹھایا نہ کسی شادی میں　　جو حظ غمِ شاہ بحر و بر سے پایا

(۱۹)

ہر دم غمِ سبطِ شہ لولاک کیا　　جب نام لیا چشم کو نمناک کیا
تر ہو گیا رومال تو پھاڑا دامن　　پایا نہ گریباں تو جگر چاک کیا

(۲۰)

مجلس میں عجب بہار چشمِ تر سے ہے　　ہر لخت جگر رشکِ گلِ احمر ہے
اشکوں سے ہو کیونکر آبرو آنکھوں کی　　بے قدر ہے وہ صدف جو بے گوہر ہے

(۲۱)

ہوتی ہے ہر ایک شے کی عالم میں بہار　　شادی کی خوشی میں غم کی ہے غم میں بہار
چھایا ہے دلوں پہ ابر اندوہ و ملال　　رونے کی ہے عشرۂ محرم میں بہار

(۲۲)

کس دن فرسِ خامہ تگ و دو میں نہیں　　تجھ سا بھی سیہ بخت کوئی سو میں نہیں
ہر چند کہ ہوں خسروِ اقلیمِ سخن　　پر غیر دوات کچھ قلمرو میں نہیں

(۲۳)

کیا حال کہیں دل کی پریشانی کا　　کھانے کی نہ لذت نہ مزا پانی کا
مرنا ہے کسی دشت کے دامن میں انیس　　پردہ ہے یہی جامۂ عریانی کا

(۲۴)

چل جلد اگر قصد سفر رکھتا ہے | تو کچھ بھی مآل کی خبر رکھتا ہے
راحت دُنیا میں کس نے پائی ہو انیس | جو سر رکھتا ہے دردِ سر رکھتا ہے

(۲۵)

کیا کیا دُنیا سے صاحبِ مال گئے | دولت نہ گئی ساتھ نہ اطفال گئے
پہونچا کے لحد تلک پھر آئے سب لوگ | ہمراہ اگر گئے تو اعمال گئے

(۲۶)

افسوس جہاں سے دوست کیا کیا نہ گئے | اِس باغ سے کیا کیا گلِ رعنا نہ گئے
تھا کون سا نخل جس نے دیکھی نہ خزاں | وہ کون سے گل کھلے جو مرجھا نہ گئے

(۲۷)

اَدبار کا کھٹکا حشم و جاہ میں ہے | جاگو جاگو کہ خوف اس راہ میں ہے
اُٹھو اُٹھو یہ خوابِ غفلت کب تک | دیکھو دیکھو اجل کمینگاہ میں ہے

(۲۸)

پیری آئی عذار بے نور ہوے | یارانِ شباب پاس سے دور ہوے
لازم ہے کفن کی یاد ہر وقت انیس | جو مُشک سے بال تھے وہ کافور ہوے

(۲۹)

درد و الم ممات کیونکر گذرے | یہ چند نفس حیات کیونکر گذرے
پیری کی بھی دوپہر ڈھلی شکر انیس | اب دیکھیں لحد کی رات کیونکر گذرے

(۳۰)

آغوش لحد میں جب کہ سونا ہوگا — جز خاک نہ تکیہ نہ بچھونا ہوگا
تنہائی میں آہ کون ہووے گا انیس — ہم ہوویں گے اور قبر کا کونا ہوگا

(۳۱)

مر مر کے مسافر نے بسایا ہے تجھے — رخ سب سے پھرا کے منہ دکھایا ہے تجھے
کیونکر نہ لپٹ کے تجھ سے سوؤں اے قبر — میں نے بھی تو جان دے کے پایا ہے تجھے

(۳۲)

طفلی دیکھی شباب دیکھا ہم نے — ہستی کو حباب آب دیکھا ہم نے
جب آنکھ ہوئی بند تو عقدہ یہ کھلا — جو کچھ دیکھا سو خواب دیکھا ہم نے

(۳۳)

کچھ عقل کی میزان میں تولا نہ گیا — چپ ہو گئے اس طرح کہ بولا نہ گیا
عقدے سب حل ہوئے مگر آہ انیس — یہ بند اجل کسی سے کھولا نہ گیا

(۳۴)

وہ موج حوادث کا تھپیڑا نہ رہا — کشتی وہ ہوئی غرق وہ بیڑا نہ رہا
سارے جھگڑے تھے زندگانی تک انیس — جب ہم نہ رہے کوئی بکھیڑا نہ رہا

(۳۵)

خاموشی میں یاں لذت گویائی ہے — آنکھیں جو ہیں بند عین بینائی ہے
نہ دوست کا جھگڑا ہے نہ دشمن کا فساد — مرقد بھی عجب گوشۂ تنہائی ہے

تمام شد

صفحہ	بند	مصرع	
۶	۱۷	۱	سردارِ شبابِ چمنِ خلدِ بریں۔ شباب بالعموم جوانی کے معنی میں مستعمل ہے مگر یہاں یہ لفظ شاب کی جمع ہے جسکے معنی ہیں 'جوان'۔ اس فقرے میں اشارہ ہے رسول کے اس قول کی طرف "اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّة" ، یعنی حسنؑ اور حسینؑ جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔
۹	۳۰	۳	اس مصرعے میں 'شرماتے ہیں' کا فاعل 'ہم' محذوف ہے۔ یہاں 'پانی پانی' کے استعمال سے کلام میں بڑا حسن پیدا ہوگیا ہے۔ اس لئے کہ 'پانی پانی ہونا' کے معنی ہیں شرمانا۔
۹	۳۱	۳	اَشْهَدُ بِاللہ۔ خدا کی گواہی دیتا ہوں۔ ایک قسم ہے۔
۹	۳۴	۲	یہ وہ بندے ہیں کہ اللہ پہ حق جن کا ہے۔ انھوں نے خدا کی راہ پر ایسے ایسے کارنمایاں انجام دیے ہیں کہ ان کا صلہ گویا خدا کے ذمّے واجب الادا ہے۔
۱۱	۴۰	۱ و ۲	'مردم' اور 'آنکھیں' میں صنعت ایہام تناسب ہے۔
〃	〃	۶	گھر خالصے لگ جائیگا۔ گھر ضبط ہو کر سرکاری ملکیت میں آجائے گا۔ (دیکھو فرہنگ و خالصے لگنا)
〃	۴۴	۲	آسے :- 'آیہ' کی اردو جمع ہے۔ قرآن کی آیتیں۔ اس مصرع میں لفظ 'آسے' دو جگہ مختلف معنوں میں آیا ہے۔ اس سے وہ صنعت پیدا ہوگئی ہے جسکو 'تجنیس تام' کہتے ہیں۔
〃	〃	۵	'آل' سے یہاں آل رسول مراد ہے۔
۱۲	۴۵	۳	جسکو کاندھے پہ محمدؐ کے ملی ہے معراج۔ جس کا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ وہ (بچپن میں) رسول خدا حضرت محمدؐ کے کاندھے پر سوار ہوا کیا ہے۔
〃	۴۷	۴	کبھو۔ یہ لفظ اب ہم بالعموم استعمال نہیں کرتے۔ یہاں قافیے کی پابندی سے استعمال کرنا پڑا ہے۔

صفحہ ۔ بند مصرع

١٢ ۴٩ اس بند میں لفظ "دار" نو مرتبہ آیا ہے۔ کبھی مستقل لفظ کی حیثیت سے کبھی کسی لفظ کے جزو کی حیثیت سے۔ یہ ایک طرح کی صنعت ہے۔

" " ٢ **دار** ۔ درخت

١٣ ۵٠ ٢ **بیت** ۔ شعر۔ جس طرح شعر کے دو مصرعے برابر کے ہوتے ہیں۔ اسی طرح دونوں بھویں برابر کی ہوتی ہیں اس لئے بھووں کو شعر یا بیت سے تشبیہ دیتے ہیں۔

١٣ ۵٠ ۴ **یوسف** اور **چاہ** میں صنعت ایہام تناسب ہے۔

" ۵٣ ٣ **بینہ** ۔ یہ لفظ اصل میں "بینا" ہے مگر چونکہ سینہ۔ کینہ۔ آئینہ۔ کے ساتھ قافیہ کیا گیا ہے اس لئے یوں لکھا گیا۔

١۵ ٦٢ ٢ **دربار سلیماں میں پری جاتی ہے** ۔ کہتے ہیں کہ پریاں حضرت سلیمانؑ کی اُمت میں ہیں یعنی اُن کو پیغمبر اور اپنا دینی پیشوا مانتی ہیں۔ سلیمان اور پری کا ایک ساتھ ذکر کرکے اُن کے اسی تعلق کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

١٦ ٦٨ ٦ **اسود** ۔ ایک اسلامی مجاہد جس نے مال غنیمت میں سے ایک زرہ چرائی تھی حضرت علیؑ نے قانون اسلام کے مطابق اُسکا ہاتھ کٹوا لیا۔ مگر وہ ہاتھ کٹنے کی حالت میں حضرت علیؑ کی تعریف کرتا رہا۔ اُسکا یہ فعل حضرت کو پسند آیا اور رسول ص نے خدا کے حکم سے اُسکا گناہ معاف کردیا اور ہاتھ جوڑ دیا۔

١٧ ٧٠ ۴ **خُذ بیدی** ۔ میرا ہاتھ پکڑو۔ یعنی میری مدد کرو۔ عربی فقرہ ہے۔

١٨ ٧۵ ١ **بِاَبی اَنْتَ وَاُمّی** ۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔

" ٧٨ ١ **لاکھ ہاتھ اُسکے ہیں دینے کے** ۔ وہ بڑا دینے والا ہے۔ لاکھ طریقوں سے دیتا ہو۔ یہاں "اُس" کا اشارہ خدا کی طرف ہے۔

١٩ ٨١ ٦ **فاتحہ پڑھ کے** ۔ مُردے کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے سورۂ فاتحہ اکثر پڑھا جاتا ہے۔ کسی شخص یا چیز کا (یا پر) فاتحہ پڑھنا کے مجازی معنی ہیں اُس سے ہاتھ اُٹھانا۔ مایوس ہونا۔ اُسکی آس چھوڑ دینا۔ اسکی توقع نہ رکھنا۔ یہاں زیر نظر فقرے کے معنی ہیں زندگی سے ہاتھ دھو کے۔

صفحہ بند مصرع

۱۹ ۸۴ ۵و۶ اس بیت میں انیسؔ نے امام حسینؑ کی مجبوری ونا داری کی انتہا دکھائی ہے کہ تندرست اور سن دار لوگوں کو کھانا پانی نہ ملنے کا کیا ذکر۔ چھ مہینے کے بچے کے لئے دودھ اور بیمار و نحیف بیٹے کے لئے دوا تک میسر نہیں۔

۲۰ ۸۷ ۳ برچھیوں اُڑتا تھا۔ بہت اونچی جست کرتا تھا۔ بعض لوگ اس محل پر "برچھیوں" کو غلط سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ صحیح محاورہ صرف "برچھوں اُڑنا" ہے۔ مگر اُن کا یہ خیال صحیح نہیں۔ میرانیسؔ نے ایک اور بیت میں بھی "برچھیوں اُڑنا" نظم کیا ہے

اُڑ اُڑ کے برچھیوں جو اترتا تھا کھیت میں گھوڑے کے چاروں پاؤں نہ آتے تھے بیت میں

میر مونسؔ نے بھی "برچھیوں اُڑنا" کہا ہے۔ ؎

اُڑ اُڑ کے برچھیوں وہ تگاور روانہ تھا نیزے کا عکس اُس کے لیئے تازیانہ تھا

۲۰ ۹۲ ۳ حضرت داؤدؑ ایک پیغمبر تھے خدا نے اُن کو یہ معجزہ عطا کیا تھا کہ اُنکے ہاتھ میں لوہا بالکل نرم ہو جاتا تھا۔ اسی لئے اُنھوں نے زرہ سازی کو اپنا پیشہ قرار دیا تھا۔ اس مصرعے میں انھیں باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

״ ״ ۶ قاف ملک کاکیشیا میں ایک پہاڑ ہے۔ کاکیشیا کی عورتیں بہت خوبصورت ہوتی ہیں۔ غالبًا اسی بنا پر کوہِ قاف پریوں کا مسکن سمجھا جاتا ہے۔ اور ہر پریاں حضرت سلیمان کی اُمت میں ہیں۔ اسی وجہ سے قاف اور سلیماں میں ایک نسبت ہے۔

״ ۹۴ ۴ خسرو ایران کے ایک بادشاہ کا نام ہے۔ جسکے پاس آٹھ خزانے ایسے تھے کہ اُن کا جواب روے زمین پر نہ تھا۔

۲۲ ۹۶ ۳ **قمر برج امامت** ۔ امامت کے برج کا چاند۔ ذی مرتبہ امام۔ امام حسینؑ

״ ۹۸ ۴ **فاتحہ** ۔ قرآن کا پہلا سورہ جسکو سورہ حمد بھی کہتے ہیں۔ اس کا پڑھنا برکت اور کامیابی کا باعث خیال کیا جاتا ہے۔

صفحہ بند مصرع

۲۴ ۱۰۳ ۴ **آنکھوں میں گھر کرنا** - آنکھوں میں سمانا - جُھٹلانا - ڈھٹائی کرنا - سخن پروری کرنا - موہ لینا - محبوب ہونا - ۔

۲۴ ۱۰۴ ۱ **پرکالا** - چنگاری - ٹکڑا - اصل میں یہ لفظ 'پرکالہ' ہے - لیکن چونکہ 'کالا'، 'بھالا'، 'ڈالا'، کے ساتھ قافیہ کیا گیا ہے اس لئے 'پرکالا' لکھا گیا -

〃 〃 ۲ **کالا** - سانپ - صفت بول کر موصوف مراد لیا ہے -

〃 〃 ۴ **ڈورا ڈالا** - اصل محاورہ ڈورے ڈالنا ہے - یہاں قافیے کی ضرورت سے محاورے میں ذرا سا تغیر کر دیا گیا ہے - 'ڈورے ڈالنا' کے معنی ہیں اپنی طرف مائل کرنا - پرچانا - ڈھب پر لانا - پھانسنا - لگاوٹ کرنا -

〃 〃 ۵ **گھولا ہے** - گھلا ہوا ہے -

〃 〃 ۶ **سیفی** - ایک عمل کا نام ہے جس میں دشمن کی ہلاکت کی نیت سے کوئی دعا خاص شرائط کے ساتھ پڑھی جاتی ہے -

〃 ۱۰۷ ۲ **سر اٹھانا** - فخر کرنا - غرور کرنا - شور و شر کرنا - لوگوں کو ستانا -

〃 〃 〃 **یہ** - اِس لئے - یہ ظاہر کرنے کے لئے -

۲۵ ۱۱۱ ۵ و ۶ **مفتاح** - کنجی - 'فتح'، اور 'مفتاح'، 'قبضہ' اور 'قابض' میں صنعتِ اشتقاق ہے -

۲۶ ۵ ۱ **الف گرز کو کر دیتی تھی ہر ضرب میں دال** - ہر چوٹ اتنی کڑی پڑتی تھی کہ جو گُرز حرفِ الف کی طرح سیدھے تھے وہ حرفِ دال کی طرح ٹیڑھے ہو جاتے تھے -

۲۷ ۱۲۰ ۲ **بارک اللہ** - خدا برکت دے - کلمۂ تحسین ہے -

〃 〃 〃 **دلبرِ شاہ** - امام حسینؑ کا بیٹا یعنی حضرت علی اکبر -

۲۸ ۱۲۹ ۲ **آپ** - اشارہ ہے امام حسینؑ کی طرف -

۲۹ ۱۳۰ ۶ **بچپن کے غلاموں سے** - حبیب ابن مظاہر نے خود اپنی طرف اشارہ کیا ہے - وہ امام حسینؑ کے ساتھ کے کھیلے ہوئے بچپن کے دوست تھے -

صفحہ بند مصرع

۲۹ ۱۳۱ ۱ **نیم وا**۔ ادھ کھلی۔

" ۱۳۲ ۶ نیند آنے کے وقت ایک خاص طرح کا سرور حاصل ہوتا ہے۔ باکمال شاعر اس مصرع کے ذریعے سے یہ دکھانا چاہتا ہے کہ چونکہ حر پر امام حسینؑ کی نظر عنایت تھی اور وہ خدا کی راہ میں شہید ہوا تھا لہٰذا موت کی شدید تکلیف اُسکے لئے نیند آنے کی لذت بن گئی۔

۳۰ ۱۳۶ ۵ **دخترِ فاطمہ**۔ فاطمہ کی بیٹی حضرت زینب۔

۳۱ ۱۴۲ ۵ **عشرہ ماہِ عزا**۔ محرم کے مہینے کے ابتدائی دس دن۔ چونکہ محرم میں امام حسینؑ کا غم کیا جاتا ہے اس لئے اسکو ماہ عزا کہتے ہیں۔

۳۲ ۱ ۱ **خدا کی فوج**۔ ایسی فوج جو خدا کی راہ میں جہاد کرنے کو تیار تھی۔

۳۳ ۷ ۴ **اب**۔ حسینی فوج میں حضرت عباس سب سے زیادہ دلیر اور فن جنگ کے سب سے بڑے ماہر تھے۔ اس لئے جب انکو لشکر کا علم دیا گیا یعنی وہ فوج کے علمدار بنا دیئے گئے تو بہادر سپاہیوں کے لئے اُنکی سرکردگی میں جنگ کرنے کا خیال نہایت دل خوش کن تھا۔

۳۴ ۱۳ ۵ 'شور' اور 'نمک' میں صنعت ایہام تناسب ہے۔

" ۱۴ ۲ **مُسکرا کے جھکاتے تھے اپنا سر**۔ اس سے حضرت عباسؑ کی خوش مزاجی شرافت اور فروتنی ظاہر ہوتی ہے۔ بلند نگاہ اور عالی ظرف لوگوں کا خاصہ ہے کہ جتنا اُن کا رتبہ بڑھتا جاتا ہے اُتنا ہی اُن میں انکسار آتا جاتا ہے۔

" ۱۴ ۵ 'وہ' کا اشارہ علم کی طرف اور 'یہ' کا حضرت عباس کی طرف ہے۔

" " " **کیواں جناب**۔ کیواں ایک تارے کا نام ہے جو بہت بلندی پر ہے۔ ساتویں آسمان کو بھی کہتے ہیں۔ 'جناب' کے معنی ہیں دہلیز، چوکھٹ۔ کیوان جناب کے معنی ہوئے وہ جسکی چوکھٹ ساتویں آسمان، یا کیواں تارے کے برابر اونچی ہو یعنی جسکا مرتبہ بہت بلند ہو۔

صفحہ	بند	مصرع	
٣٤	١٤	٦	**دو آفتاب** - ایک حضرت عباس کا نورانی چہرہ دوسرا چمکتا ہوا علم۔
٣٥	١٨	٤	**آئے عقب سے شہ کے** - اس مصرع میں امام حسینؑ کے گھرانے کی اعلیٰ تربیت اور عون و محمد کی تہذیب دکھائی گئی ہے۔ کسی بزرگ کے سامنے سے گزرنا بے ادبی ہے۔ اس لئے عون و محمد امام حسینؑ کی پشت کی طرف سے گئے۔
٣٦	٢٤	١	ہا - ممانعت اور تنبیہ کا کلمہ۔
٣٧	٢٦	١	ایشیائی تمدن کی رو سے دودھ پلانے کا حق سب سے زیادہ ہے اس لئے سب سے بڑی قسم جو ماں اپنی اولاد کو دے سکتی ہے وہ اپنے دودھ کی قسم ہے۔
″	٢٦	٣	اس مصرع میں بند ١٥ کی طرف اشارہ ہے۔
″	٣٨	″	**لہو آسمان پر (ہوگا)** - تلوار سے جو خون اُڑیگا وہ آسمان تک یعنی بہت بلندی تک پہنچے گا۔
٣٩	٣٩	١ و ٢	عون و محمد نے جس جوش، جرأت، خلوص اور وثوق کے ساتھ گفتگو کی تھی اُسکا اظہار اس سے بہتر پیرائے میں ناممکن ہے۔
٤٠	٤٠	٦	نماز جمعہ کے خطبے میں بادشاہ اسلام کا نام داخل کر دیا جاتا تھا۔ اس لئے کسی کے نام کا خطبہ ہونا اُسکا بادشاہ اسلام تسلیم کیا جانا تھا۔
″	٤١	٤	**کنیز** - حضرت زینبؑ امام حسینؑ سے گفتگو کرنے میں خود کو انکسار سے کنیز کہتی ہیں۔
″	٤٣	٣	**پسر** - بیٹا - یہاں اولاد مراد ہے جس میں پوتے اور نواسے بھی شامل ہیں۔
٤١	٤٦	٥	میری ماں فاطمہ کے دو بیٹوں نے انتقال کیا ہے۔ میں بھی اُنکی وارث ہوں اس لئے مجھ کو بھی دو بیٹوں کی موت کا غم اُٹھانا چاہیے۔
٤٢	٥٣	٥	حملوں سے - ہمارے حملوں سے۔
″	٥٤	″	**جاہ و جلال** - مرتبہ اور عظمت - یہ لفظ یہاں کچھ بامحل نہیں معلوم ہوتے۔

صفحہ بند مصرع

۴۳ ۵۷ ۷ بوند نہ بخشوں گی شیر کی - دودھ پلانے کا حق اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ اُسکی ادائی تقریبًا محال ہے - اِس لئے ماں اپنے یا اولاد کے مرتے وقت اپنے اس حق کو معاف کردیتی ہے - اسی کو دودھ بخشنا کہتے ہیں - دودھ بخشنا ماں کی انتہائی ناراضی کی علامت ہے -

" ۵۹ ۱ لَیثِ بنی غالب - 'لیث' عربی میں شیر کو کہتے ہیں اور 'بنی غالب' کے معنی ہیں غالب کی اولاد - 'لیثِ بنی غالب' کے معنی ہوئے غالب کے خاندان کا شیر مراد حضرت علیؑ - غالب حضرت علیؑ کے ایک بزرگ کا نام ہے - اُن سے حضرت علیؑ تک گیارہ پشتیں ہوتی ہیں -

۴۴ ۶۳ ۳ لڑیاں تھیں چار ایک سی اشکوں کی دو طرف - یعنی امام حسینؑ اور حضرت زینب دونوں زار زار رو رہے تھے - اِس لئے آنسوؤں کی چار لڑیاں بن گئی تھیں - چار - ایک - دو میں صنعت سیاق الاعداد ہے -

۴۵ ۶۵ ۱ سردار خاص و عام - مراد امام حسینؑ -

" " ۴ سِر - راز - بھید - سِر اور سَر میں تجنیس محرف ہے -

" ۶۸ " سیدھے جائینگے - اسکے دو معنی ہیں - ایک یہ کہ بغیر کہیں ٹھہرے ہوئے - دوسرے یہ کہ سیدھے قد کے ساتھ - بہشت میں ہر شخص جوان ہو کر جائیگا - اس لئے بوڑھوں کی کمر سے خم دُور ہو کر اُن کا قد بھی سیدھا ہو جائیگا - اِس جملے سے دو معنی نکلتے ہیں اور دونوں ٹھیک ہیں - یہ ایک صنعت ہے جسکو 'ادماج' کہتے ہیں -

۴۵ ۶۸ ۵ قبضہ - تلوار کا قبضہ مراد ہے -

" ۶۹ ۴ حبیب ابن مظاہر کی آنکھیں دشمنوں کے لئے نہایت ہیبت ناک تھیں - یہاں تک کہ بڑھاپے میں جب بھویں لٹک کر آنکھوں پر آگئیں تو بھی اُن میں اُتنی ہیبت باقی

صفحہ بند مصرع

۔ رہی جتنی ذوالفقار میں میان کے اندر رہنے کی حالت میں ہوتی تھی اگر بڑھاپے نے یہ غلاف نہ چڑھا دیا ہوتا تو اُن میں وہ ہیبت ہوتی جو ذوالفقار میں اُس وقت ہوتی تھی جب وہ میدان جنگ میں میان سے باہر حضرت علیؑ کے ہاتھ میں بلند ہوتی تھی۔

۴۵ ۷۳ ۱ بچپن کے ایک واقعے کی طرف اشارہ ہے۔

۴۷ ۷۸ ۴ حساب کا ایک طریقہ 'عقد انامل' ہے جس میں ہاتھوں کی بعض اُنگلیاں جُھکانے اور سیدھی کرنے سے مختلف عدد بن جاتے ہیں۔ داہنے ہاتھ کی اُنگلیوں سے اکائیاں اور دہائیاں اور بائیں ہاتھ کی اُنگلیوں سے سیکڑے اور ہزار بنتے ہیں اس لئے اس مصرعے کا مفہوم یہ ہوا کہ یزیدی لشکر کے سپاہیوں کی تعداد سیکڑوں اور ہزاروں سے متجاوز تھی۔

۴۸ ۸۰ ۱ **سپاہی لشکر**۔ فوجوں کا مجمع۔

″ ۸۴ ۴ **ماہ چہار و دو پنج**۔ چار اور دو پنجے چودہ ہوئے۔ اس لئے اس فقرے کے معنی ہوئے چودھویں رات کا چاند۔

۴۹ ۸۶ ۴ 'بال' اور 'پر' میں صنعت ایہام تناسب ہے۔

۵۱ ۹۵ ۱ **تیغ و ترنج**۔ چھری اور لیموں۔ اس بند میں حضرت یوسف اور زلیخا کے قصے کی طرف اشارہ ہے۔

″ ۹۶ ۱ **لاریب فیہ**۔ اس میں شک نہیں۔

″ ۹۷ ۴ **طوبیٰ لکم**۔ تمہارے لئے بہتری یا خوشحالی ہے۔ یہ ایک طرح کی دُعا ہے۔

″ ″ ″ **شہ عالم پناہ**۔ دنیا کو پناہ دینے والا بادشاہ۔ مراد امام حسینؑ۔

″ ۹۹ ۲ **گردون دوں**۔ 'دوں' 'دوں' کی تکرار سے طبل کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ اس صنعت کو ایہام الصوت کہتے ہیں۔

صفحہ بند مصرع

۵۲ ۱۰۰ ۳ **صحرائے ہولناک کی وحشت ہوئی دوچند**۔ وہ میدان یوں ہی بہت خوفناک تھا فوجی باجوں کی آواز اور ہتھیاروں کی جھنکار نے اسے اور زیادہ خوفناک بنا دیا۔

〃 〃 ۵ '**دُہُل**' اور '**دَہَل**' میں تجنیس محرف ہے۔

〃 ۱۰۳ ۱ **ایلچیِ شاہ**۔ امام حسینؑ کا قاصد۔ مراد حضرت مسلمؑ بن عقیل جو امام حسینؑ کے چچازاد بھائی تھے۔ اور امام حسینؑ کا پیغام کوفے والوں کے پاس لے گئے تھے۔

۵۳ ۱۰۷ ۴ **زین چڑھے**۔ تیز دوڑنے کی مشق کئے ہوئے۔ یہ گھوڑوں کی صفت ہے۔

۵۴ ۱۱۰ ۲ **ابنِ عم**۔ چچا کا بیٹا۔ چچازاد بھائی۔

〃 ۱۱۱ ۱ **بے فصل**۔ بے فاصلہ۔ مسلمانوں میں ایک جماعت حضرت علیؑ کو رسولؐ کا چوتھا خلیفہ مانتی ہے اور ایک جماعت خلیفۂ بلافصل یعنی پہلا جانشین سمجھتی ہے۔

〃 ۱۱۱ ۲ **مدینۂ علمِ نبیؐ کا باب**۔ نبیؐ کے علم کے شہر کا دروازہ۔ رسول کا قول ہے "**اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا**" یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اُس کا دروازہ ہیں۔

〃 ۱۱۲ ۱ **کہف الورٰے**۔ انسانوں (مخلوقات) کی جائے پناہ۔

〃 〃 〃 **سراجِ ہُدیٰ**۔ رہنمائی کا چراغ۔

〃 〃 〃 **حجّتِ خدا**۔ خدا کا ثبوت یا دلیل یعنی ایسا مخلوق جس سے خالق کے اوصاف کا پتہ لگتا ہے۔

〃 ۱۱۲ ۶ '**پہنچا**' اور '**ہاتھ**' میں صنعت ایہام تناسب ہے۔

〃 ۱۱۳ ۲ **وہ بے شعور**۔ مراد عمر ابن سعد (دیکھو بند ۱۰۸ مصرع ۳ صفحہ ۵۳)

〃 ۱۱۴ ۴ روایت ہے کہ ایک جنگ میں حضرت علیؑ کی تلوار سے جبرئیلؑ کے پر کٹ گئے تھے۔

صفحہ بند مصرع

اس لئے جب حضرت علیؑ کے نواسوں نے میدان جنگ میں اُنھیں تیوروں سے
تلوار کھینچی تو فرشتوں کو اپنے پر بچانے کی فکر ہوئی اور وہ نادعلی پڑھ پڑھ کے اپنے
پروں پر پھونکنے لگے۔

۵۴ ۱۱۴ ۶ اک جا ہیں دو تیغچے یا ذوالفقار ہے۔ ذوالفقار کا پھل دُہرا تھا۔
اس لئے دو تیغچے ایک ساتھ دیکھنے سے ذوالفقار کا دھوکا ہوتا تھا۔

۵۵ ۱۱۸ ۱ تازی۔ عربی۔ مراد عربی گھوڑا۔ صفت بول کر موصوف مُراد لیا ہے۔

〃 〃 〃 سُبک تازی۔ تیز دَوڑنا۔

〃 ۱۱۹ ۶ موتی، اور لال، میں صنعت ایہام تناسب ہے۔

〃 ۱۱۶ ۳ مہ نوؔ۔ نئے چاند۔ مراد گھوڑے کے نعل۔

۵۸ ۳۰ ۳-۴ موتی کو حقیر کرنے کے لئے آب نیساں کا منجمد قطرہ کہا ہے اور اسی غرض سے لعل کو پتھر کہا۔

۵۹ ۳۷ ۱،۲ وہ سم وہ نعل اور وہ سینے وہ ترکتاز ۱ بدر و ہلال و آئینہ و کبک و شاہباز
گھوڑے کے سُم کو بدر، سے۔ نعل کو ہلال سے، سینے کو آئینے سے اور ترکتاز کو کبک
و شاہباز سے تشبیہ دی ہے۔ آخری تشبیہ سے مراد یہ ہے کہ گھوڑا اس طرح تیزی
سے جھپٹتا ہے جس طرح شاہباز کبک پر۔ ان مصرعوں میں صنعت لف و نشر مرتب ہے۔

۵۹ ۱۳۸ ۳ سر باندھنا۔ شہسواری کی اصطلاح میں گھوڑے کی باگ اس طرح پکڑنا کہ گھوڑا
اپنا سر اُٹھائے رہے اور اِدھر اُدھر جنبش نہ کرسکے۔

۶۰ ۱۴۰ ۳ دیکھو حاشیہ صفحہ ۵۴ بند ۱۱۴ مصرع ۶

〃 ۱۴۱ ۲ قصہ تمام ہونا۔ زندگی ختم ہونا۔

〃 〃 ۳ زہر التیام۔ زہر ملا ہوا۔

۶۰ ۱۴۴ ۶ مصاف، صفین، صاف میں صنعت شبہ اشتقاق ہے۔

صفحہ بند مصرع

۶۱ ۱۴۲ ۶ **حرامزادے کی رسّی دراز ہے** - یہ مثل اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی بُرا آدمی کسی جھلکے سے بچ جاتا ہے یعنی اسکے یہ ہیں کہ بُروں کی عمر بڑی ہوتی ہے -

〃 ۱۴۷ ۴ **ایک سے** - کسی سے بھی -

۶۲ ۱۵۲ ۶ **تلوار جس پہ سَن سے چلی سرد ہوگیا** - شعلہ بار تلوار گویا ٹھنڈی ہوا کا جھونکا تھی کہ جس پر چلی اُسکو ٹھنڈا کردیا -

۶۳ ۱۵۶ 〃 **وہ** - یہ ضمیر نہیں اسم اشارہ ہے -

۶۴ ۱۶۱ ۴ جنگ میں عون و محمد کی بہادری اور استقلال دکھایا ہے کہ مرتے دم تک نیمچے ہاتھ سے نہیں چھوٹے تھے -

〃 ۱۶۴ ۴ **لٹا کے نیچے کو** - ان لفظوں سے واقعے کی سچی تصویر کھنچ جاتی ہے -

۶۵ ۱۶۶ ۵ و ۶ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زینب کو حضرت علیؑ اکبر سے کس درجہ محبت تھی -

〃 ۱۶۷ ۵ و ۶ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زینب کو اپنے بھائی اور بھتیجے سے انتہا کی محبت تھی -

〃 ۱۶۹ ۳ اس مصرعے نے واقعے کی کتنی سچی تصویر کھینچ دی ہے -

۶۸ ۱۸۴ ۴ **شاہ فلک وقار** - مرثیے میں 'شاہ' کا لفظ بالعموم امام حسینؑ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے - لیکن یہاں 'شاہ' سے 'شاہ اودھ' مراد ہے -

۶۹ ۱ ۱ **علی کا علَم** - وہ فوجی نشان جو کبھی حضرت علیؑ کے ہاتھ میں رہتا تھا -

〃 ۲ ۲ **نخلِ زمرّدی** - سبز پھریرے والے علَم کو استعارے کے طور پر زمردی درخت کہا ہے - زمرد کا رنگ گہرا سبز ہوتا ہے - 'زمردی' اور 'لال' میں صنعت ایہام تناسب یا ایہام تضاد ہے -

۷۰ ۶ اس بند میں صنعت سیاق الاعداد ہے -

〃 〃 ۴ **ہفتہ دوست** - چند روزہ دوست - بے وفا دوست -

صفحہ	بند	مصرع	
۷۰	۷	۲	**صَلِّ علیٰ** - یہ مخفف ہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّد کا جسکے معنی ہیں خداوندا محمدؐ اور آل محمدؐ پر رحمت نازل کر۔ اِس جملے کو درود کہتے ہیں۔ کوئی اچھی چیز دیکھ کر یا اچھی خوشبو سونگھ کر درود پڑھتے ہیں۔ صَلِّ علیٰ کلمۂ تحسین ہے۔
۷۰	۸	۶	'حُسینؑ' اور 'حَسینؑ' میں صنعت تجنیس محرف ہے۔
۷۱	۱۰	۳ و ۴	ان دونوں مصرعوں میں صنعت لف و نشر کی ایک خاص صورت ہے۔ ہر مصرعے میں چھ چھ چیزیں بیان کی گئی ہیں۔ شروع کی تین تین چیزوں میں لف و نشر مرتب اور آخر کی تین تین چیزوں میں لف و نشر معکوس الترتیب ہے۔
۷۱	۱۱	۳ و ۴	ان دونوں مصرعوں میں صنعت لف و نشر مرتب ہے۔ خطا اور ختن کا مشک، اور چین کا آئینہ کسی زمانے میں مشہور تھا۔
״	״	۶	اس مصرع میں 'لڑی' دو جگہ دو معنوں میں آیا ہے۔ اس سے صنعت تجنیس تام پیدا ہو گئی ہے۔
״	۱۲	״	تلوار یا نیمچے کا قبضہ ایک ڈورے سے میان کے سرے میں باندھ دیا جاتا تھا۔ جب اُسکو میان سے نکالنا ہوتا تھا تو وہ ڈورا کھولا جاتا تھا۔ اس لئے نیمچوں کے ڈورے کُھلے ہوئے ہونے سے عون و محمد کی جنگ پر آمادگی ظاہر ہوتی ہے۔
״	۱۳	״	شرف کے معنی بلندی، بزرگی، برتری، خوبی وغیرہ ہیں۔ مگر یہاں شاعر نے اس لفظ کو آفتاب کے ساتھ لا کر ایک اور معنی کی طرف بھی ذہن کو منتقل کر دیا ہے۔ کسی سیارے کا اپنے اصلی برج میں آنا بھی شرف کہلاتا ہے۔ چنانچہ برج حمل میں آنا آفتاب کا شرف ہے۔
۷۲	۱۶	۳	**غزال رشک** - اضافت مقلوب ہے یعنی رشکِ غزال۔ جن پر ہرنوں کو رشک ہو۔
۷۶	۳۷	۶	امام حسنؑ امام حسینؑ کے بڑے بھائی تھے۔ آپ کو زہر پلایا گیا تھا جس نے آپ کے کلیجے کو پارے ٹکڑے کر دیا تھا۔
״	۳۸	۱	**عقیل کے پوتے** - عقیل حضرت علیؑ کے بھائی تھے۔ اُن کے دو پوتے جعفر بن محمد اور عبداللہ بن مسلم کربلا میں شہید ہوئے۔

صفحہ بند مصرع

۷۷ ۴۰ ۲ **ہاں بھائیو** - جب کوئی اپنی جماعت کے لوگوں کو خطاب کرتا ہے تو یہ فقرہ استعمال کرتا ہے۔ یہاں اسکا استعمال اور بھی زیادہ مناسب ہے اس لئے کہ حضرت عباسؓ اپنے بھائیوں سے مخاطب ہیں۔

〃 ۴۳ ۵ و ۶ حضرت علی اکبر صورت میں رسولؐ سے اور حضرت عباس رعب و شجاعت میں حضرت علیؑ سے مشابہ تھے اس لئے شاعر نے اُنکو نبی و علی کہا ہے۔

〃 ۴۴ ۱ **نوشاہ** - حضرت قاسم ابن حسن کا عقد بقول بعض شہادت سے ایک دن قبل امام حسینؑ کی ایک صاحبزادی کے ساتھ ہوا تھا۔

۷۸ ۴۹ ۲ **ہیں کنارِ گور** - اس سے پہلے 'ہم' محذوف ہے۔

۸۰ ۵۵ ۲ **غصے میں بھول جاتے ہو بھیا ہمارا پیار** - غصے کی حالت میں تمہیں خیال نہیں رہتا کہ ہم کو تم سے کتنی محبت ہے ہم تم کو لڑنے مرنے کی اجازت کیونکر دے سکتے ہیں۔

۸۰ ۵۶ ۲ **شبیہ پیمبر** - امام حسینؑ کے صاحبزادے حضرت علی اکبر جو پیغمبر عرب حضرت محمدؐ سے بہت مشابہ تھے۔

〃 〃 ۳ **بانوے بے پر** - حضرت علی اکبر کی مادر گرامی کا نام اُم لیلیٰ تھا حضرت شہربانو آپکی سوتیلی ماں تھیں۔ مگر مرثیوں میں اکثر اُن کو حضرت علی اکبر کی حقیقی والدہ قرار دیا گیا ہے۔ یہاں حضرت شہربانو کے لئے لفظ 'بے پر' کا استعمال بظاہر مناسب نہیں معلوم ہوتا لیکن بعض اوقات آئندہ حالت کے لحاظ سے گفتگو کی جاتی ہے چنانچہ یہاں بھی حضرت شہربانو کی جو حالت حضرت علی اکبر کی شہادت کے بعد ہوتی اُسکے تصور سے حضرت عباس نے آپکے لئے 'بے پر' کا لفظ استعمال کیا ہے۔

۸۱ ۶۰ ۲ یزید کی کثیر فوج جو آگے بڑھتی چلی آتی تھی اسکو بڑھتے ہوئے دریا سے استعارہ کیا ہے۔

〃 ۶۴ 〃 ڈھال کی آڑ کو گھونگھٹ کہہ کر شاعر نے یزیدی فوج کے بزدل سپاہیوں کو عورت

صفحہ بند مصرع

بنا دیا یعنی جس طرح عورتیں گھونگھٹ میں مُنہ چھپاتی ہیں اُسی طرح وہ ڈھال میں مُنہ چھپائے ہوئے تھے۔

۸۲ ۶۶ ۶ حضرت سکینہ امام حسین کی چھوٹی صاحبزادی تھیں تین برس کا سن تھا اور دو دن کی پیاس۔ مشک اس غرض سے لائی تھیں کہ اپنے چچا سے پانی منگوائیں۔ "سوکھی مشک" کہہ کر شاعر ذہن کو اس بات کی طرف منتقل کر دیتا ہے کہ امام حسینؑ کے گھر میں کئی دن سے پانی کا ایک قطرہ نہ تھا۔

۸۳ ۷۰ ۶ **بازو** ۔ بھائی سے دل کو جو تقویت رہتی ہے اسکی بنا پر اسے بازو اور قوت بازو کہتے ہیں۔

؍؍ ۷۲ ؍؍ یہ حسرت بھری نگاہ امید و بیم کی حالت ظاہر کرتی ہے کہ دیکھئے امام حسینؑ میرے شوہر کو جنگ کی اجازت دیتے ہیں یا نہیں۔ اس نگاہ میں رحم کی التجا اور اذن جنگ نہ دینے کی درخواست بھی مضمر ہے۔

۸۶ ۸۵ ۴ **ہَل مِن مُبارِز** ۔ ہے کوئی مقابلہ کرنے والا۔ عرب قدم میں ایک ایک سپاہی میدان جنگ میں اُترتا تھا اور فوج مخالف سے اپنا مقابل طلب کرتا تھا۔

؍؍ ۸۶ ۶ **آخر پسر ہوں** .... الخ۔ یعنی میں اور کچھ نہ سہی حضرت علی کا بیٹا تو ہوں ہی جو شجاعت میں بے نظیر تھے اور جنھوں نے راہ خدا میں ایسا جہاد کیا کہ شیر خدا کہلائے۔ مجھ میں باپ کی شجاعت کا کچھ اثر تو ضرور رہی ہوگا۔

؍؍ ۸۸ ۲ **خوشی ہونگے** ۔ خوش کے معنی میں خوشی کا استعمال اب متروک ہے۔

؍؍ ۸۸ ۳ **شاہِ قُل کَفا** ۔ "قل کفا" سے قرآن کی یہ آیت مراد ہے "قُلْ کَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ" یعنی اے محمدؐ کفار سے کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان خدا کی گواہی کافی ہے۔ اس آیت میں حضرت محمدؐ سے خطاب ہے اس لئے شاہِ قل کفا سے آنحضرتؐ مراد ہیں۔

صفحہ	بند	مصرع	
۸۷	۹۴	۴	یہ بخیر۔ یہ اَنہونی بات ہے۔ ایسا نہیں ہوسکتا۔
۸۸	۹۵	۱	'زَین' اور 'زِین' میں تجنیس محرف ہے۔
۸۹	۱۰۳	۶	کاٹ کے۔ تیغ کی مناسبت سے 'کاٹنا'، نہایت خوب ہے۔
۹۰	۱۰۵	۶	دفتر اُلٹ دیے ہیں عرب کی سپاہ کے۔ ہم نے عرب کے فوجی محکمے کے دفتر کے دفتر جن میں سپاہیوں کے نام درج تھے بیکار کر دیے ہیں یعنی جنگ میں پوری پوری فوجیں کاٹ کے ڈال دی ہیں۔
۹۰	۱۰۸	۴	غضب میں جنابِ امیر آ گئے۔ حضرت عباس کو جوشِ شجاعت و حالتِ غیظ میں جنابِ امیر یعنی حضرت علیؑ قرار دیا ہے۔
۹۱	۱۱۳	۵ و ۶	شانے سے کلائی تک پورے ہاتھ کے لمبائی میں دو حصے کر دیے۔
″	۱۱۴	۴	اس بند کے آخری چار مصرعوں میں صنعت سیاق الاعداد ہے۔
۹۳	۱۲۰	۳	عاری۔ کتابت کی غلطی ہے "آری" ہونا چاہیے۔ جس کے معنی ہیں لکڑی کاٹنے کا معمولی اوزار۔
۹۵	۱۳۰	۱	سیاہ علم۔ بنی اُمیّہ کے لشکر کے نشان سیاہ رنگ کے ہوتے تھے۔
″	۱۳۱	۶	جبرئیل کے پَر کانپتے ہیں۔ اشارہ ہے اِس روایت کی طرف کہ ایک جنگ میں حضرت علیؑ کے ایک وار سے جبرئیل کے تین پر کٹ گئے تھے۔
″	۱۳۳	۲	مورچہ۔ مٹی کا ٹیلہ یا دیوار جو فوج مخالف کے حملوں سے بچنے کے لئے بنائی جائے۔ مورچہ کے معنی چھوٹی چیونٹی بھی ہیں۔ اس لئے 'چیونٹی' اور 'مورچہ' میں صنعت ایہام تناسب ہے۔
۱۰۴	۵	۴	آل۔ اولاد۔ یہاں آلِ رسول مراد ہیں۔
″	۸	۱	عقیل کی تربت کے چراغ۔ عقیل کی اولاد۔ حضرت عقیل کے پوتے

صفحہ	بند	مصرع	
			جعفر ابن محمد اور عبداللہ ابن مسلم کربلا میں شہید ہوے تھے بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے کئی بیٹوں نے بھی کربلا میں شہادت پائی ۔
۱۰۴	۸	۲	**جعفر کے لاڈلے** ۔ حضرت جعفر طیار کے پوتے عون و محمد جو حضرت زینبؑ کے بیٹے اور امام حسینؑ کے بھانجے تھے ۔
۱۰۵	۱۲	۱	**ہلتا تھا خیمہ** ۔ جس مکان میں بہت شور ہوتا ہے وہ ہلتا ہوا معلوم ہوتا ہے ۔
۱۰۶	۱۷	۲	**اُگلنے لگی حسام** ۔ تلوار میان سے نکلنے لگی ۔
۱۱۰	۳۵	۵	**یہ مرحلہ بھی کم نہیں زنجیر و طوق سے** ۔ تمھاری ماں اور پھوپھی کے لئے سب سے زیادہ سخت مرحلہ یہ ہے کہ میری شہادت کے بعد اُن کو قیدیوں کی صورت میں شہر بہ شہر پھرنا ہوگا لیکن تم کو مرنے کی اجازت دینا بھی اُن کے لئے اس مرحلے سے کم نہیں ہے ۔
۱۱۳	۵۴	۵	**مرنے والے** ۔ مرے ہوئے اسم فاعل اسم مفعول کے معنی میں استعمال ہوا ہے ۔
۱۱۴	۵۶	۶	**حمائل** ۔ کوئی چیز جو گلے میں پہنی جائے ۔ ہار، مالا، چھوٹی تقطیع کا قرآن جو اکثر گلے میں ڈالا جاتا ہے ۔ یہاں مراد ہیں حضرت علی اکبر جو بچپن میں ہر وقت حضرت زینبؑ کے گلے کا ہار رہتے تھے ۔ اصل کے اعتبار سے اس لفظ میں ’ح‘ پر زبر ہونا چاہیے مگر اُردو میں اسکا تلفظ بالعموم زیر کے ساتھ کیا جاتا ہے ۔
۱۱۷	۷۱	۴	**آنتا کی آنچ** ۔ محبت مادری کا جوش ۔
″	″	۵	**کچھ تم کو خبر ہے** ۔ تمہارا دھیان کدھر ہے ؟ تم حواس میں ہو ؟ یہ فقرہ عورتوں کی زبان سے مخصوص ہے ۔
۱۲۰	۸۷	۶	**صَلّوا عَلَی النّبی** ۔ نبی (حضرت محمدؐ) پر درود بھیجو ۔ حضرت علی اکبرؑ نبی عربیؐ سے صورت میں اس قدر مشابہ تھے کہ لوگ اُن کو نبیؐ سمجھ رہے تھے یا اُنکو دیکھ کر نبیؐ یاد آ رہے تھے ۔

صفحہ	بند	مصرع	
۱۲۱	۹۳	۵	'طَور' اور 'طُور' میں تجنیس محرف ہے۔
″	۹۴	۴	**روحنا فداک** ۔ ہماری روح تم پر نثار۔
۱۲۳	۱۰۴	۲	**صغیر و کبیر** ۔ چھوٹا بڑا ۔ جوشن صغیر اور جوشن کبیر دو دعائیں بھی ہیں۔ (دیکھو فرہنگ 'جوشنین')
۱۲۶	۱۱۹	۲	**زخم کا کوچہ** ۔ زخم کا شگاف یا منہ۔
۱۲۷	۱۲۰	۲	**مغزِ قلم** ۔ کلک کے قلم کے ریشے جو بہت نازک ہوتے ہیں اور نہایت آسانی سے کٹ سکتے ہیں۔
″	۱۲۱	۵	**حوالہ** ۔ یہاں بول چال کے خلاف نظم ہوا ہے 'حوالے' ہونا چاہیے تھا۔
″	۱۲۲	۴	**چار کی گھائی** ۔ شمشیر بازی کی ایک مشق جس میں چار معین مقامات پر ضرب لگائی جاتی ہے۔
″	″	۵	**گیو** ۔ ایران قدیم کا ایک نامی پہلوان۔
″	۱۲۳	۴	**بخارِ تیغ** ۔ یہاں بخار سے گرمی ۔ دشمنی یا غصہ مراد ہے۔
۱۲۸	۱۲۵	۴	**کمانوں کے بازو** ۔ کمان کے بیچ کا حصہ چھوڑ کر دونوں طرف کے باقی حصے اس کے بازو ہیں۔
″	۱۲۷	۳	اِس مصرعے میں تین لفظ ایسے ہیں جو کاف میم سے شروع ہوتے ہیں اور جن میں نون بھی کسی نہ کسی جگہ موجود ہے۔ اس التزام سے کلام میں ایک خاص صنعت پیدا ہو گئی ہے۔
″	۱۲۹	۲	**اس گھاٹ پہ جو آئے سر اُن کے اُتر گئے** ۔ گھاٹ دریا کا بھی ہوتا ہے اور تلوار کا بھی۔ (دیکھو فرہنگ) سر اُترنا کے معنی ہیں سر کٹنا لیکن 'اترنا' دریا کو عبور کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ 'گھاٹ' اور 'اُتر گئے' سے کلام میں ایہام پیدا ہو گیا ہے۔

صفحہ بند مصرع

۱۲۹ ۱۳۱ ۲ **سوفار دو چڑھے ہوئے ہیں ایک تیر پر**۔ گھوڑے کے کان اتنے چھوٹے اور ایسے سیدھے کھڑے ہوئے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک تیر پر دو سوفار چڑھا دیئے گئے ہیں۔

″ ۱۳۲ ۱ **کوتاہ و گرد و صاف کنوتی کمر کفل**۔ پہلے تین صفتیں بیان کی گئی ہیں۔ پھر ترتیب وار ہر صفت کا موصوف لایا گیا ہے یعنی کوتاہ کنوتی۔ گرد کمر۔ صاف کفل۔ ’گرد‘ کے معنی گول۔ اور کفل کے معنی پٹھا۔

۱۳۱ ۱۴۰ ۱ و ۲ اسی مفہوم کو انیس نے ایک دوسری بیت میں یوں ادا کیا ہے۔ ؎

یوں برچھیاں تھیں چار طرف اُس جناب کے — جیسے کرن نکلتی ہے گردِ آفتاب کے

اس تشبیہ کے ذریعے سے انیس نے ایک بیکسی اور بیچارگی کی حالت میں عظمت اور شان پیدا کر دی ہے۔

۱۳۲ ۱۴۵ ۲ **سیّد**۔ سردار۔ مراد امام حسینؑ۔

۱۳۳ ۱۵۱ ۲ **نورِ چشم**۔ آنکھوں کا نور۔ مجازاً بیٹا۔ یہاں دونوں معنی مراد ہیں۔ یہ صنعت اِدماج کی ایک مثال ہے۔

۱۳۸ ۱ ۴ **حسین**۔ اس لفظ کا استعمال یہاں مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ اسکو حسینؑ کے ساتھ لانے سے تجنیس تو پیدا ہو گئی ہے مگر انیس صرف صنعت پیدا کرنے کے لیے کلام میں کوئی عیب گوارا نہیں کرتے۔ عجب نہیں کہ یہ کتابت کی غلطی ہو اور انیس نے اس جگہ ’حزیں‘ نظم کیا ہو۔

۱۳۹ ۶ ۲ ’اب رو‘ اور ’ابرو‘ میں تجنیس مرکب ہے۔

″ ۹ ۳ **رخ زرد دل میں درد بدن سرد تشنہ کام**۔ اس مصرع کے درمیان میں تین لفظ ہم قافیہ آئے ہیں۔ زرد۔ درد۔ سرد۔ اس سے صنعت تضمین المزدوج پیدا ہو گئی ہے۔

صلی اللہ علیہ

صفحہ بند مصرع

۱۴۰ ۱۴ ۳ حق زہرا سند کرو - عقیدہ ہے کہ پیغمبر عرب حضرت محمدؐ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ کا عقد خداوند عالم کی تجویز سے حضرت علی کے ساتھ ہوا اور خدا نے دولہے زمین کے کل دریا، نہریں اور چشمے ان کے مہر میں دیئے -

〃 〃 ۲ دیکھو حاشیۂ بالا -

۱۴۱ ۱۶ ۲ سِرّ و عَلَن - پوشیدہ اور ظاہر - خفیہ اور علانیہ -

〃 ۱۶-۱۸ ان تین بندوں میں اس واقعے کی طرف اشارہ ہے کہ رسولؐ کے انتقال کے بعد ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے حضرت علیؑ کے گھر پر چڑھائی کر دی - دروازہ بند تھا اُس کو گرا دیا - حضرت فاطمہؑ دروازے کے قریب کھڑی ہوئی تھیں - آپکے شدید چوٹ آئی - اس کے بعد دشمن گھر میں گھس گئے اور حضرت علیؑ کی گردن میں رسّی ڈال کر آپ کو کھینچتے ہوئے لے چلے - گو کہ آپ مسلح فوجوں کا تن تنہا مقابلہ کر سکتے تھے لیکن اُس وقت آپ نے بڑے صبر سے کام لیا اور مصلحتاً دشمنوں سے مقابلہ نہ کیا -

〃 ۱۹ ۱ قبلۂ دوم - دوسرے محترم بزرگ - رسولؐ کے دوسرے جانشین - دوسرے امام یعنی امام حسنؑ -

〃 ۱۵ ۲ نہ اَبْ نہ اُم - نہ باپ نہ ماں - "اب" اور "ام" عربی لفظ ہیں -

〃 〃 ۶ فرزند فاطمہؑ کے جنازے پہ تیر تھے - امام حسنؑ کے جنازے پر دشمنوں نے تیر مارے تھے -

۱۴۳ ۲۶ ۴ احمد کا یادگار - پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ کا ایک نام احمدؐ بھی ہے - اُنکے یادگار سے امام حسینؑ مراد ہیں -

〃 ۲۷ ۱ عمّو تمہارے - تمہارے چچا یعنی حضرت عباسؑ

صفحہ	بند	مصرع	
۱۴۴	۳۳	۱	**بُندے اُتارو**۔ جو لوگ واقعات کربلا کی تفصیلات سے واقف ہیں اُنکے لئے یہ لفظ بڑے پر درد ہیں۔ اُن کا ذہن اس بات کی طرف منتقل ہو جاتا ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد جب دشمن اُن کے خیموں کو لوٹ رہے اور ان میں آگ لگا رہے تھے تو شمر نے حضرت سکینہ کے بندے اس بیدردی سے کھینچ لئے کہ کانوں کی لَویں پھٹ گئیں۔
"	۳۳	۳	**اَین اَبی**۔ میرا باپ کہاں ہے۔ عربی جملہ ہے۔
"	۴۴	۲	**بستی اُجڑنا**۔ مراد اولاد کا مرنا۔
"	"	۲	**تخت اُلٹنا**۔ سلطنت جاتی رہنا۔ مراد شوہر کا مرنا۔ بیوہ ہونا۔
۱۴۷	۴۹	۴	**زہرا کا ماہ**۔ مراد امام حسینؑ۔
۱۴۸	۵۰	۵	**پھرتا تھا سر پہ چتر**۔ جب بادشاہ کی سواری نکلتی تھی تو ایک خادم اُسکے سر پر چتر لگائے رہتا تھا۔ کبھی کبھی چتر کو گردش بھی دی جاتی تھی۔
"	"	۲	**سایہ تھا ایک بیچ میں دو آفتاب کے**۔ ایک آفتاب اصلی جو آسمان پر ہے۔ دوسرا آفتاب امام حسین کا نورانی چہرہ۔ ان دو آفتابوں کے بیچ میں چتر کا سایہ تھا۔
"	۵۲	۲	**دھوپ چھاؤں**۔ اس کے دو معنی ہیں ایک روشنی اور سایہ، دوسرے ایک مشہور ریشمی کپڑا جو دو رنگ کے تاروں سے بُنا جاتا ہے۔
"	۵۳	۲	**جلتا ہے**۔ رشک یا حسد کرتا ہے۔
"	"	۵-۶	اسپند یا کالا دانہ دفع نظر بد کے لیے کسی پر سے اُتار کر آگ میں ڈالا جاتا ہے۔ اس بیت کا مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام حسینؑ کے قدموں کے نشان اس قدر روشن تھے کہ تارے اُن کے مقابلے میں کالا دانہ معلوم ہوتے تھے جو اُن پر سے اُتار کر آسمان کی انگیٹھی میں ڈال دیے گئے تھے۔

صفحہ	بند	مصرع	
۱۴۸	۵۴	۶	ایک خیال ہے کہ گھوڑے ہوائی مخلوق یعنی جن پری وغیرہ کو دیکھ سکتے ہیں اور اُن کو دیکھ کر بھڑکتے ہیں۔ یہ مصرع اسی خیال پر مبنی ہے۔ امام حسین کا گھوڑا اتنا خوبصورت اور ایسا خوش رفتار تھا کہ دوسرے گھوڑے جو پریوں کو دیکھ چکے تھے اُن کو یقین ہوگیا کہ ایک پری چلی آتی ہے اور وہ بھڑکنے لگے۔
۱۴۹	۵۵	۱	**اسپِ قمر رکاب** ۔ ایسا گھوڑا جس کی رکابیں چاند تھیں۔ یعنی چاند کی طرح چمکتی ہوئی تھیں۔
۱۴۹	۵۵	۶	**زیں پر تھا گردپوش کہ ابر آفتاب پر** ۔ یعنی زین آفتاب کی طرح چمک رہا تھا اس پر گردپوش جو پڑا ہوا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آفتاب پر ابر آگیا ہے۔
؍؍	۵۷	۱	**ضیغم شکار** ۔ شیر کو شکار کرنے والا۔
۱۵۰	۶۰		یہ بند انیس کے رنگ کے خلاف ہے۔
؍؍	؍؍	۳	**صاحب لاسیف و لافتا** ۔ اس سے بالعموم حضرت علیؑ مراد ہوتے ہیں مگر چونکہ امام حسین میں حضرت علیؑ کی بہادری بھی تھی اور اس وقت اُنکے ہاتھ میں ذوالفقار بھی تھی۔ اِس لیئے شاعر نے اس فقرے سے یہاں امام حسین کی ذات مراد لی ہے۔ (دیکھو فرہنگ شاہ لافتا۔)
؍؍	۶۱	۱ و ۵	’زہرا کا یادگار‘ اور ’ابن علی‘ ان دونوں فقروں سے مراد امام حسین ہیں۔
؍؍	۶۳	۶	**اٹھارہ داغ** ۔ ایک خیال ہے کہ جب کسی کی اولاد یا کوئی عزیز ترین رشتہ دار جس سے مثل اولاد کے محبت ہو، مر جاتا ہے تو اُسکے دل پر ایک داغ پڑ جاتا ہے امام حسین کے بھائی، بیٹے، بھتیجے، بھانجے جو کربلا میں شہید ہوئے اُنکی تعداد اٹھارہ تھی۔
۱۵۰	۶۴	۵	**شہ تشنہ کام** ۔ پیاسا بادشاہ۔ مراد امام حسین۔
۱۵۱	۶۶	۴	**بیتُ الشّرف** ۔ بزرگی کا گھر۔ مراد امام حسین کا خیمہ۔

صفحہ	بند	مصرع	
۱۵۲	۷۰	۱	**شہ جن وبشر** - جنوں اور انسانوں کا بادشاہ - مراد امام حسین -
"	۷۳	۱	**سیّدِ والا** - بلند مرتبہ سردار - مراد امام حسین -
"	"	۲	**برق و شرق** - 'برق' کے معنی تارے کا نکلنا - 'شرق' کے معنی سورج کا نکلنا - ان لفظوں کے معنی چمکنا اور دمکنا بھی ہیں اور وہی یہاں مراد ہیں -
"	۷۳	۴	**مصحفِ زہرا** - رسول کی وفات کے بعد اُن کی بیٹی حضرت فاطمۂ زہرا کے پاس فرشتے جو خدائی احکام لاتے تھے اُن کا مجموعہ یہاں مراد ہیں امام حسینؑ -
۱۵۳	۷۶	۱	**خیرالورےٰ کا لال** - مراد امام حسین - (دیکھو فرہنگ 'خیرالوریٰ')
"	۷۹	۴	**قطب دائرہ دیں** - وہ دُھرا جسکے گرد دین کا حلقہ گھومتا ہے یعنی وہ ذات جس پر دین کا دارومدار ہے - پہیے کا دُھرا اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے - قطب ایک ستارہ بھی ہے جسکے گرد اور ستارے گردش کرتے ہیں - مگر وہ اپنی جگہ سے نہیں ہٹتا -
"	"	۶	**شاہِ اُمم** - اُمتوں یعنی قوموں اور قبیلوں کا بادشاہ - مراد امام حسین -
۱۵۴	۸۲	۶	**اَشْہَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہ** - اِس کے بعد اِلَّا اللہ محذوف ہے - اس عربی جملے کے معنی ہیں "گواہی دیتا ہوں میں کہ یقیناً اللہ کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے"۔ یہ جملہ اذان میں دو مرتبہ کہا جاتا ہے -
۱۵۵	۸۵	۲	قرآن کی ایک آیت ہے جسکے معنی ہیں "اے رسول اپنی اُمت سے کہو کہ میں تم سے اپنی رسالت کی کوئی اجرت نہیں چاہتا سوا اسکے کہ تم میرے عزیزوں سے محبت رکھو" اس آیت کی رو سے آل رسول سے محبت کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے -
۱۵۶	۹۱	۶	فولاد اور پتھر سے سخت دل بے رحم لوگ مراد ہیں -
۱۵۷	۹۷	۳	**شہ دیں پناہ** - وہ بادشاہ جسکی سرکار میں دین پناہ لے - مراد امام حسینؑ -
"	۹۸	۵	**شہ بحر و بر** - سمندر اور زمین کا بادشاہ - مراد امام حسینؑ -

صفحہ	بند	مصرع	
۱۵۸	۱۰۱	۶	**تین بجلیاں** ۔ تلوار، اُسکی چمک اور اُسکا سایہ۔ (دیکھو اس بند کا چوتھا مصرع)
؍؍	۱۰۲	۶	**دَم آراستہ کریں** ۔ دَم لیں۔ سانس ٹھیک کریں۔
؍؍	۱۰۴	۳	'زرہ' اور 'کڑی' میں صنعت ایہام تناسب ہے۔
۱۵۹	۱۰۶	۲	**چمکی اُحد میں خندق و خیبر میں بدر میں** ۔ اس مصرع میں اُن مقامات میں سے چند کا ذکر کیا گیا ہے جہاں حضرت علیؑ نے جہاد کیا۔
؍؍	۱۰۷	۴	اس مصرعے میں 'وہ' ضمیر نہیں بلکہ اسم اشارہ ہے۔
؍؍	۱۱۲	۴	**تیر ہوائی** ۔ وہ تیر جو بغیر نشانہ باندھے ہوے چھوڑا جائے۔ ایک طرح کی آتشبازی جسکو صرف 'ہوائی' بھی کہتے ہیں۔
۱۶۳	۱۲۶	۶	**لوہے کو ذوالفقار کے مانے ہوے تھے سب** ۔ سب ذوالفقار کی خوبیوں کے قائل تھے۔
؍؍	۱۲۹	۱-۵	اس بند میں ۲۹ چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان چیزوں کو انیس نے جس خوبی سے ترتیب دیا ہے وہ قابل صد تحسین ہے۔
۱۶۴	۱۳۰	۲	**بازو** ۔ بھائی کو بازو اور قوت بازو بھی کہتے ہیں۔
۱۶۵	۱۳۵	۳	**زہرا کی دونوں بیٹیاں** ۔ حضرت زینب اور اُمّ کلثوم۔
؍؍	۱۳۹	۳	**سعی** ۔ چلنا۔ کوشش۔ یہاں یہ دونوں معنی لئے جا سکتے ہیں۔
۱۶۷	۱۴۶	۴	**ہاتھ باندھ کر التماس کرنا** ۔ نہایت عاجزی سے کچھ کہنا۔
؍؍	۱۴۹	۳	**ضیغم الٰہ** ۔ خدا کا شیر۔ مراد حضرت علی۔
۱۶۸	۱۵۰	۲	**مولا علی** ۔ 'مولا' یا 'مولیٰ' کے معنی ہیں آقا۔ مالک۔ پیشوایان دین کو اکثر اس لفظ سے خطاب کرتے ہیں لیکن یہاں یہ لفظ خطاب کے لئے نہیں آیا ہے۔ بلکہ 'علی' کی صفت واقع ہوا ہے۔

صفحہ بند مصرع

۱۶۸ ۱۵۳ ۵ **دنیا ہو اور فاطمہ کا نورِ عین ہو** - یعنی دنیا میں اگر کوئی ذات قابلِ قدر ہے تو وہ صرف امام حسین کی ذات ہے - اس جملے سے امام حسین کے ساتھ انتہائی عقیدت اور محبت ظاہر ہوتی ہے -

۱۶۹ ۱۵۷ ۳ ہمدرد - ایک طرح کا درد رکھنے والا - چوتھا اور پانچواں مصرع اس لفظ کی شرح کرتا ہے -

۱۷۰ ۱۶۱ ۳و۴ روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؑ سفر میں تھے کہ ایک سائل نے آپ سے روٹی مانگی - آپ نے اپنے غلام قنبر سے کہا کہ اسکو روٹی دے دو - قنبر نے عرض کیا روٹی دسترخوان میں ہے حکم دیا مع دسترخوان دے دو - قنبر نے عرض کیا دسترخوان اونٹ پر ہے - فرمایا اونٹ سمیت دے دو - قنبر نے پھر عرض کیا اونٹ قطار میں ہے - فرمایا مع قطار دے دو - قنبر نے ساری قطار سائل کے حوالے کر دی - ان دو مصرعوں میں اسی روایت کی طرف اشارہ ہے -

״ ۱۶۳ ۴ **بھائی علی کے حصے میں حصہ مرا بھی ہے** - اس جملے میں یہ اشارہ ہے کہ میں حضرت علی کا بیٹا وارث اور جانشین ہوں -

۱۷۱ ۱۶۵ ۶ وہ مسافر حضرت علی کے روضۂ اقدس کی زیارت کرنا چاہتا تھا مگر امام حسین نے خود حضرت علی کی زیارت کی دعا دی - چنانچہ یہ دعا مقبول ہوئی - دیکھو بند ۱۸۴ -

״ ۱۶۸ ۶ عقیدہ ہے کہ جب کوئی مومن مرتا ہے تو حضرت علی اسکی قبر میں تشریف لاتے ہیں -

۱۷۲ ۱۷۰ ۱ **ہاں ہاں** - کسی کام سے کسی کو روکنے کے لئے یہ کلمہ استعمال ہوتا ہے -

۱۷۳ ۱۷۵ ۴ **شہنشاہ مشرقین** - مشرق و مغرب کا یعنی ساری دنیا کا بادشاہ - مراد حضرت محمدؐ -

״ ״ ۶ **غلام زادی** - غلام کی بیٹی - خود کو امام حسین کا غلام قرار دیا ہے -

۱۷۴ ۱۸۰ ۳ 'دیسر' اور 'بیسر' میں تجنیسِ محرف ہے -

صفحہ	بند	مصرع	
۱۷۴	۱۸۱	۲	**بدرُالدُّجیٰ** - اندھیرے کا چاند۔
"	"	"	**شمسُ الضُّحیٰ** - دوپہر کا آفتاب۔
"	۱۸۴	۶	**مشتاق جن کا تھا انھیں دیکھا غلام نے** - دیکھو صفحہ ۱۷۱ بند ۶۵ مصرع ۶
۱۷۵	۱۸۶	۲	**قلم** - عقیدہ ہے کہ عرش پر ایک لوح یعنی تختی ہے اور ایک قلم ہے جو اس لوح پر خدائی احکام اور رشد نی واقعات لکھتا رہتا ہے۔ یہاں قلم سے وہی قلم قدرت مُراد ہے۔
"	"	۳	**جنتُ النّعیم** - آٹھ بہشتوں میں سے ایک کا نام۔
"	۱۸۷	۱	**سیّدُ العَرب** - عرب کا سردار - مراد حضرت محمدؐ۔
"	۱۸۸	۴	**پڑھیے کوئی دُعا** - دم نکلنے میں انسان کو بے حد تکلیف ہوتی ہے۔ بعض دعائیں پڑھنے سے یہ تکلیف کم ہو جاتی ہے۔
۱۷۶	۱	۱	یہ مرثیہ میر انیس نے اپنے صاحبزادے میر عسکری رئیس کو کہہ دیا تھا۔ مگر اس پائے کا مرثیہ رئیس کے مُنہ پر کیا پھبتا۔ آخر حقیقت حال ظاہر ہو گئی۔ کچھ دن بعد میر انیس نے یہ مرثیہ خود اپنے نام سے پڑھا اور اس لئے تیسرے بند کے چوتھے مصرعے اور آٹھویں بند کے پہلے مصرعے میں ضروری ترمیم کر دی۔ مگر پہلے بند کی بیت جو ہر شخص کی زبان پر چڑھ گئی تھی اصل حالت میں رہنے دی۔ حالانکہ اس کے دوسرے مصرع میں بھی ترمیم ضروری تھی۔
"	"	"	**نمک خوانِ تکلم** - گفتگو کے دسترخوان کا نمک یعنی وہ چیز جس سے کلام میں مزہ پیدا ہوتا ہے۔
"	"	۵	**عمر گزری ہے** - بعض لوگوں کا بیان ہے کہ یہاں "عمریں گزری ہیں" ہونا چاہیئے۔ مگر کسی نسخے میں میری نظر سے نہیں گزرا۔

صفحہ	بند	مصرع	
۱۶۶	۱	۶	**پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں** - یہ مرثیہ میر انیس نے اپنے بیٹے میر عسکری رئیس کو کہہ دیا تھا اور یہ مصرع انھیں کی زبان سے ہے - پانچوں پشتیں یہ ہیں - رئیس - انیس - خلیق - حسن - ضاحک -
〃	۳	۲	**جَدِ اعلیٰ** - پردادا یا اس سے پہلے کی پشت کا کوئی بزرگ - یہاں میر حسن مراد ہیں -
〃	〃	۴	**عم ذوی قدر** - رئیس کے دونوں چچا میر مونس، اور میر انس بلند پایہ مرثیہ گو اور مرثیہ خوان تھے -
	۴	۳	**نثر بے سجع نہیں** - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انیس کے زمانے میں مسجع یعنی مقفیٰ نثر بہت اچھی سمجھی جاتی تھی اور انیس اور اُنکے بزرگ اسی طرح کی نثر لکھا کرتے تھے -
۱۰	۵	۴	**متبع مرثیہ گوئی میں ہوے جسکے سب** - یہ مصرع بعض نسخوں میں یوں ہے - ع "مرثیہ گوئی میں جسکے متبع ہوے سب"
〃	۶	۱	**بھائی خوش فکرت و** - ان الفاظ کی جگہ بعض نسخوں میں یہ الفاظ ملتے ہیں "اخوی سید" - اور بعض میں "بھائی وہ مونس"۔
〃	〃	۲	**ہنر و علم** - اس کی جگہ بعض نسخوں میں "گہر علم" ہے -
〃	〃	۶	**حضرت** - مراد امام حسین -
۱۶۸	۱۰	۲	**شمع تصویر پہ گرنے لگیں آ آ کے پتنگ** - یعنی تصویر میں شمع ایسی تھی کہ پتنگے اسکو اصلی شمع سمجھ کے اس پر گرنے لگیں -
۱۸۱	۲۵	۳	**عرش معلیٰ پہ نماز** - نماز پڑھتے وقت وہ دنیاداری سے اس قدر بلند ہو جاتے تھے اور ان میں اتنی روحانی رفعت آ جاتی تھی کہ گویا وہ عرش پر پہنچ جاتے تھے - رسول کی ایک حدیث ہے اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤمِنْ
〃	۲۸	〃	**چھاتی پر سانپ لہرانا** - حسد کرنا - جلنا - اصل میں محاورہ "چھاتی پر سانپ لوٹنا" ہے -

صفحہ	بند	مصرع	
۱۸۱	۲۸	۶	**سورۂ نصر**۔ قرآن کا ایک سورہ جو فتح مکہ کے وقت نازل ہوا تھا۔ یہاں عَلَم کو نشانِ فتح ہونے کی بنا پر سورۂ نصر کہا ہے۔
۱۸۲	۳۰	۴	**جا کے پانی نہ پیا نہر میں ہمت ایسی**۔ تین دن کی پیاس میں دریا سے پیاسا نکل آنے کے لیے مشکل سے مشکل کام کر ڈالنے سے بھی زیادہ ہمت درکار ہے۔
〃	۳۳	۳	**یوسفِ کنعانِ حسنؑ**۔ اس سے مراد ہیں امام حسنؑ کے حسین و جمیل صاحبزادے حضرت قاسمؑ۔
〃	〃	۶	**شہانی پوشاک**۔ شادی کے کپڑے جو بالعموم سُرخ رنگ کے ہوتے ہیں۔
۱۸۳	۳۶	۳	'پھول' اور 'پھل' میں صنعت ایہام تناسب ہے۔
۱۸۴	۴۳	۱	**اُڑانا**۔ یہ لفظ جب گھوڑے کے ساتھ آتا ہے تو بہت تیز دوڑانے کے معنی دیتا ہے۔
۱۸۹	۶۶	۶	اشارہ ہے اس واقعے کی طرف کہ حضرت علیؑ نے حضرت محمدؐ کے کاندھے پر کھڑے ہو کر کعبے کے بُت گرائے تھے۔
〃	۶۷	۱	**عرش سے کھنچی شمشیر**۔ حضرت علی کی تلوار جس کا نام ذوالفقار تھا اس کے متعلق عقیدہ ہے کہ وہ آسمان سے اُتری تھی۔
〃	۶۹	۲	**حُجّتُ اللہ**۔ خدا کا ثبوت۔ مراد حضرت علی۔
〃	〃	۵	**صِفّین و حُنَین**۔ ان دونوں مقاموں پر حضرت علی نے بڑے معرکے کا جہاد کیا تھا۔
۱۹۰	۷۴	۴	**غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْہِم**۔ اُن پر خدا کا غضب نازل ہوا۔ یہ سورۂ فتح پارہ ۲۶ کی ایک آیت کا جزو ہے۔ یہاں 'اُن' کا اشارہ منافقوں اور مشرکوں کی طرف ہے۔
۱۹۲	۸۴	۶	**سر پہ یا دھوپ تھی یا چھاؤں تھی تلواروں کی**۔ دھوپ کی تکلیف اگر دُور ہوتی تھی تو تلواروں کی چھاؤں سے جو دھوپ سے کہیں زیادہ روح فرسا تھی۔
۱۹۳	۸۷	۴	**روحِ امین**۔ امانت دار فرشتہ۔ مراد جبرئیل۔

صفحہ	بند	مصرع	
۱۹۴	۹۰	۴	لوحِ محفوظ۔ عرش پر ایک تختی ہے جس پر ایک قلم خدائی احکام اور شدنی واقعات لکھ دیا کرتا ہے۔
"	"	۶	یہ مصرع اس روایت پر مبنی ہے کہ امام حسین نے بچپن میں اپنے نانا حضرت محمدؐ کی رسالت کی تکمیل کے لئے اپنی شہادت منظور کی تھی۔
"	۹۲	۶	امام حسینؑ نے خدا کی راہ پر جنگ کی تھی۔ یزیدی فوج کو شکست دینا اُنکا مقصد نہ تھا۔
۱۹۶	۱۰۰	۶	پانوں قرآں پہ رکھا۔ امام حسینؑ کے سینے کو قرآن سے استعارہ کیا ہے۔
۱۹۷	۱	۱	یہ مصرع اس قدیم نظریے پر مبنی ہے کہ آفتاب زمین کے گرد گھومتا ہے۔
۱۹۸	۶	۱	سبا۔ انجمن، محفل۔ اصل میں یہ ہندی لفظ سبھا ہے۔ سبا ایک ملک کا نام بھی ہے جہاں کی ملکہ بلقیس پر حضرت سلیمان عاشق ہو گئے تھے۔ یہاں اس لفظ میں صنعت ایہام ہے۔
"	۷	۶	لبوں کے پستے۔ اضافت تشبیہی ہے۔ خود لب مراد ہیں۔
"	۸	۲،	پیراہن یوسفی۔ حضرت یوسف کا کرتا جس کی خوشبو سے حضرت یعقوب کی آنکھوں میں روشنی آگئی تھی۔
۱۹۹	۱۰	۶	غنچہ۔ جُھرمٹ
"	۱۱	۲	ارنی گوے اوجِ طور۔ کوہِ طور کی بلندی پر 'ارنی' کہنے والا یعنی حضرت موسیٰؑ جو طور پر جا کر "رب ارنی" کہا کرتے تھے۔
"	"	۵	وادیٔ مینو اساس۔ ایسی وادی جس کی اصل بہشت سے ہو۔ یعنی بہشت کا ٹکڑا معلوم ہوتی ہو۔
"	۱۴	۲	دُرّاج۔ کبک، تیہو، طاؤس۔ یہ سب مختلف قسم کی چڑیاں ہیں۔ اُردو میں ان کو تیتر، چکور، بٹیر اور مور کہتے ہیں۔

صفحہ	بند	مصرع	
۲۰۰	۱۶	۲	**حق سِرُّہٗ** ۔ اُس کا راز حق ہے ۔ قمری کی آواز ۔
″	″	۳	**سُبحانَ رَبّنا** ۔ کیا اچھا ہے ہمارا ربّ ۔ ربّ کے معنی ہیں پالنے والا ۔
″	۱۸	۵ و ۶	**لُٹ گیا** ۔ بعض نسخوں میں "کٹ گیا" ہے ۔
۲۰۱	۲۱	۲	**آسمانِ دہم** ۔ دسواں آسمان ۔ آسمان اصل میں سات ہیں ۔ اُن کے اوپر کرسی اور اُس کے اوپر عرش ہے جس کا مرتبہ سب سے بلند ہے ۔ لیکن امام حسین کے خیمے کا مرتبہ اُس سے بھی زیادہ بلند ہے ۔ اس لئے ساتواں آسمان اس کو عرش سے بھی بالاتر ایک اور آسمان سمجھتا ہے ۔
۲۰۱	۲۱	۵	**شمسۂ کیواں جناب** ۔ شمسہ = کلس ۔ کیواں = ستارۂ زحل جو ساتویں آسمان پر ہے ۔ جناب = چوکھٹ ۔ "شمسۂ کیواں جناب" کے معنی ہوئے اتنا اونچا کلس جس کی چوکھٹ یعنی نیچے کا سرا ستارۂ زحل کے برابر بلند ہے ۔
۲۰۱	۲۱	۶	**گُلِ آفتاب** ۔ اضافت تشبیہی ہے ۔ مراد خود آفتاب ۔
″	۲۲	۱	**خطِ ابیض** ۔ سفید لکیر ۔ یہ صبح صادق کی علامت ہے جو نماز صبح کا وقت ہے ۔
۲۰۲	۲۵	۲	**جَدّ** ۔ دادا حضرت علی اکبر کے دادا حضرت علی خوش بیانی اور طلاقتِ لسانی میں بے نظیر تھے ۔
″	″	۵	**شُعبے** ۔ شاخیں ۔ صدا کے شعبوں سے مختلف سُر مراد ہیں ۔
″	″	″	**پنکھڑیاں جیسے پھول میں** ۔ اس تشبیہ میں بڑی ندرت ہے مختلف سُروں میں ایسا دل آویز تناسب تھا جیسا پھول کی پنکھڑیوں میں ہوتا ہے اور اُن سُروں کے مجموعے میں وہ دلکشی تھی جو ایک پھول میں ہوتی ہے ۔ حضرت علی اکبر کی اذان کو سُن کر کانوں کو وہ لذت ملتی تھی جو آنکھوں کو پھول کے دیکھنے سے حاصل ہوتی ہے ۔
″	۲۷	۱	**قَدْ قَامَتِ الصَّلوٰۃ** ۔ نماز قائم ہوئی ہے ۔ نماز سے پہلے بہت بلند آواز

صفحہ بند مصرع

اذان دی جاتی ہے جسکا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ نماز کا وقت آگیا ہے۔ چنانچہ اذان کے مختلف فقروں میں ایک فقرہ یہ بھی ہوتا ہے "حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ" جسکے معنی ہیں نماز کے لئے آؤ۔ جب لوگ مسجد میں جمع ہو جاتے ہیں تو اقامت کہی جاتی ہے جسکا مقصد یہ اعلان ہوتا ہے کہ اب نماز شروع ہوتی ہے۔ چنانچہ اقامت کے مختلف فقروں میں ایک قدقامت الصلوٰۃ بھی ہے۔

۲۰۲ ۲۸ ۴ 'ادا' اور 'نماز' میں صنعت ایہام تناسب ہے۔

۲۰۳ ۳۰ ۴ و ۵ 'امام' 'دانا' 'تسبیح' میں صنعت ایہام تناسب ہے۔

" " ۵ و ۶ کربلا کی مٹی جس کو خاک شفا کہتے ہیں اسکی تسبیحیں بنائی جاتی ہیں اور تسبیحوں پر درود وغیرہ پڑھا جاتا ہے۔

۲۰۴ ۴۹ ۶ یعنی تیروں کی بارش کی وجہ سے بچے باہر نہیں نکل سکتے۔

۲۰۶ ۴۲ ۲ 'تبرکات' جمع ہے 'تبرک' کی۔ مگر یہاں واحد کے طور پر مستعمل ہوا ہے۔

۲۰۸ ۵۶ ۱ انیسؔ کو ظاہری حرکات سے دلی خیالات ظاہر کرنے میں بڑا کمال تھا۔ یہ مصرع ان کے اس کمال کا ثبوت ہے۔

" ۵۸ ۶ اس مصرع میں 'انھیں' کا لفظ دو مرتبہ آیا ہے پہلی مرتبہ اس سے مراد ہیں جعفر طیار جن کا ذکر اس بند کے دوسرے مصرعے میں ہے۔ اور دوسری مرتبہ اس لفظ سے اشارہ ہے حضرت علیؑ کی طرف جن کا ذکر بند کے چوتھے مصرع میں ہے۔

۲۰۸ ۵۸ ۲ ہمارے جد۔ یعنی جعفر طیار۔

۲۱۱ ۷۰ ۵ جنابِ امیر۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام۔

" ۷۴ ۳ قرآں کے بعد ہے بھی تو ہے آپ کا کلام۔ خدا کے کلام کے بعد سب سے بڑا مرتبہ امام وقت کے کلام کا ہے اور حضرت حسینؑ اپنے وقت کے امام تھے۔

صفحہ	بند	مصرع	
۲۱۱	۷۳	۶	**ایک** ۔ بے نظیر۔ جس کا سا کوئی دوسرا نہیں ۔
۲۱۳	۸۱	۳	**اُمّ البنین** ۔ حضرت عباس کی مادر گرامی ۔
”	”	۶	**تاروں کی چھاؤں میں** ۔ پچھلی رات کو۔ صبح سے کچھ پہلے ۔ دلھنیں سسرال میں پہلے پہل اکثر اسی وقت آتی ہیں ۔
”	۸۲	”	”علی کے نشان“ سے حضرت عباس مراد ہیں جو حضرت علیؑ کے صاحبزادے اور بہادری وسپاہ گری میں اپنے پدر بزرگوار کے یادگار تھے۔ ’شان‘ اور ’نشان‘ میں تجنیس زائد ہے ۔
۲۱۵	۹۲	۴	علم کے چمکتے ہوئے پنجے پر جب آفتاب کی شعاعیں پڑتی تھیں تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دولھا کے چہرے پر سونے کا سہرا ۔
”	۹۴	۱	**سہی قد** ۔ سیدھے قد والے ۔ خوش قامت ۔
”	”	”	**سمن عذار** ۔ پھول سے رخسار والے ۔
۲۱۶	۹۵	۶	**اب تک جہاں میں ساتھ نبیؐ و علیؑ کا ہے** حضرت علی اکبر صورت میں حضرت محمدؐ سے مشابہ تھے اور حضرت عباسؑ شان و شوکت میں حضرت علیؑ سے ۔ اس لئے ان دونوں کا ساتھ گویا نبیؐ و علیؑ کا ساتھ تھا۔
۲۱۷	۱۰۲	۶	**تیغوں کی موجوں کو پَیر کے** ۔ اس فقرے سے ظاہر ہوتا ہے کہ میدانِ جنگ میں تلواریں اس کثرت سے چل رہی تھیں کہ تلواروں کا ایک دریا لہریں لیتا ہوا معلوم ہوتا تھا ۔ اِس لئے حضرت عباسؑ کا اُن میں سے گزر کر دریائے فرات تک پہنچنا گویا تلواروں کے دریا کو پَیر کر پار اُترنا تھا ۔ بیان کی یہ ندرت قابل صد آفریں ہے ۔
”	۱۰۳	۲	**امیرِ عرب** ۔ عرب کا سردار ۔ مراد حضرت علی ۔

صفحہ	بند	مصرع	
۲۱۷	۱۰۴	۵	**رن چڑھے**۔ جنگ کا تجربہ رکھنے والے لڑائیاں لڑے ہوئے۔
۲۱۸	۱۰۵	۵	**ڈھالوں کا دَور برچھیوں کا اوج ہو گیا**۔ اس مصرع میں 'دَور' اور 'اوج' دونوں لفظ مجازی معنی میں مستعمل ہوئے ہیں۔ اور ہم وزن ہونے کی وجہ سے ایک کی جگہ دوسرا لایا جا سکتا تھا مگر انیس نے اُنکے حقیقی معنوں کے اعتبار سے ڈھالوں کے ساتھ 'دَور' اور 'برچھیوں' کے ساتھ 'اوج' استعمال کیا جو انتخاب الفاظ میں اُنکی باریک بینی کا بین ثبوت ہے۔
۲۱۹	۱۱۰	۶	**بٹھلا لیا**۔ 'بٹھلانا' کی جگہ اب 'بٹھانا' بولتے ہیں۔
"	۱۱۱	۲	**بن کاہل**۔ کاہل کا بیٹا یعنی حُرملہ جو یزیدی لشکر کا ایک مشاق تیر انداز تھا۔
"	۱۱۲	۴	**اے خاکِ پاک حُرمتِ مہماں نگاہ دار**۔ یہ مصرع فارسی ہے۔ معنی یہ ہیں کہ "اے پاک مٹی مہمان کی عزت کا خیال رکھنا۔
"	۱۱۳	۴	**فشار**۔ نچوڑنا۔ دبانا۔ گنہگار آدمی کی قبر تنگ ہو کر اُسکو دباتی ہے۔ اسکو فشار قبر کہتے ہیں۔
"	۱۱۴	۲	**لہو تھّیں**۔ خون کی سی سُرخ تھیں۔
۲۲۰	۱۱۵	۶	**جواد**۔ تیز رفتار گھوڑا۔ اس لفظ کے معنی قریب ہیں سخی، فیاض۔ اس موقعے پر اس لفظ کا استعمال صنعت ایہام کی بہترین مثال ہے۔
"	۱۱۸	۲	**مسکن میں مچھلیوں کے سمندر کا تھا مقام**۔ یہاں 'سمندر' سے مراد ہے وہ جانور جو آگ سے پیدا ہوتا ہے اور آگ ہی میں رہتا ہے مصرع کا مطلب یہ ہے کہ گرمی اتنی شدید تھی کہ 'سمندر' بھی اُسے برداشت نہ کر سکا اور آگ کو چھوڑ کر پانی میں رہنے لگا۔
۲۲۱	۱۲۰	۳	اس مصرع میں صنعت اِدماج ہے یعنی اسکے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک اس

صفحہ	بند	مصرع	
			طرح کہ 'مردم' سے آنکھ کی پتلی اور 'پردوں' سے آنکھ کے پردے مراد لئے جائیں۔ دوسرے اس طرح کہ "مردم" سے آدمی اور 'پردوں' سے وہ پردے مراد لئے جائیں جو دھوپ کی تابش سے بچنے کے لئے ڈالے جاتے ہیں۔
۲۲۱	۱۲۲	۲	**انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشاں** ۔ انتہا درجے کا مبالغہ ہے مگر لطف سے خالی نہیں۔
〃	۱۲۳	۴	**کافور صبح** ۔ اس میں اضافت تشبیہی ہے صبح میں سفیدی اور خنکی ہوتی ہے۔ اور کافور بھی سفید اور تاثیر کے اعتبار سے ٹھنڈا ہوتا ہے۔
۲۲۲	۱۲۹	۲	**اَحکام** ۔ حکم کی جمع ہے لیکن واحد کے طور پر مستعمل ہوا ہے۔ اس طرح کے لفظ اور بھی ہیں۔
۲۲۴	۱۳۵	۲	**اسم عزیمت اثر** ۔ ایسا نام جس میں دعا تعویذ کا سا اثر ہو۔
〃	〃	۶	'پر' اور 'سپر' میں تجنیس زائد ہے۔
〃	۱۳۸	۲	پہلے مصرعے میں جو تعجب کی بات بیان کی گئی تھی وہ اس مصرعے میں اس سے زیادہ حیرت انگیز پیرائے میں کہی گئی ہے۔
〃	〃	۴	**استادہ آب** ۔ ٹھہرا ہوا پانی۔
۲۲۵	۱۴۲	۲	**فرو ہوا** ۔ واو معروف کے ساتھ واو مجہول کو قافیہ کرنا جائز تو ہے لیکن فصیح نہیں معلوم ہوتا۔ میر انیس ایسے قافیوں سے بالعموم احتراز کرتے ہیں۔
۲۲۶	۱۴۶	۴	**مگر** ۔ لیکن ۔ یہاں 'نہنگ' کے ساتھ آنے سے اس لفظ میں ایہام پیدا ہو گیا ہے۔
〃	۱۴۸	۶	'سوفار' اور 'سہم' میں صنعت ایہام تناسب ہے۔ 'سہم' کے معنی 'تیر' بھی ہیں۔
〃	۱۴۹	۶	اس سے فوج کی بے حواسی کی تصویر کھینچی ہے۔
۲۲۷	۱۵۲	۱	**شمشیر کے تلے رکھ لیا تھا** ۔ دشمنوں کو اس طرح زد میں لے لیا تھا کہ وہ بچ کر نہیں نکل سکتے تھے۔

صفحہ بند مصرع

٢٢٩ ١٦٠ ٤ تصویر ذوالجناح پہ ہے بوتراب کی ۔ امام حسین اپنے گھوڑے پر اس
شان سے سوار تھے کہ حضرت علیؑ کی تصویر معلوم ہوتے تھے ۔

" ١٦١ ٥ ایک روایت ہے کہ جب حضرت نوح کی کشتی طوفان میں غرق ہونے لگی تو آپ نے
امام حسین کا واسطہ دے کر دعا کی۔ دعا مقبول ہوئی اور کشتی غرقابی سے محفوظ رہی۔

٢٣٠ ١٦٩ ٦ عقیدہ ہے کہ زمین ایک گائے کے سینگ پر اور وہ گائے مچھلی کی پیٹھ پر اور
وہ مچھلی پانی پر قائم ہے۔

٢٣٢ ١٧٥ ٣ شاہین و کبک چھپ گئے باہم ملا کے سر۔ شاہین باز کی ایک بہت
عمدہ قسم ہے۔ باز چکور کو پکڑ کر مار ڈالتا ہے لیکن خوف سے دونوں اس قدر
بے حواس ہو گئے تھے کہ سر سے سر ملائے چھپے بیٹھے تھے۔

٢٣٢ ١٧٨ ٤ پھر کھل گئے لپیٹ کے پھریرے نشان میں۔ بھاگنے کے ارادے
سے فوجی جھنڈوں کے پھریرے لپیٹ لیے تھے اب جم کر لڑنے کے خیال سے پھر کھول دیئے۔

٢٣٣ ١٨٠ ٢ ٹوٹے ہوئے تھے۔ "ٹوٹنا" اور "ٹوٹ پڑنا" کے ہی معنی ہیں بہت سے
آدمیوں کا ایک ساتھ کسی پر حملہ کر دینا۔

" ١٨٤ ١ اَعوَرِ سلمی ۔ یزیدی فوج کا ایک سپاہی۔

٢٣٤ ١٨٥ ٥ و ٦ امام حسینؑ کا گھوڑے سے زمین پر گرنا تین استعاروں میں بیان کیا گیا ہے۔

صفحہ ٢٣٩ شعر ١ شمع کشتہ ہوں فنا میں ہے بقا میرے لئے ۔ یہ مصرع اس
فارسی شعر کے دوسرے مصرعے کا ترجمہ ہے۔

چو تفی نفی اثبات است از مردن نہ می ترسم
چو شمع کشتہ باشد در فنائے من بقائے من

٢٤٠ ١ اس شعر میں سفر کربلا کی عظمت اور ایک مسافر کربلا کا استغنا دکھایا ہے۔ میر انیس نے
خود کبھی کربلا کا سفر نہیں کیا تھا۔

صفحہ	شعر	
۲۴۰	۱۶	اس شعر میں رسولؐ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے "اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ" یعنی فقیری میرا فخر ہے۔
۲۴۱	۱۴	صُرّۂ خاکِ شفا۔ کربلا کی مٹی کی چھوٹی سی پوٹلی۔
۲۴۴	۴	میر تقی میرؔ نے اس مضمون کو یوں ادا کیا تھا:۔ ؎ ہاتھوں پہ یہ جُھرّیاں نہیں ہیں پیری جامے کو چُن رہی ہے
"	۶	اس قول کی طرف اشارہ ہے "اَللّٰہُ جَمِیْلٌ وَّیُحِبُّ الْجَمَال" یعنی خدا حسین ہے اور حُسن کو دوست رکھتا ہے۔
"	۱۴	یعنی حضرت علیؓ کے عدل کا نتیجہ یہ ہوا کہ ظالم نے ظلم کرنا ترک کر دیا اور مظلوم کو ظالم کا خوف باقی نہیں رہا۔ یہاں تک کہ باز اور کبوتر ایک آشیانے میں ساتھ رہنے لگے۔
"	۱۵	گُلِ چراغِ خانہ ہوا۔ گھر کا چراغ بجھ گیا۔ یعنی بیٹا مر گیا۔
۲۴۵	۱۲	روایت ہے کہ بادل کا ایک ٹکڑا حضرت محمدؐ کے سر پر سایہ کئے رہتا تھا۔ آپ کے ایک عمامے کا نام بھی "سحاب" تھا۔
۲۴۶	۷	اس شعر میں رسولؐ کے دو معجزوں کی طرف اشارہ ہے۔ ایک یہ کہ آپ جس درخت کو بُلاتے تھے وہ آپ کے پاس چلا آتا تھا۔ دوسرا یہ کہ ایک مرتبہ آپ نے ایک سوکھے ہوئے درخت پر کُلّی کر دی تو وہ درخت سبز اور پھل دار ہو گیا۔ شیخ ناسخ نے ذیل کے شعر میں پہلے معجزے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ آدمی کیا کہ تیرے فرماں سے دوڑے آئے ہیں لاکھ بار درخت
	"	جو کہ باریاب نہ تھا۔ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ جو نبیؐ کی خدمت میں حاضر نہ تھا۔ دوسرے یہ کہ جو پھل دار نہ تھا۔

صفحہ | شعر

۲۴۶ ۹ **دست یاب** ۔ حضرت موسیٰؑ کے ہاتھ میں ایک نہایت چمکدار نشان تھا ۔ یہاں "دستیاب" کا استعمال لفظ کے لغوی معنوں میں ہوا ہے ۔

۲۴۷ ۳ معراج کی شب میں رسولؐ عرش تک جوتا پہنے ہوئے چلے گئے ۔ حالانکہ سب سے مقرب فرشتہ یعنی جبرئیل بھی چوتھے آسمان سے آگے نہیں جا سکتا ۔

" ۱۰ یہ شعر اس فارسی شعر کا لفظ بہ لفظ ترجمہ ہے :-

کارسازانِ جہاں در کارِ خود درماندہ اند — آب نتواند کہ شوید گرد از رخسارِ خویش

۲۴۸ ۱۲ **گلاب گلِ ارغواں** ۔ اس شعر میں امام حسینؑ کے دھوپ سے تمتمائے ہوئے چہرے کو ارغواں کے سرخ پھول سے اور آپ کے پسینے کو خوشبو کے اعتبار سے گلاب سے تشبیہ دی ہے ۔

۲۴۹ ۳ انتہا کی لاغری دکھائی ہے ۔ مراد یہ ہے کہ چہرے پر گوشت بالکل تھا ہی نہیں ۔ صرف ہڈیوں پر رنگ چڑھا ہوا تھا ۔ اس لئے رنگ کے اُڑ جانے سے ہڈیاں دکھائی دینے لگیں ۔

" ۱۵ گندم گندم سے جَو سے جَو ہے ۔ یہ اس فارسی مصرعے کا ترجمہ ہے ۔ ع

"گندم از گندم بروید جَو ز جَو"

صفحہ | رباعی | مصرع

۲۵۱ ۳ **اقرب ہو رگِ جاں سے** ۔ قرآن کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے ۔ "نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْد" یعنی میں انسان کی رگِ گردن سے زیادہ قریب ہوں ۔

" ۴ یہ رباعی فارسی کی مندرجۂ ذیل رباعی سے ماخوذ معلوم ہوتی ہے :-

ہر کس کہ دلش پر بود از گوہر راز — ہرگز نبود بشہرتش روئے نیاز

بے مغز ہمیشہ میل شہرت دارد — در کاسۂ خالی نبود جز آواز

صفحہ رباعی مصرع

۲۵۱ ۵ "گوگردِ سُرخ" کے معنی ہیں لال رنگ کی گندھک۔ پارس ایک قسم کا پتھر ہے اور اکسیر کیمیاوی عمل سے تیار کی ہوئی خاکستر کو کہتے ہیں۔ ان تینوں چیزوں سے مختلف دھاتوں کو سونا بنا سکتے ہیں اور یہ تینوں چیزیں نہایت کمیاب ہیں اس لئے ان کا ذکر عنقا کے ساتھ کیا گیا ہے۔

۲۵۳ ۱۲ ۲ **فغانی**۔ ایران کے ایک مشہور شاعر کا تخلص۔

۲۵۵ ۲۸ ۲ **یارانِ شباب**۔ جوانی کے زمانے کے دوست۔ مجھ سے ایک معتبر شخص نے بیان کیا کہ ایک معمر بزرگ جو مرثیہ خوانی کے فن سے بخوبی واقف تھے اور شاید میر انیس کا پڑھنا سن چکے تھے وہ جب یہ رباعی پڑھتے تھے تو "یارانِ شباب" کہتے وقت اپنے دانتوں کی طرف اشارہ کرتے تھے اگر "یارانِ شباب" سے دانت مراد لیے جائیں تو یہ رباعی پیری کا ایک صحیح مرقع ہو جائے۔ رخساروں کی بے رونقی، دانتوں کا ٹوٹنا۔ بالوں کا سفید ہو جانا یہی تینوں چیزیں بڑھاپے کی نمایاں علامتیں ہیں۔

۲۵۵ ۲۸ ۴ **کافور ہونا**۔ اس کے معنی ہیں چل دینا، غائب ہونا، بھاگ جانا وغیرہ۔ مگر انیس نے یہاں سفید ہو جانا کے معنی لئے ہیں۔ اس نئے مفہوم کی طرف ذہن کو منتقل ہونے میں دقت ہوتی۔ مگر باکمال شاعر نے بالوں کو مشک سے تشبیہ دے کر اس دقت کو دور کر دیا۔ اسی تشبیہ نے شاعر کو محاورے میں تصرف کرنے کے الزام سے بھی بچا لیا۔ اب 'کافور ہونا' محاورہ نہیں رہا بلکہ صاف ظاہر ہو گیا کہ بالوں کو سفیدی کی بنا پر کافور سے تشبیہ دی گئی ہے۔

غلطنامہ

بعض معذوریوں کی وجہ سے میں اصل کتاب کی کاپیوں کی تصحیح خود نہ کر سکا اور یہ کام اپنے لائق احباب مولوی سید محمد حسین صاحب مولوی فاضل، منشی فاضل، ام، اے۔ ال، ال، بی۔ لکچرر لکھنؤ یونیورسٹی۔ اور مولوی سید یوسف حسین صاحب موسوی ام، اے لکچرر لکھنؤ یونیورسٹی کے سپرد کرنا پڑا۔ ان حضرات نے اس تکلیف دہ کام کو جس شوق اور دلچسپی سے انجام دیا اُس کے لیے میں اُنکا شکرگزار ہوں۔ مگر افسوس ہے کہ کتابت کی بہت سی غلطیاں نظرانداز ہو گئیں اور ایک طولانی غلطنامہ لگانا پڑا۔

جن غلطیوں کی تکرار بار بار ہوئی ہے اور وہ غلطنامے میں شامل نہیں کی گئی ہیں اُن کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

۱۔ 'شبّر' اور 'شبّیر' یہ دونوں لفظ عوام کے تلفظ میں 'شپّر' اور 'شپّیر' ہو گئے ہیں اس کتاب میں یہ لفظ دونوں طرح پر لکھے گئے ہیں۔

۲۔ پہلے مرثیے میں ہر جگہ، اور باقی کتاب میں کہیں کہیں نون غُنّہ کے پیٹ میں نقطہ دے دیا گیا ہے۔ بعض جگہ اسکا عکس بھی ہوا ہے۔

۳۔ ہائے مختفی پر ختم ہونے والے الفاظ بحالت اِمالہ یائے مجہول سے لکھنا چاہیے۔ مگر اسکا ہر جگہ لحاظ نہیں رکھا گیا اور حصے، معرکے، غصے، قبضے، جامے وغیرہ کو اکثر قدیم رسم الخط کے مطابق حصہ، معرکہ، غصہ، قبضہ، جامہ وغیرہ لکھ دیا گیا ہے۔ اسی طرح پُرانے رسم الخط کی تقلید میں زرا، تپا، تماشا، پہنچا کو ذرا، پتہ، تماشہ، پہونچا، لکھا ہے۔

۴۔ کیجے، دیجے وغیرہ کو اکثر کیجیے، دیجیے وغیرہ لکھا ہے اور کہیں کہیں بالعکس بھی لکھ دیا ہے۔ لیے اور کیے کو لئے اور کئے۔ یونہیں کو یوہیں اور پھیرے کو پھیرے اکثر لکھا ہے۔

۵ - گزرنا اور گزشتن کے تمام مشتقات کو قدیم رسم الخط کے مطابق اکثر ذال سے لکھا ہے -

٦ - ہائے مختفی پر ختم ہونے والے الفاظ جب الف پر ختم ہونے والے لفظوں کے ساتھ قافیہ کئے جاتے ہیں تو کتابت میں اُن کی آخری ہ الف سے بدل دی جاتی ہے یعنی سایہ، پایہ، حصّہ، وغیرہ کو سایا، پایا، حصا، وغیرہ لکھتے ہیں مگر اسکا لحاظ ہر جگہ نہیں رکھا گیا -

ان عام غلطیوں کے علاوہ کتابت کی جو خاص غلطیاں ہوئی ہیں وہ ذیل کے غلطنامے سے ظاہر ہونگی - ناظرین کتاب سے درخواست ہے کہ وہ کتاب شروع کرنے سے پہلے ان غلطیوں کی تصحیح فرمالیں -

صفحہ	بند	مصرع	غلط	صحیح	صفحہ	بند	مصرع	غلط	صحیح
١١	٤٢	٤	وضی	وصی	٣٢	٢	١	پَر	پہ
١٢	٤٦	٦	اُنھیں	اِنھیں	٣٢	٦	٤	کے	کی
〃	٤٨	١	میری	میرے	〃	٧	〃	مزا	مزہ
١٣	٥٣	٥	دِلا	وِلا	٣٤	١٣	〃	جس	جن
١٥	٦٤	٣	مرے	میرے	٣٥	١٨	٣	اشارا	اشارہ
١٦	٦٧	١	ترے	تیرے	٣٦	٢٣	١	پردا	پردہ
٢٠	٨٦	٢	جسکے	جس کی	٣٧	٢٨	٦	خورد	خرد
٢١	٩٠	٥	دلا	ولا	〃	٢٩	٣ حاشیہ	دولہ	دولھا
٢٢	٩٩	٤	چم کے	چمکے	٣٩	٣٧	١	جوان ہیں	جوان نہیں
٢٦	١١٥	٣	پھال	بھال	٤٢	٥٢	٣	تیار	طیّار
٢٧	١٢٢	٢	نہورا	نہوڑا	٤٤	٦١	٦	چھٹتی	چھٹتیں

صفحہ	بند	مصرع	غلط	صحیح
۴۵	۶۸	۴	بَجناں	بِجناں
〃	۶۹	۳	کے	کی
۴۶	۷۴	۶	نئے	نئی
۰	۰	۰	۰	۰
۴۸	۸۱	۵	بوٹہ	بوٹا
〃	۸۲	۳	کے	کی
۵۰	۹۱	۵	ولی	دلی
۵۱	۹۵	۳	گلوں کے	گلوں کو
〃	۹۶	۵	خوبئے	خوبیُ
۵۲	۱۰۰	۲	برچھی ہلی	برچھے ہلے
۵۳	۱۰۵	۵	دغا	وغا
〃	۱۰۹	۳	ناپاک	ناپاک و
〃	〃	۶	ہاشمبوں	ہاشمیوں
۵۶	۱۲۲	۵	سیاہ	سپاہ
〃	۱۲۳	۴	مزا	مزہ
۵۸	۱۳۴	۱	دونو	دونوں
〃	〃	۴	بال ایسے جن	یال ایسی جس
۵۹	۱۳۵	〃	تیز	تیر
〃	۱۳۷	۱	ترک و تاز	ترکتاز
〃	۱۳۹	۲	تیاک	تپاک

صفحہ	بند	مصرع	غلط	صحیح
۶۰	۱۴۰	۳	دونو	دونوں
۶۱	۱۴۵	۱	سعار	سعد
〃	〃	۵	لو	تو
۶۴	۱۶۰	〃	کوپخ	کوچ
۶۵	۱۶۵	〃	کے	کی
〃	۱۶۷	۱	بیں	بَین
۰	۰	۰	۰	۰
۶۶	۱۷۴	۳	ہمارے	ہماری
۶۷	۱۷۶	۵	ام البنیں	اُمّ البنین
〃	〃	〃	پر	پہ
۶۹	۴	۴	ذرہ	زرہ
۷۱	〃	۶	رزنگاہ	رزمگاہ
۷۲	۱۵	۳	نمودار	نمودارو
۷۴	۲۵	۶	ہرایک	ہراک
۷۷	۴۳	۴	دونوں جواں	دو نوجوا
۷۸	۴۸	۱-۴	مزا	مزہ
۷۹	۵۲	۳	جسم و	جسم
〃	۵۴	۲	یہ کیا کیا	یہ کیا یہ کیا
۸۱	۶۱	۴	ہوگئے	ہوئے
۹۰	۱۰۸	۶	صیف	سیف

صفحہ	بند	مصرع	غلط	صحیح	صفحہ	بند	مصرع	غلط	صحیح
۹۱	۱۱۲	۲	وہاں	واں	۱۲۵	۱۱۳	۱	ٹکرے	ٹکڑے
۹۲	۱۱۷	۶	بل	بھل	۱۲۶	۱۱۷	۲	شِست	شَست
۹۳	۱۲۰	۳	عاری	آری	۱۲۷	۱۲۳	۴	تپ	تب
۹۴	۱۲۸	۱	ذرہیں	زرہیں	۱۲۹	۱۳۱	۲	گنڈے	گُنڈے
۹۷	۱۴۰	۴	تاک	تآک	۱۳۱	۱۴۰	۳	زبان س	زبان میں
〃	۱۴۱	حاشیہ	کھیرے	گھیرے	۱۳۲	۱۴۶	〃	پردا	پردہ
۱۰۰	۱۵۵	۳	اٹکے	اٹکی	۱۴۳	۲۹	۶	بنیٔ	بنی
۱۰۲	۱۶۵	۱	رُوئے	رُوے	۱۴۵	۳۷	۴	ہیں	ہے
۱۰۸	۳۲	۵	~~مروا~~	~~مزہ~~	۱۴۶	۴۲	۶	یا تھا	دیا تھا
〃	۳۳	۴	خوش آمد	خوشامد	〃	〃	〃	اُب	اَب
۱۱۰	۳۵	۳	باہیں	بانہیں	〃	۴۴	۱	ہیں	ہے
〃	۳۶	〃	ایک	اک	۱۵۵	۸۵	۵	کہ	گر
〃	۳۷	۱	دولہ	دولھا	〃	۸۸	۲	آہ	راہ
۱۱۴	۱۵۸	۵	اِدھر	اُدھر	〃	۸۹	〃	پہ	یہ
۱۱۵	۶۰	۳	ب کہ	اب کہ	〃	〃	۴	ناریوں	تازیوں
۱۲۲	۹۷	۱	میں	بھی	۱۵۶	۹۴	۳	آہ	آؤ
〃	۹۸	۶	ہو	ہوں	۱۵۷	۹۷	۶	چھپلیں	چھپیں
۱۲۳	۱۰۲	۳	برچھی	برچھے	۱۶۴	۱۳۰	〃	پہلو	پہلوئے
•	-	-	•	•	〃	۱۳۲	۳	ایک	اک
۱۲۴	۱۰۹	۵	شعلۂ یار	شعلہ بار	۱۶۶	۱۴۲	〃	استارا	ستارہ

صفحہ	بند	مصرع	غلط	صحیح
۱۶۸	۱۵۱	۲	ہی	ہے
۱۷۰	۱۶۰	”	شربۃ	شربت
•	•	•	•	•
۱۷۲	۱۶۱	۵	رنج	رنج و
۱۷۷	۵	۱	خاق	خلیق
۱۷۹	۱۸	۳	مصلے	مُصَلّی
۱۸۳	۳۶	۵	چاوش	چاؤش
”	۳۹	۲	سنائیں	سنائیں
۱۸۵	۴۷	۴	نیزیں	نیزے
۱۹۲	۸۳	۱	لاکھوں	لاکھ
۱۹۵	۹۵	۱	مارتےتھے	مارتے تھے
۲۰۰	۱۵	۵	زُہر	زَہر
۲۰۱	۲۱	۱	اِس	اُس
۲۰۲	۲۹	۱	لکبروں	تکبّروں
۲۰۳	۳۴	۵	تشنہ کامی	تشنہ کامی و
۲۰۵	۴۴	۳	ٹھُن	ٹھَن
۲۰۷	۵۴	۲	سیدِ الانام	سیدُ الانام
۲۱۳	۸۱	۳	اُم لبنین	اُمّ البنین

صفحہ	بند	مصرع	غلط	صحیح
۲۱۶	۹۸	۳	روباہ	روباہوں
۲۱۷	۱۰۴	۶	کچھ تھے	تھے کچھ
۲۱۹	۱۱۱	۳	اِس	اُس
۲۲۱	۱۲۲	۲	شر	شرر
”	۱۲۴	۱	اِس	اُس
۲۲۳	۱۳۳	۶	لیلیٰ	لیلی
۲۲۵	۱۴۰	۵	خول	خوں
۲۲۶	۱۵۲	”	اِس	اُس
۲۳۶	۱۹۷	۲	پادگار	یادگار
”	”	۳ حاشیہ	ٹپکے	ٹپکے

صفحہ	شعر	مصرع	غلط	صحیح
۲۴۶	۸	۲	ثواب	صواب
۲۴۸	۱۲	۱	پسینہ	پسینا
۲۴۹	۱	۱	عابد	اکبرؑ
•	•	•	•	•

صفحہ	رباعی	مصرع	غلط	صحیح
۲۵۵	۲۷	۱	اَدبار	اِدبار